کتاب الفتاویٰ

''زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں بحوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں''

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

فہرست مضامین

صفحہ	عناوین	سلسلہ نمبر
	کتاب الطلاق	
	طلاق سے متعلق سوالات	
	طلاق واقع ہونے کا بیان	

کتاب البیوع

خرید و فروخت سے متعلق سوالات

بیع باطل اور بیع فاسد

مضاربت وشرکت

سود کے احکام

صفحہ	عناوین	سلسلہ نمبر
۳۶۵	حرام مال کے ترک کرنے سے متعلق چند مسائل	۱۹۲۹
۳۶۷	بینڈھے اور بکریوں کا انشورنس	۱۹۳۰
	قرض کے احکام	
۳۶۸	کاروبار کے لیے بینک سے قرض	۱۹۳۱
۳۶۹	بینک سے قرض	۱۹۳۲
۳۷۰	سودی قرض حاصل کرنا	۱۹۳۳
۳۷۲	قرض کی ادائیگی میں زیادہ واپس کیا جائے	۱۹۳۴
۳۷۳	قرض سے نفع	۱۹۳۵
۳۷۴	قرض کی وجہ سے کرایہ کم دینا	۱۹۳۶
۳۷۵	مسجد کی رقم کو بطور قرض دینا	۱۹۳۷
۳۷۶	قرض دہندہ لاپتہ ہو جائے	۱۹۳۸
۳۷۷	شادی میں امانت کی رقم کو قرض کی ادائیگی میں منہا کر لینا	۱۹۳۹
۳۷۸	قرض کی دستاویز	۱۹۴۰
۳۷۹	کاروبار کو بڑھانے کے لیے قرض	۱۹۴۱
	بے روزگار مسلمان نوجوانوں کے لیے	۱۹۴۲
۳۷۹	معمولی شرح سود پر سرکاری قرضہ	
۳۸۰	مقروض سے رقم وصول کرنے کی اجرت لینا	۱۹۴۳
۳۸۱	قرض حسنہ	۱۹۴۴
۳۸۲	غیر سودی بیت المال کے لیے طریق کار	۱۹۴۵

کتاب الفتاویٰ

پانچواں حصہ

کتاب الطلاق

طلاق سے متعلق سوالات

طلاق واقع ہونے کا بیان

کیا زنا سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال:- (1662) اگر کسی عورت نے شادی کے بعد زنا کیا اور وہ حاملہ نہیں ہوئی، یا حاملہ ہوگئی، تو ان دونوں صورتوں میں نکاح پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کس کا سمجھا جائے گا؟　　(فیروز خان، نظام آباد)

جواب:- اس گناہ کی شناعت تو ظاہر ہے، لیکن اس کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا، شادی شدہ عورت کے بارے میں اگر شوہر دو سال سے غائب نہ ہو تو یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ حمل کسی اور کا ہے، اور اگر اتنی مدت کی عدم موجودگی کے بعد بھی عورت کو ولادت ہو تو بھی بچہ اسی مرد کی طرف منسوب ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ قاضی کے سامنے بچہ کے نسب کا انکار کرے اور قاضی ان دونوں کے درمیان لعان کرادے۔ (۱)

---

(۱) الفتاوی الہندیة :۱/ ۵۲۲۔ مرتب۔

بیوی کو ناجائز تعلق پر مجبور کرنے والا کا نکاح ؟

سوال:- (1663) ایک شوہر اپنی بیوی کو خود ہی ناجائز تعلقات پر مجبور کرتا ہے، جب کہ بیوی اس کو ناپسند کرتی ہے تو کیا ناجائز تعلقات کی وجہ سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، یا عورت کو اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے خلع حاصل کرنا ضروری ہے؟ (ایک نہایت مجبور بہن، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ نہایت شرمناک اور بدترین گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے آپ سے آپ نکاح ختم نہیں ہوگا، نکاح ختم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یا تو مرد طلاق دے، یا عورت کی درخواست پر قاضی اس کا نکاح فسخ کردے، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں عورت کو ہرگز شوہر کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے، نیز اس کو اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا چاہئے اور اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں فسخ نکاح کی درخواست دینی چاہئے، جب قاضی تحقیق کرکے نکاح فسخ کردے، تبھی نکاح ختم ہوگا، اور اس بدبخت شوہر سے نجات حاصل ہوگی۔

شک وشبہ کی بناء پر طلاق

سوال:- (1664) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو شک اور شبہ کی وجہ سے طلاق دے دے، بعد کو شوہر کو پتہ چلا کہ اس کی بیوی بے قصور تھی تو کیا وہ دوبارہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے؟ (محمد ریاض الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر اس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دی تھی، تو دوبارہ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی استوار ہوسکتی ہے، اگر لفظ طلاق سے ایک دو طلاق دی ہو اور ابھی عدت نہ گزری

ہو تو یوں ہی لوٹا لینا کافی ہے،(۱) اور اگر عدت گزر گئی ہو، یا طلاق بائن دی ہو تو دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح ضروری ہوگا، اور اگر خدانخواستہ تین طلاق دے دی ہو تو اب وہ اس پر حرام ہو چکی، اگر اس کا دوسرا نکاح ہوا، اور اتفاق سے دوسرے شوہر نے بھی صحبت کے بعد طلاق دے دی، تو اب اس کے لئے دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہوگا ورنہ نہیں ——— یہ تو اس سوال کا جواب ہے، لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ محض شک و شبہ کی بناء پر طلاق دینا جائز نہیں، پھر اگر عورت کے بارے میں کوئی بری بات پہونچے تو پہلے اس کی خوب تحقیق کرنی چاہئے، پھر اگر عورت کی اصلاح ممکن ہو اور شوہر کی طبیعت اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کو گوارہ کرتی ہو تو نکاح باقی رکھنے کی گنجائش ہے، اور اگر اصلاح کی توقع نہ ہو یا طبیعت اس کے ساتھ نباہ پر آمادہ نہ ہو، تو ایک طلاق بائن دینے پر اکتفاء کرنا چاہئے تاکہ اگر پشیمانی ہو تو نکاح کی گنجائش باقی رہے۔

علیل بیوی کو طلاق یا نکاح ثانی

سوال:- (1665) بیوی چار پانچ سال سے طویل علالت میں مبتلا ہے، اور صحت کے آثار مفقود ہیں، یہ علالت ازدواجی تعلقات میں مانع ہے، ایسی صورت میں شوہر کے لئے کیا احکام ہیں؟ کیا شوہر طلاق دے سکتا ہے؟ یا بیوی خلع حاصل کر سکتی ہے؟ ہر دو صورت میں لڑکے کس کی تحویل میں ہوں گے؟ اگر نکاح ثانی مقصود ہو تو کیا علیل بیوی سے ازروئے شریعت اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟

(پروفیسر ایس جی الدین، پربھنی)

جواب:- (الف) رشتۂ نکاح اسی لئے ہے کہ آرام کی طرح تکلیف اور سکھ کی طرح

(۱) " وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها " (الهداية: ۳۹۴/۲) محشی۔

دکھ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، اسی لئے بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے اسے طلاق دے دینا گناہ، غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے، اور اس سے زیادہ لائق شرم بات یہ ہے کہ عورت یا اس کے اہل خانہ سے کہا جائے کہ وہ خلع حاصل کرلے۔

(ب) البتہ شوہر کو اپنی ضرورت کے لئے اس بیمار بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت یا اس پر اس کا اظہار ضروری نہیں۔

(ج) اگر شوہر و بیوی میں تفریق ہوجائے تو لڑکے سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے، اور باپ کو ان سے ملاقات کا حق حاصل رہے گا، اور اس عمر کے بعد باپ کی طرف منتقل ہوجائیں گے، اور ماں اور نانا نانی وغیرہ کو ملاقات کا حق حاصل رہے گا۔(۱)

سالی کی بہنوئی کے ساتھ بے تکلفی پر طلاق

سوال:- {1666} آپ یہ جواب دے چکے ہیں کہ بہنوئی غیر محرم ہے، میری بیوی اس جواب کو دیکھنے کے باوجود اپنے بہنوئی سے بہت بے تکلف ہے، ایک دوسرے سے چپک کر بیٹھتے ہیں، خوشی کے موقع پر دونوں گلے ملتے ہیں اور سینے سے لپٹتے ہیں، مجھے ان حرکتوں سے سخت نفرت ہوتی ہے، میں نے اپنی بیوی کو سمجھایا، مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے میں اس سے علاحدہ ہونا چاہتا ہوں، اپنے زریں مشورہ سے نوازیں۔ (ایک بھائی، ملک پیٹ)

جواب:- آپ کا اپنی اہلیہ کو بہنوئی کے ساتھ بے تکلفی پر منع کرنا بالکل درست ہے اور کسی مسلمان عورت کو اس طرح کی حرکتیں قطعاً زیبا نہیں، تاہم چوں کہ طلاق اچھی چیز نہیں، اور

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار: ۵/۲۶۳۔ محشی۔

آخری درجہ میں اس کی گنجائش ہے، نیز آپ کے سمجھانے کا ان پر اثر نہیں ہو رہا ہے، تو مناسب ہے کہ کسی اچھے مستند عالم دین جن سے آپ کا تعلق ہو کے ذریعہ ان کی تفہیم کرائیں، ممکن ہے وہ ان کے سمجھانے کا اثر قبول کریں، نیز ان کے والدین کو بھی اس جانب متوجہ کریں، اگر اس کے باوجود ان کے رویہ میں تبدیلی نہ آئے تو کسی ذمہ دار عالم دین سے مشورہ کر کے بطور تنبیہ پاکی کی حالت میں فقط طلاق کے ذریعہ ایک طلاق دینے کی گنجائش ہے، ایک طلاق دینے سے یہ فائدہ ہے کہ اگر آپ دونوں کی سوچ میں تبدیلی پیدا ہوئی یا آپ کی اہلیہ کو تنبیہ ہوگئی تو عدت کے اندر رجعت کی اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کی گنجائش ہوگی۔

''میں طلاق دے دوں گا'' سے طلاق واقع ہوتی ہے؟

سوال:- {1667} میری شادی ہوئے آٹھ سال ہوئے ہیں، میں نے کئی بار غصہ کی حالت میں کہا: ''میں طلاق دے دوں گا'' کیا اس طرح کہنے سے طلاق واقع ہوجائیگی؟

(سید عمر علی، نظام آباد)

جواب:- اگر آپ نے صرف ''طلاق دے دوں گا'' کے الفاظ کہے ہیں، طلاق دیدی یا طلاق دیتا ہوں کے الفاظ نہیں کہے تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، (۱) لیکن یاد رکھیں کہ اگر واقعی آپ کی بیوی زیادتی کرے تب بھی شدید مجبوری اور طلاق سے پہلے کی تدبیر اختیار کئے بغیر طلاق دیدینا سخت گناہ ہے اور معصیت ہے، جب نصیحت، اصلاح حال کے لیے ایک دو دنوں کی بے تعلقی، معمولی سرزنش اور خاندان کے بزرگوں کے سمجھاؤ بجھاؤ کے باوجود میاں بیوی میں موافقت پیدا نہ ہو پائے تب کسی عالم یا صاحب علم دیندار سے مشورہ کرنے کے بعد طلاق دینی چاہئے، اس لئے آپ آئندہ ہرگز اس طرح کے الفاظ زبان پر نہ لائیں، یہ دیدنی بھی قبائح ہوگی اور آخرت بھی۔

---

(۱) ''لا يقع الطلاق بأطلقك لأنه وعد'' (الفتاوی الهندية: ۳۸۴/۱، كتاب الطلاق)

''طلاق دے رہے ہیں'' سے طلاق

سوال:- {1668} ایک صاحب سعودی میں مقیم ہیں، انہوں نے خطوط کے ذریعہ اپنے خسر کو اور گاؤں کے چند ذمہ دار حضرات کو اطلاع دی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں، لفظ طلاق کی کئی بار تکرار بھی درج ہے، لیکن بیوی کو راست طلاق نامہ حاصل نہیں ہوا، دوسروں کے ذریعے ہی اطلاع ملی، بعد میں فون پر بات چیت کے بعد وہ صاحب دوبارہ اپنی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں، کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا طلاق واقع ہوگئی، اس صورت میں کیا کرنا ہوگا؟

(عبید اللہ، مک پیٹ)

جواب:- ''طلاق دے رہے ہیں'' کی تعبیر دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ میں ابھی طلاق دے رہا ہوں، جیسے کہا جاتا ہے: ''میں کھانا کھا رہا ہوں'' یعنی حال کا معنی مراد ہو، اس صورت میں یہ کہتے ہی طلاق واقع ہوگئی، دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ اس کو طلاق دینے کا، جیسے کہا جاتا ہے کہ ''میں آرہا ہوں'' یعنی میں مستقبل قریب میں آنے والا ہوں، اگر یہ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ ''میں نے مستقبل قریب میں طلاق دینے کا پختہ ارادہ کر لیا'' طلاق محض ارادہ سے واقع نہیں ہوتی بلکہ عملاً طلاق دینے سے واقع ہوتی ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''انشاء طلاق'' کہتے ہیں، تو اگر ان صاحب کی یہ مراد ہو اور انہوں نے طلاق نامہ بیوی کو لکھ کر نہ بھیجا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوئی ——— موصوف کو آپ مشورہ دیں کہ وہ کسی مفتی سے رجوع کر کے صحیح طریقہ پر بتائیں کہ انہوں نے کیا جملہ کہا تھا؟ اور ان کی اس وقت کیا مراد تھی؟ جب اس سلسلہ میں کوئی متعین رائے دی جا سکتی ہے۔

بلڈ پریشر کا مریض اور غصہ کی طلاق

سوال:- (1669) میں ایک بلڈ پریشر اور دل کا مریض ہوں، میرے لڑکے سے پیسے کی وصولی کے متعلق کچھ تکرار ہوگئی جس کی وجہ سے میری بیوی نے بچے کی طرف سے مداخلت کی، جس پر میں نے اپنی بیوی پر غصہ کیا، میری بیوی نے مجھے جواب دیا، جس پر میرے غصہ میں مزید اضافہ ہوا اور میں اپنی بیوی کے بال پکڑ کر کھینچتا ہوا آنگن میں لایا، اور لکڑی کی تلاش میں دوسری جگہ چلا گیا، میرے آنے تک میری بیوی کو میرے چھوٹے بھائی کے گھر بہو اور بیٹے نے روانہ کردیا، میں نے کہا: کہاں گئی؟ چچا کے گھر گئی ہیں، بیٹے اور بہو نے کہا، چونکہ بچے سے رقم کے معاملہ پر بہو کے بڑبڑانے پر میرا بلڈ پریشر اور بڑھ گیا تھا، میں اسی غصہ کے عالم میں بھائی صاحب کے گھر جاکر کہا کہ کہاں ہے وہ؟ اس وقت تک بھی میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، جوں ہی بھائی کے گھر پہونچا اور غصہ کی ہی حالت میں میں نے کہا: ''تم دونوں گواہ ہو، میں اپنی بیوی کا نام لئے بغیر اس کو طلاق دے رہا ہوں'' اور تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا، جوں ہی میں گھر سے باہر آیا مجھے چکر آگئی، اور میں اپنی غلطی پر بہت شرمندہ ہوا، جناب سے گزارش ہے کہ کیا یہ طلاق واقع ہوگئی ہے؟ (شیخ ضامن، عادل آباد)

جواب:- اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کسی سبب شرعی کے بغیر طلاق دینا سخت گناہ اور معصیت ہے، شیطان کو اس سے زیادہ کسی اور بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ وہ میاں بیوی

کو ایک دوسرے سے الگ کرا دے، اس لئے اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے، اور طلاق کا لفظ خوب سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے نکالنا چاہئے، بیوی کی سرزنش اور فہمائش کے لئے صرف طلاق ہی کا طریقہ نہیں، بلکہ پہلے پند ونصیحت سے کام لیا جائے، پھر چند دن ترک تعلق کر کے اپنی ناراضگی کا احساس دلایا جائے، یہ بھی کافی نہ ہو تو معمولی سی جو قابل برداشت ہو اور دھنک آمیز نہ ہو، جسمانی سرزنش کی جائے، اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ معاملہ سلجھانے کی سعی کی جائے، اگر اس کے باوجود موافقت کی صورت پیدا نہ ہو تو آپ کو آخری چارۂ کار کے طور پر طلاق دینے کی اجازت ہے، ان تمام مراحل کا خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ( )

دوسرے طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اصلاح و سرزنش کے نقطۂ نظر سے طلاق دیں تو ایسی پاکی کی حالت — جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو — میں لفظ "طلاق" کے ذریعہ ایک طلاق دے دی جائے، اس کو "طلاق رجعی" کہتے ہیں، اس طلاق کے بعد عدت کے اندر بیوی کو لوٹا لینے کا حق حاصل ہے، اور عدت کے بعد بھی اگر زوجین دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کرنے کی گنجائش ہے، اور اگر بیوی کو مکمل طور پر زوجیت سے نکال دینے اور ازدواجی رشتہ ختم کر دینے کا ارادہ ہو تو پھر طلاق رجعی ہی کی طرح ایسی پاکی — جس میں صحبت نہ کی ہو — میں اس طرح طلاق دے، "میں نے ایک طلاق بائن دی" اب میاں بیوی کا رشتہ مکمل طور پر ختم ہو گیا، البتہ اس کی گنجائش موجود ہے کہ اگر کبھی پشیمانی ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ از سر نو نکاح کر لیں، لیکن یہ دونوں فریق کی رضامندی پر موقوف ہے، یہ صورت طلاق بائن کی ہے، ایک ساتھ تین طلاق کو واقع ہو جاتی ہے، لیکن سخت گناہ ہے، اور اس کے بعد عورت مکمل طریقہ پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اب یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک نہیں ہو سکتے، سوائے اس کے کہ کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہو، دوسرے شوہر سے

(۱) النساء: ۳۴۔ محشی۔

ازدواجی ربط بھی قائم ہو، پھر اتفاق سے اس نے بھی طلاق دے دی، تو اب عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔

جہاں تک غصہ کی حالت میں طلاق دینے کی بات ہے تو یہ تو ظاہر ہے کہ عام طور پر طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے، خوشی اور رضامندی کی حالت میں تو کوئی طلاق دیتا نہیں، اس لئے عام طور سے غصہ کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، البتہ اگر غصہ جنون اور دیوانگی کے درجہ کو پہونچ جائے تو اس کیفیت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے حافظ ابن قیمؒ سے حالتِ غصہ کی طلاق کے بارے میں تفصیل نقل کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ غصہ کے تین درجات ہیں، اول یہ کہ غصہ معمولی درجہ کا ہو، جس سے عقل میں کوئی تغیر نہ آیا ہو، وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس کا شعور وہ رکھتا ہو، اس حالت کی طلاق واقع ہوجائے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ غصہ اپنی انتہا کو پہونچ جائے، اسے اس کا بھی شعور باقی نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ گویا عارضی طور پر وہ جنون کی سی کیفیت میں مبتلا ہوجائے، ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی، تیسرا درجہ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کا ہے، اس صورت میں بھی علامہ ابن قیمؒ کا خیال ہے کہ اس کی طلاق نہیں پڑے گی۔ (۱)

لیکن اس بات کا متعین کرنا کہ کب غصہ ان دونوں کی درمیانی درجہ کا ہے؟ بہت دشوار ہے، اس سلسلہ میں مجنون اور دیوانہ کی بابت فقہاء کی وضاحت سے اشارہ ملتا ہے کہ اگر اس کے اقوال اور افعال میں دماغی خلل کی کیفیت نمایاں ہوجائے، تو ایسی کیفیت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۲)

علامہ شامیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بات کو سمجھ رہا ہو، لیکن اس کے کلام میں بکواس کا غلبہ ہوگیا تو غصہ کی ایسی کیفیت میں بھی دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار: ۴/۴۳۳، بحث۔

(۲) حوالۂ سابق۔

ہائی بلڈ پریشر ایک ایسا مرض ہے کہ جس سے بعض اوقات عقلی توازن متاثر ہو جاتا ہے، جیسا کہ بعض ماہر مسلمان ڈاکٹروں نے مجھ سے بتایا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ معمولی بلڈ پریشر میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اس لئے آپ کو خود ہی غور کر کے اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی کیفیت کے بارے میں طے کرنا ہوگا اور اپنے معالج سے (اگر وہ قابل اعتماد، حلال و حرام کی اہمیت کو سمجھنے والا مسلمان ڈاکٹر ہو) مشورہ کرنا ہوگا، بظاہر آپ کے سوال سے محسوس ہوتا ہے آپ کا غصہ اتنا شدید نہیں تھا کہ ادراک وشعور کی صلاحیت بھی ختم ہوگئی ہو، جب ہی تو آپ کو اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی، اگر ایسا ہی ہے تو پھر تینوں طلاق واقع ہوگئیں، مناسب ہوگا کہ کسی مقامی مفتی سے آپ اپنی پوری کیفیت بتا کر فتویٰ حاصل کریں اور اسی پر عمل کریں۔ واللہ اعلم۔

ایڈوکیٹ کے ذریعہ طلاق

سوال:- (1670) آج کل اخباروں میں ایڈوکیٹ کی زبانی طلاق شائع کی جارہی ہے، حالانکہ مرد کا خود اپنی زبان سے الفاظ طلاق ادا کرنا ضروری ہے جیسے بوقت نکاح بالمقابل قاضی عقد نکاح کا اقرار کیا جاتا ہے، واضح فرمائیں۔

(عبدالرشید، بشارت نگر، حیدرآباد)

جواب:- طلاق تو اصل میں شوہر ہی کو دی ہے البتہ اگر شوہر نے کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے اور شوہر کے وکیل کی حیثیت سے اس نے طلاق کا اعلان کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (۱) کیوں کہ وکیل کا فعل وکیل بنانے والے کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے کہ گو واسطہ وکیل کا ہے، لیکن طلاق خود اس نے دی ہے، نکاح میں بھی یہ بات درست ہے کہ وکیل کی وساطت سے نکاح کیا جائے، البتہ نکاح اور طلاق میں ایک فرق ہے کہ نکاح ایسا

---

(۱) ولو قال لرجل: طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس و بعده (الهداية ۳۸۱/۲) محشی۔

معاہدہ ہے جس کو طرفین مل کر طے کرتے ہیں، اس کے بعد نکاح کی مجلس منعقد ہوتی ہے، جس میں عاقد خود ہوتا ہے اور عاقدہ کی طرف سے ولی یا وکیل اور اکثر اوقات قاضی نکاح ایجاب و قبول کراتے ہیں، طلاق کا اختیار مرد کو یک طرفہ طور پر حاصل ہے، اس لئے دوسرے فریق کو اعتماد میں لائے بغیر وہ بطور خود طلاق واقع کرسکتا ہے، البتہ بلا ضرورت طلاق دینا اور ضرورت پر بھی ایک سے زیادہ طلاق دینا سخت گناہ ہے، اس لئے اگر زوجین میں تعلقات اچھے نہ ہوں، تو کسی عالم دین یا مفتی سے رجوع کرنا چاہئے اور اس سے مشورہ لینا چاہئے، اس کے مشورہ کے پیچھے کوئی پیشہ وارانہ منفعت نہیں ہوگی اور وہ ان شاء اللہ ممکن حد تک زوجین کو ملانے اور ان کے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرے گا۔

والد کے حکم سے طلاق

سوال:- {1671} اللہ تبارک وتعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند و ناگوار طلاق ہے، بلا کسی عذر کے طلاق دینا بھی گناہ ہے، اطاعت معروف میں ہے نہ کہ منکر میں، پھر حدیث کی رو سے صرف والدین کی اطاعت کے پیش نظر ان کے حکم سے بلا کسی عذر شرعی کے طلاق دینے میں کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟ احادیث: ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔   (ایم یسین، ٹولی چوکی)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحب زادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان سے بہت تعلق خاطر تھا، وہ طلاق دینا نہیں چاہتے تھے، بالآخر حضور ﷺ کے مشورہ پر طلاق دے دی، (۱)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۳۷، الجامع للترمذی: ۲۲۶/۱، باب ماجاء في الرجل يسئله أبوه أن يطلق زوجته۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حق گو اور حق جو شخصیت سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ انھوں نے بلاوجہ طلاق جیسے انتہائی اقدام کا مطالبہ اپنے صاحبزادہ سے کیا ہو، یقیناً انھوں نے کوئی ایسی بات محسوس کی ہوگی جس کا تقاضا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس بیوی کو علاحدہ کردیں، البتہ اس کا اصل سبب کیا تھا؟ روایات میں اس کی صراحت موجود نہیں، کیوں کہ بیوی، بہو سے متعلق کوئی بھی شریف انسان کمزوریوں اور کوتاہیوں کو بیان کرنے سے گریز کرتا ہے اور کرنا بھی نہیں چاہئے، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ بلاوجہ طلاق دینا معصیت اور سخت گناہ ہے، اور معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، موجودہ زمانہ میں حرص وہوس اور ساس سسر کے بیجا تشدد کو دیکھتے ہوئے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ کسی معقول وجہ کے بغیر محض ماں باپ کے مطالبہ پر طلاق دے دی جائے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ عربوں کے سماج میں مطلقہ عورتوں کے نکاح کا مسئلہ بڑا سہل تھا، عدت گزرنے نہ پاتی تھی کہ رشتے آنے لگتے تھے، لیکن عجمی سماج میں مطلقہ عورتوں کا نکاح نہایت ہی مشکل اور جاں گسل مسئلہ ہے، ہندوستان کے ماحول میں کسی عورت کو بلا شدید ضرورت کے طلاق دے دینا اس کے ساتھ سخت زیادتی اور کھلا ہوا ظلم ہے، لہٰذا ہندوستان میں نہ ماں باپ کا اس طرح کا مطالبہ کرنا درست ہے اور نہ اولاد کے لیے علماء اور ارباب افتاء سے مشورہ کیے بغیر اور شدید ضرورت محسوس کیے بغیر طلاق دے دینا درست ہے، گو یہ والدین کی ناراضگی کا باعث ہو۔

والد کے حکم پر طلاق ... پر ایک اشکال کا جواب

سوال:- {1772} آپ نے لکھا ہے کہ والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں، کیوں کہ معصیت میں والدین کا حکم قابل اطاعت نہیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے خواہش کی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیں، وہ طلاق دینا نہیں چاہتے تھے مگر آپ ﷺ نے

حضرت عمرؓ کی تعمیل حکم کی تلقین فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دی جاسکتی ہے؟

(عبداللہ مظاہری، شاہین نگر)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عمرؓ نے بیوی کو طلاق دینے کی خواہش کی تھی، اور یہ بھی درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے والد کا حکم ماننے کی ترغیب دی تھی؛ لیکن دو باتیں قابل توجہ ہے: اول یہ کہ حضرت عمرؓ، حضرت عمرؓ تھے، یہ بات ناقابل تصور ہے کہ انھوں نے نامنصفانہ طور پر یا کسی ذاتی عناد کی بنیاد پر طلاق دینے کا مطالبہ کیا ہو؛ بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بعض دینی اسباب کے تحت اپنے بیٹے سے بہو کو طلاق دینے کی خواہش کی تھی، آج کے سماج میں حریصانہ مطالبات، خدمت کا مبالغہ آمیز تصور اور بہو سے نوکرانی کی طرح کام لینے کے مزاج کے پس منظر میں، لوگ بیٹے سے بہو کو طلاق دلواتے ہیں، اس ماحول میں طلاق جیسے مسئلہ میں اپنے والدین کے مطالبہ کو کیونکر جائز ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا نکاح کوئی سماجی مسئلہ نہیں تھا؛ بلکہ عدت گزرنے سے پہلے ہی رشتے آنے لگتے تھے، اسی لیے قرآن مجید میں اس بات سے منع کیا گیا کہ عدت گزرنے سے پہلے رشتہ بھیجا جائے، (1) لیکن موجودہ دور اور ہندوستانی سماج میں صورت حال یہ ہے کہ کنواری لڑکیوں ہی کا نکاح مشکل سے ہوتا ہے، چہ جائے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا نکاح، پھر ہندوستان میں برادران وطن سے تاثر کی وجہ سے بھی طلاق شدہ اور بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، اس لیے موجودہ حالات میں طلاق عورت کے لیے شدید ضرر اور اذیت کا باعث ہے، اور کسی مسلمان کو ضرر پہونچانا معصیت ہے، اور معصیت میں والدین یا کسی اور شخص کی اطاعت جائز نہیں، اس لیے موجودہ دور میں صحیح یہی ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض کی ادائیگی میں ناقابل عفو کوتاہی نہ ہو، تو والدین کی خواہش پر بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں، گناہ ہے۔ واللہ اعلم

(1) البقرۃ: ۲۳۵۔ مرتب۔

بے جا طلاق پر سرزنش

سوال:- {1673} اگر مرد بلا کسی معقول وجہ اور عذر کے طلاق دے دے تو کیا مرد کے لیے شرعی طور پر سزا مقرر ہے؟ (حافظ محمد عمران، نتھانی)

جواب:- بلاوجہ طلاق دینا گناہ ہے، اسلامی حکومت ہو تو اس پر سزا دی جا سکتی ہے، حضرت عمر ﷺ تین طلاق دینے والوں کو کوڑے لگاتے تھے،(۱) البتہ ہندوستان کی موجودہ حکومت کو اس کا اختیار دینے میں یہ اندیشہ لاحق ہے کہ پھر طلاق کے اسباب کی تعیین میں افراط و تفریط سے کام لیا جائے گا، اس لیے ہم لوگ حکومت کو اس کا اختیار دینے کے حق میں نہیں ہیں۔

غصہ میں طلاق دے اور تعداد یاد نہ ہو؟

سوال:- {1674} ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو طلاق دیا، کتنی مرتبہ طلاق دی، دو، یا تین، یا چار، یہ اسے یاد نہیں ہے، وہ شخص اپنے اس فعل پر بہت نادم ہے اور بیوی اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہے، کیا مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ (جمیل احمد، پرانی پلی، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے، اور وہ آپ کی بیوی نہیں رہی،(۲) ہاں! اگر عدت یعنی تین حیض گزرنے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ دوسرا شخص مباشرت کرنے کے بعد اپنے طور پر اس کو طلاق دیدے اور پھر

---

(۱) مصنف عبد الرزاق :۶/۳۹۶،باب المطلق ثلاثا ۔

(۲) "الأصل في الابضاع التحريم فإذا تقابل في المرأة حل و حرمة غلبت الحرمة ، ولهذا لا يجوز التحري في الفروج " (الأشباه والنظائر لابن نجيم،الفن الأول،ص:٦٧)

عورت کی عدت گزر جائے اس وقت آپ کے لئے جائز ہوگی کہ اس عورت سے اس کی رضامندی سے نکاح کرلیں۔(۱)

حالت غصہ میں طلاق

سوال:- (1675) زید کی بیوی ہندہ زید کی ماں کے ساتھ زبان درازی کررہی تھی، زید بار بار اس کو سمجھاتا رہا کہ "دیکھ ایسی گفتگو بڑوں کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے، دیکھ بس خاموش ہوجاؤ، طلاق طلاق طلاق طلاق طلاق"، اس کے بعد زید خاموش ہوگیا اور کچھ نہیں کہا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟ (محمد اقبال حسین قریشی)

جواب:- طلاق غصہ کی عام کیفیت میں بھی واقع ہوجاتی ہے۔(۲) اور اس کے لئے

---

(۱) ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾ (البقرة:۲۳۰) مرتب۔

(۲) غصہ رغضب کے تین درجے ہیں

(الف) ابتدائی غضب اس طور پر کہ اس کی عقل میں کچھ تغیر اور فتور نہ آیا ہو، جو کچھ بول رہا ہے، بالارادہ بول رہا ہے، اور اسے معلوم بھی ہے کہ "میں کیا کہہ رہا ہوں" اس صورت میں اس کے اقوال شرعا نافذ اور معتبر ہوں گے، اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجائے گی،

(ب) اس کا غضب اس حد تک پہونچا ہوا ہے کہ غضب کی حالت میں جو کچھ بول رہا ہے، وہ بلا ارادہ ہے، اور اسے معلوم نہیں ہے کہ کیا بول رہا ہے، بالکل مجنون و مدہوش کی طرح ہو، ایسی صورت میں اس کے اقوال نافذ نہیں ہوں گے، اور ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی،

(ج) غصہ کا غلبہ اس حد تک ہو کہ بلا ارادہ منہ سے واہی تباہی نکل رہا ہے، لیکن اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، جیسے "خفگی" کا حال ہوتا ہے کہ کہنا بے ارادہ ہے، مگر علم ہوتا ہے، اس صورت کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ "دل میں مقتضا دلیل کا معلوم ہوتا ہے کہ (طلاق) واقع نہ ہو، جیسا کہ خفگی میں فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ واقع نہیں ہوتی" (ملخص من امداد الفتاوی:۲/۴۰۷)

واضح رہے کہ اوپر کی عبارت علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس کا مطلب امداد الفتاوی میں بیان کیا گیا ہے، (دیکھئے: شامی ۴۲۳/۲ ، فی طلاق المدھوش)

تخاطب کافی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ہندہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں ۔ اب ہندہ زید کی بیوی نہیں رہی، اور اس وقت تک زید کے لئے حلال نہ ہوگی، جب تک کہ اس کی عدت نہ گزر جائے، پھر کسی دوسرے مرد سے وہ نکاح کر لے، نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے مباشرت کرلے، پھر وہ طلاق دے دے، اور ہندہ اس طلاق کی بھی عدت گزار لے، اب اگر زید چاہے تو ہندہ سے اس کی رضامندی سے از سر نو مہر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، واضح ہو کہ حائضہ عورتوں کی عدت تین حیض (۱) اور جن کو حیض نہ آتا ہو ان کی عدت تین ماہ (۲) اور حاملہ کی عدت بچہ کی پیدائش ہے۔ (۳)

بحالت غصہ طلاق جو جنون کی حد کو پہونچ گیا ہو

سوال: - {1676} ایک روز سر میں شدت درد کی وجہ سے میں نے اپنے شوہر سے چائے پلانے کی خواہش کی میرے شوہر نے صاف انکار کر دیا اس کے تھوڑی دیر بعد وہ چونکہ تمباکو کے عادی ہیں پڑوس سے تمباکو لے آئے میں نے غصہ کی وجہ سے اس تمباکو کو اٹھا کر پھینک دیا کہ تم اپنی مطلب پوری کرتے ہو اور مجھ کو چائے کے لئے ترساتے ہو، اس کی وجہ سے میرے شوہر پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی گھر کے تمام سامان کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی الماری اور کپڑوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور اسی دوران انہوں

---

(۱) ﴿ المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء ﴾ (البقرة: ۲۲۸) مرتب۔

(۲) ﴿ و اللائي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ﴾ (الطلاق: ۴) مرتب۔

(۳) ﴿ و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن ﴾ (الطلاق: ۴) مرتب۔

نے مجھے تین طلاق دے دی ان کے الفاظ یہ تھے "طاہرہ بنت عبداللہ کو طلاق، طلاق، طلاق" سوال یہ ہے کہ انتہائی غصہ کی حالت میں جب کہ کہنے والا شخص اپنے الفاظ کو سمجھنے سے قاصر ہو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(طاہرہ بنت عبداللہ، حافظ بابا نگر)

جواب:- غصہ کی عمومی حالت سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، لیکن اگر غصہ کی کیفیت اتنی شدید ہو کہ ہوش و حواس جاتا رہے اور جنون کی سی کیفیت پیدا ہو جائے، تو اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی، علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غصہ کی تین حالتیں ہیں: اول یہ ہے کہ غصہ کی ابتدائی کیفیت کا صدور ہو، عقل میں تغیر نہ ہو ارادہ کی صلاحیت باقی ہو، اپنی بات کو سمجھتا ہو ایسی حالت کی طلاق واقع ہو جائے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ غصہ اپنی انتہاء کو پہونچ جائے اس کو کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی، تیسرے وہ غصہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے یہ صورت محل نظر ہے اور ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے (۱) استفتاء میں غصہ کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی سامان کو درہم برہم کرنا مارپیٹ اور کپڑوں میں آگ لگانا جس سے خود ان کی ذات کو بھی خطرہ تھا وغیرہ، نہایت ہی غضب کی علامت ہے، لہٰذا سوال میں اگر غصہ کی کیفیت صحیح طور پر بیان کی گئی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

غیر ارادی طور پر جب تین طلاق دیدے

سوال:- {1677} عرض گذارش یہ ہے کہ میں اپنے ایک ازدواجی مسئلہ پر آپ کے مشورہ اور فتویٰ کا طالب ہوں، مسئلہ ہے کہ ہم میاں بیوی میں اکثر بے بنیاد وجوہات پر آنے

(۱) رد المحتار: ۲/۴۶۳ مطلب فی طلاق المدهوش۔

دن کوئی نہ کوئی نا چاقی ہوا کرتی ہے، اس قسم کی لڑائی ۳؍ جولائی
کو بھی پیش آئی، جس وقت میرے خسر اور ساس موجود تھے،
ان ہی لوگوں کی پشت پناہی کی وجہ سے معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو
گیا تھا اور میرے قابو سے باہر تھا، میں نے حالات کو ٹھنڈا
کرنے اور جھگڑے کو فوری ختم کرنے کی نیت سے بنا سوچے
سمجھے عجلت میں تین مرتبہ طلاق کہہ دی اور وہاں سے نکل گیا،
حالانکہ ارادتاً میں نے ایسا کبھی نہ سوچا تھا، بلکہ یہ میرے غصہ کی
انتہا تھی، میرے الفاظ یوں تھے، طلاق، طلاق، طلاق، میرا
مقصود صرف ان کی تنبیہ کرنی تھی، علیحدگی نہ تھی، اب جناب
سے ادباً گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر جناب کی رائے اور حل کیا
ہے اور اس غلطی کی تلافی کیسے ہوگی؟ (حبیب احمد، عابد روڈ)

جواب:- مذکورہ صورت میں اگر بالکل علیحدگی اور تین طلاق دینا مقصود نہ تھا، بلکہ صرف ازراہ تنبیہ ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ تھا، تو ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی، (۱) ایسی صورت میں عدت کے درمیان بیوی کو بغیر نکاح لوٹایا جا سکتا ہے، اور عدت تمام ہونے کے بعد نئے مہر اور باہمی رضامندی کے ساتھ نیا نکاح کر سکتے ہیں، عدت جوان عورت کے لئے تین حیض ہے، (۲) البتہ آئندہ احتیاط کرنی چاہئے، اور شدید ضرورت اور علماء کے مشورہ کے بغیر طلاق دینے سے گریز کرنا چاہئے، آئندہ اگر کبھی بھی بیوی کو دو طلاق دیدی تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی، اور حلالہ کے بغیر اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہو سکے گی۔

---

(۱) " رجل قال لامرأته : " أنت طالق أنت طالق أنت طالق " فقال عنيت بالأولى الطلاق و بالثانية و الثالثة تفهامها صدق ديانة و في القضاء طلاق ثلاثا ، كذا في فتاوى قاضي خان " (الفتاوى الهندية ۱/۳۵۵، مطلب إذا كرر الطلاق على المرأة المدخول بها انوى الاخبار) محشی۔

(۲) ﴿ المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء ﴾ (البقرة :۲۲۸) مرتب۔

استہزاءً طلاق

سوال:-(1678) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں

میں کہ عبداللہ کو اپنی بیوی کے ساتھ کچھ ناخوشگوار حالات پیش آئے، وہ اس طرح کہ میں باہر سے آیا ہوا تھا، بیوی نے مجھے اپنے والد کے آنے کی خبر دی، میں نے اس سے استہزاءً کہا کہ: "آئے تو میں کیا مٹھائی تقسیم کروں"؟ اس کے فوری بعد میں نے ان کی گھڑی رکھنے کی خبر دی، تو اس نے کہا: "کیا میں مٹھائی تقسیم کروں" تو میں نے کہا: "میں جس طریقہ سے بات کروں تو تم بھی اس طریقہ سے بات کروگی" تو اس نے کہا: "جی ہاں!" تو میں نے اپنے فرزند سے کھیلتے ہوئے اور اپنے فرزند کی طرف دیکھتے ہوئے طلاق کہا" تو اس نے بھی طلاق کہا، پھر میں نے طلاق کہا تو میری عورت نے بھی طلاق کہا، تو میں نے بھی طلاق کہا، بصورت بالا کا شرعی حکم کیا ہے؟

(عبداللہ، سعید آباد، حیدرآباد)

جواب:- ہنسی مذاق میں طلاق کے لفظ کا استعمال گناہ اور معصیت ہے، اور اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔(۱) البتہ جو الفاظ آپ نے نقل کئے ہیں ان میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت نہیں پائی جاتی، اس لیے اگر واقعی آپ کا مقصد بیوی کو خطاب کرنا اور طلاق دینا نہیں تھا، تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر عورت سے خطاب مقصود تھا، تو طلاق واقع ہوگئی، اس

(۱) " ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل، ولو عبدا أو مکرها أو هازلا " (الدر المختار علی هامش رد المحتار :۴/ ۴۳۸-۴۴۳) محشی۔

کے باوجود اگر ساتھ رہیں تو پوری زندگی معصیت میں گزرے گی، اس لیے جو سچی بات ہو اس پر قائم رہنا چاہئے۔ واللہ اعلم ۔

ازراہ انتقام بیٹے سے طلاق کے لیے اصرار

سوال:- (1679) عمر کے والد نے عمر کو اپنی سمدھی سے چشمک کی بنیاد پر با اصرار طلاق دینے کو کہا اور ایک طلاق نامہ لکھ کر اسے بھیج دیا، عمر اس کی ایک نقل کر کے اپنی بیوی خولہ کو طلاق نامہ بھیج دیا، انتقاماً اس کا سمدھی بکر کو جس کی زوجیت میں عمر کی بہن ہے، طلاق پر مصر ہے، اب اگر وہ والد کے اصرار پر طلاق دیدے تو کیا حکم ہے؟

(عتیق الرحمن، بارکس، حیدرآباد)

جواب:- طلاق شریعت میں نہایت ناپسندیدہ چیز ہے، حضور ﷺ نے اسے تمام جائز چیزوں میں بدتر قرار دیا ہے،(۱) اس لئے اس وقت تک طلاق دینا گناہ ہے جب تک کسی وجہ سے وہ ناگزیر نہ ہو جائے، اسی طرح عمر اور بکر کے باپ کا اپنے بیٹے سے طلاق دلانے پر اصرار نہایت شنیع، بدترین اور ناپسندیدہ عمل ہے اور مناسب ہے کہ جب ایک سے یہ غلطی پیش آچکی ہے تو دوسرا اس گناہ پر اصرار نہ کرے، البتہ طلاق دیدی جائے تو طلاق بہر حال واقع ہو جائے گی۔

(۱) "قال علیه السلام ابغض الحلال إلى الله الطلاق" (سنن أبي داؤد :۱/۲۹۶، أبواب الطلاق ،سنن ابن ماجة :ص :۱۴۵،أبواب الطلاق ،مستدرک حاکم :۲/۲۱۴، کتاب الطلاق) محشی ۔

طلاق میں نام کی غلطی

سوال:- {1680} ایک شخص نے اپنی زوجہ عسکری سلطانہ کو اسری نام سے ایک خط کے ذریعہ طلاق لکھا، پہلے ایک طلاق لکھا، پھر اس نے اپنے والدین کے یہاں ایک خط لکھا جس میں اسری پر دو طلاق کا ذکر ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(آصف، لام، کنکور)

جواب:- اگر مذکورہ شخص نے عسکری سلطانہ کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو طلاق واقع نہیں ہوئی، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

"رجل قال امرأته ، عمرة بن صبيح طالق و امرأته عمرة بنت حفص ولانية له ، لا تطلق امرأته" (۱)

اور اگر اس کے طلاق دینے کا ارادہ تھا اور سہواً دوسرا نام کہہ دیا، یا لکھ دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، فتاویٰ عالمگیری میں ایسی مختلف صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا گیا ہے:

"فإن نوى طلاق امرأته في هذه الوجوه طلقت امرأته" (۲)

طلاق کو نکاح پر معلق کرنے کے بعد اس سے بچنے کا حیلہ

سوال:- {1681} کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں:

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۷۳۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۲/۵۱۔

مسمی زید نے اپنے اوپر ایک کام کے نہ کرنے کی قسم
کھائی ہے، اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ "خدا کی قسم میں آئندہ
ایسا کام کروں تو جب میں نکاح کروں، میری بیوی کو طلاق"
(جب میں نکاح کروں یا جب میرا نکاح ہو، الفاظ برابر یاد
نہیں ہے، غالب یہ ہے کہ جب میں نکاح کروں کہا ہے)
پھر زید سے وہ کام سرزد ہو گیا، پھر زید نے اس کام کے نہ
کرنے پر پختگی کے لئے وہی جملہ استعمال کیا کہ "خدا کی قسم
میں آئندہ ایسا کام کروں تو جب میں نکاح کروں میری بیوی کو
طلاق"، ایسا اس سے کئی بار ہوا، یہاں تک کہ تقریباً چھ بار ایسا
ہوا ہے، زید اس وقت نادانی کی وجہ سے یا جوش میں آکر ایسا
کہہ چکا ہے، اور اپنے اوپر چھ قسمیں اور معلق طلاقیں کر چکا
ہے، اب زید شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ شادی کیسے کر سکتا ہے؟
جبکہ جیسے ہی نکاح ہوگا، طلاق پڑ جائے گی۔

مزید یہ کہ موصوف زید نے اس مسئلہ کے علاوہ یہ بھی کہہ
رکھا ہے کہ "میں پانچ سال سے پہلے نکاح کروں تو میری بیوی
کو طلاق، اور اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں
رات گذاروں تو طلاق"، اب گویا جملہ آٹھ معلق طلاقیں زید
نے اپنے اوپر لاگو کر لی ہیں، ان کا صحیح حل کیا ہو؟

(عبدالرحمن جمیل)

جواب:- جو صورت آپ نے تحریر کی ہے وہ بڑی آزمائش اور ابتلاء کی صورت ہے، اور
آئندہ اس سے احتراز بہت ضروری ہے، زید کا یہ کہنا کہ "اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد
سسرال میں رات گذاروں تو طلاق" سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی، باقی پانچ طلاقیں

چونکہ نکاح کے ساتھ مشروط ہیں، اس لئے احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء حنفیہ نے اس کے لئے یہ حیلہ بتایا کہ کوئی اور شخص بہ حیثیت فضولی اس کا نکاح کردے، اور نکاح کے بعد اس مرد کو نکاح کی اطلاع دے اور وہ زبان سے نکاح کی قبولیت کا اظہار نہ کرے، بلکہ خاموشی سے اس کا مہر یا اس کا کچھ حصہ ادا کردے، اس طرح یہ عملاً نکاح پر قبولیت کا اظہار ہوگا، اور نکاح بھی درست ہو جائے گا، طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔(۱)

ویسے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اجنبی عورت کو اگر نکاح کی شرط کے ساتھ بھی نکاح سے پہلے طلاق دی جائے تو یہ طلاق معتبر نہیں ہوگی۔(۲) امام مالکؒ کے نزدیک بھی اگر کسی خاص عورت کی تخصیص کے بغیر کہا جائے "میں جس سے نکاح کروں اس پر طلاق واقع ہو" تو یہ طلاق غیر معتبر ہے، اور ویسی طلاق واقع نہیں ہوگی: "إن عم المطلق جميع النساء لم يلزمه "(۳)

چونکہ نکاح انسان کی ایک طبعی اور شرعی ضرورت ہے، اگر اس کے لیے کوئی صورت نہ ہو اور حیلہ اختیار کرنے میں بدنامی اور بدگمانی کا اندیشہ ہو تو ضرورتاً زید کے لئے اس مسئلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

وعدۂ طلاق، طلاق کا اختیار دینا نہیں ہے

سوال:- {1682} (خلاصہ سوال) زید نے ایک تحریر لکھ کر اپنی بیوی ہندہ کو دیا، جس میں یہ فقرہ تھا "میں ہندہ کو حق دیتا ہوں کہ وہ طلاق حاصل کرے اور میں بغیر رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا" اس بنیاد پر ہندہ نے اپنے پر طلاق واقع

(۱) رد المحتار: ۶۴۳/۵، مطلب : قال : كل امرأة تدخل في نكاحي كذا۔ محشی۔
(۲) دیکھئے شرح المهذب : ۵۱/۷، الفقه الإسلامي و أدلته : ۳۶۱/۷۔
(۳) الفقه الإسلامي و أدلته : ۳۶۱/۷۔

کرلی اور اس کا اصرار ہے کہ جب شوہر نے اس کو طلاق کا تحریرا
حق دے دیا تو وہ اس کو واقع کرنے کا اختیار رکھتی ہے تو کیا
واقعی اس تحریر کی بنیاد پر اس کو اپنے پر طلاق واقع کر لینے کا حق
حاصل ہے؟ کیا زید کے طلاق نہ دینے کے باوجود وہ اپنے کو
وظیفۂ زوجیت سے کنارہ کش رہنے پر مجبور کرسکتی ہے اور خود کو
مطلقہ گردان سکتی ہے؟ (ارشد علی، مہاراشٹر)

جواب:- (الف) ہندہ اپنے آپ پر طلاق واقع کرنے کا حق نہیں رکھتی، اس لئے کہ زید کا یہ فقرہ کہ "ہندہ کو میں حق دیتا ہوں، وہ طلاق حاصل کرلے اور میں بغیر رکاوٹ کے طلاق دیدوں گا" حق طلاق کی حوالگی نہیں ہے، بلکہ صرف طلاق کا اختیار دینے کا وعدہ ہے۔

(ب) چونکہ وہ بیوی برقرار ہے، اس لئے اس کا خود کو وظیفۂ زوجیت سے علیحدہ رکھنا نشوز اور شوہر کی نافرمانی ہے۔

ایک خاص صورت میں طلاق کا مطالبہ

سوال:- (1683) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس
مسئلہ کے بارے میں:
ایک لڑکی جس کی عمر ابھی ۱۷ سال ہے، اس کا نکاح
ایک عاقل، بالغ لڑکے سے ہوا، یہ دونوں میاں بیوی ایک ماہ
۵ یوم ساتھ رہے، اب صورت حال یہ ہے کہ لڑکی والوں کے
بہ قول لڑکی اب تک باکرہ ہے، جب اس بنیاد پر لڑکے سے
طلاق کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ لڑکی تعاون نہیں کرتی،
چنانچہ لڑکے کا میڈیکل معائنہ کرایا گیا، اور معائنہ لڑکی والوں
ہی کے ذریعہ کرایا گیا، لڑکا اس معائنہ کے مطابق تندرست نکلا،

لیکن لڑکی والے بہر حال اب تفریق ہی چاہتے ہیں، نکاح کے وقت لڑکے نے پانچ تولہ سونا کا زیور بطور مہر لڑکی کو دیا تھا، چنانچہ سیاہ نامہ میں صراحت ہے کہ مہر معجل بصورت سونا ادا کر دیا گیا، البتہ لڑکے کے ایک عزیز نے مزید دو تولہ سونا بطور چڑھاوا لڑکے کو دیا، بہر حال اس صورت کے سلسلہ میں درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

(الف) ان حالات میں شرعاً طلاق وتفریق کا کیا حکم ہے؟

(ب) اگر لڑکے نے طلاق دی تو مرد وعورت کے کیا حقوق ہوں گے؟ اور جب لڑکی باکرہ ہے تو کیا وہ نصف مہر کی ہی مستحق ہوگی؟ (محمد عبد القدیر، بہر عالم منڈی)

جواب:- (الف) شریعت میں طلاق اور نکاح کے بعد پھر مرد وعورت کے درمیان علاحدگی نہایت ہی ناپسندیدہ اور مذموم بات ہے، جب تک رشتۂ نکاح کو برقرار رکھنا ممکن ہو، رشتہ کو باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر باہمی فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ ایک ساتھ خوشگوار زندگی بسر نہیں ہوسکتی تو پھر خوشگوار طریقہ پر ایک دوسرے سے علاحدگی اختیار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾(۱) کہ "نکاح کو باقی رکھا جائے تو بھلے سلوک کے ساتھ اور ختم کیا جائے تو وہ بھی بھلے طریقہ پر"، بھلے طریقہ پر علاحدگی کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں لڑائی جھگڑا، سب وشتم اور غیبت وبہتان تراشی نہ ہو، ایک دوسرے کے حقوق ادا کر دیے جائیں، نیز مرد عورت کی پاکی کی حالت میں ایک طلاق دینے پر اکتفاء کرے، اس لئے پہلے زوجین کے درمیان صلح کی کوشش کی جائے، اور چند دن لڑکے اور لڑکی کو

(۱) البقرۃ: ۲۲۹۔

ساتھ رہنے کا موقع دیا جائے تو بہتر ہے، اگر فریقین اس کے لئے تیار نہ ہوں تو بہتر طریقہ پر علاحدگی عمل میں لائی جائے۔

(ب) اگر مرد نے طلاق دی تو مذکورہ صورت میں جب کہ لڑکا مہر ادا کر چکا ہے، عورت صرف نفقۂ عدت کی حق دار ہے، لڑکی کے باکرہ ہونے کی وجہ سے مکمل کی بجائے نصف مہر کا حق نہیں ہوگا، جب میاں بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی ہو تو خواہ جنسی اتصال نہ ہوا ہو عورت پورے مہر کی حق دار ہے، طلاق کے بعد عورت پر عدت گذارنا واجب ہوگا، عدت کے بعد اسے حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو دوسرا نکاح کر لے۔

طلاق پر مرتب ہونے والے احکام

سوال:- {1683} انیس نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی، ایسی صورت میں کیا کیا شرعی احکام مرتب ہوں گے، اور کوثر کے کیا حقوق ہوں گے؟ واضح ہو کہ زوجین کے چند کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں۔ (عابدہ خانم، ٹولی چوکی، حیدرآباد)

جواب:- جب انیس نے کوثر کو طلاق دے دی اور وہ بائنہ ہو گئی تو:

(الف) انیس پر اس کا نفقۂ عدت واجب ہے، (۱) اور جوان عورت کی عدت اگر حاملہ نہ ہو تو تین حیض اور حاملہ ہو تو ولادت تک ہے۔ (۲)

(ب) اس کا دین مہر اور تمام سامان جہیز واپس مل جانا چاہئے۔ (۳)

(ج) جب تک وہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہیں کرتی جو بچوں کے لئے اجنبی ہو، بچوں

---

(۱) رد المحتار: ۳۳۳/۵، مکتبہ زکریا دیوبند۔ مرتب۔

(۲) ﴿ المطلقات يتربصن بأنفسهن ثلثة قروء ﴾ (البقرة: ۲۲۸) ﴿ و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن ﴾ (الطلاق: ۴) مرتب۔

(۳) فقه السنة: ۲/ ۲۷۷۔ محشی۔

کی پرورش کا حق اسے حاصل ہوگا ، لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی ۔(۱)

(د) بچوں کا نفقہ محمد انیس کو ادا کرنا ہوگا ۔(۲)

(ہ) جب تک بچے ماں کی پرورش میں رہیں گے اس وقت ماں کو اس پرورش کی اجرت باپ کو ادا کرنی ہوگی ،(۳) ثالثوں کو فریقین کے حالات دیکھ کر گذر اوقات کے لئے مناسب رقم متعین کردینی چاہئے ۔

(و) اگر ماں کے پاس اپنا ذاتی مکان نہیں ہے ، جہاں وہ بچوں کے ساتھ رہ سکے تو باپ پر ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے ایسے مکان کا انتظام کرے جہاں ماں بچوں کے ساتھ رہائش اختیار کر سکے ۔ درمختار میں ہے :

" (و تستحق) الحاضنة (اجرة الحضانة إذا لم تكن منكوحة ولا معتدة) لأبيه و هي غير اجرة ارضاعه و نفقته كما في البحر عن السراجية ، خلافا لما نقله المصنف عن جواهر الفتاوى و في شرح النقاية للبلقاني عن البحر

---

(۱) " الأم و الجدة أحق بالجارية حتى تحيض " (الهداية:۲/۴۳۵)،اگر ماں نے دوسری شادی ایسے مرد سے کرلی جو بچوں کے لیے بالکل اجنبی ہو تو حق حضانت ساقط ہو جاتی ہے ۔ " و الحضانة يسقط حقها بنكاح غير محرم " (رد المحتار :۲/۶۳۹،ط:مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)اور اس کے بعد حق حضانت کا ذمہ نانی پر آتا ہے ۔ " فإن لم تكن له أم فأم الأم أولى من أم الأب " (الهداية:۲/۴۳۴)البتہ جب دوسرا نکاح بھی ختم ہو جائے تو حق حضانت عورت کی طرف لوٹ آتی ہے ۔ " و من سقط حقها بالتزوج يعود إذا ارتفعت الزوجية " (الهداية:۲/۴۳۵)مرتب ۔

(۲) " و نفقة الأولاد الصغار على الأب " (الهداية :۲/۴۴۴)مرتب ۔

(۳) الهداية :۲/۴۴۴،محشی ۔

المحيط سئل أبو حفص عمن لها امساك الولد وليس لها مسكن مع الولد فقال على الأب سكن لهما جميعا و قال نجم الأئمة المختار أنه عليه السكنى في الحضانة ۔ (۱)

اگر شوہر کو طلاق کا اقرار ہو

سوال:- (1684) الف نے ایک نومسلمہ سے شادی کی ، دو بچے ہیں ، عورت بدکرداری کی وجہ سے علحدہ ہوگئی ، طلاق نامہ پر چار پانچ مسلمانوں کے دستخط ہیں ، زرمہر ادا کردیا گیا اور نفقہ بھی بذریعہ منی آرڈر عدت کا ادا کردیا گیا ، یہ سب لینے تک عورت خاموش بیٹھی رہی ، پھر وہ کسی کے سکھانے پر پولیس سے رجوع ہوئی ، پولیس کہہ رہی ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ، نیز اس طلاق نامہ پر نوٹری کے ذریعہ حلف نامہ بھی تیار کیا گیا ، آیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں ؟

(خواجہ انور، آصف آباد)

جواب:- الف نے طلاق دے دی ہے اور خود اسے طلاق دینے کا اقرار ہے ، تو طلاق واقع ہوچکی ہے ، پولیس کا یہ کہنا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی غلط اور اپنے حدود اختیار سے تجاوز کرنا ہے ، البتہ اگر تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے ، نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نومسلمہ کو خاص طور پر طلاق دینے میں احتیاط برتنی چاہئے ، کیونکہ اس سے اس کے کفر کی طرف واپس ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے ، نیز اخلاق و کردار کے بارے میں سنی سنائی بات پر

---

(۱) رد المحتار ۵/۲۶۰ ، باب الحضانۃ ۔ محشی ۔

بھروسہ نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ مناسب تحقیق نہ ہو جائے، کیونکہ بہت سی باتیں جو مشہور ہو جاتی ہیں، ان کی حقیقت افواہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منافقین نے ایسی باتیں مشہور کر دیں کہ بعض مخلص صحابہ ؓ بھی اپنی سادہ لوحی میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔(۱)

حاملہ عورت کو طلاق

سوال:- {1686} کیا حاملہ عورت کو طلاق دی جا سکتی ہے اور اگر دی گئی تو کیا طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- ہندوستان کے ماحول میں طلاق عورت کے لیے سخت ایذا رسانی اور اس کی زندگی کو برباد کرنے کا باعث ہے، اس لیے کسی مجبوری اور سنجیدہ فیصلہ کے بغیر حاملہ ہو یا غیر حاملہ، طلاق دینا گناہ ہے، تاہم اگر دے دی جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ حمل کی حالت میں طلاق واقع نہ ہو۔

" و أما شرطه على الخصوص فشيئان أحدهما قيام القيد في المرأة نكاح أو عدة "(۲)

صرف نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:- {1687} زید اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے اور اسی نیت کے تحت وہ یہ عہد اپنے آپ سے کر لیتا ہے کہ اگر وہ چار مہینے یا اس سے زیادہ اپنی بیوی سے کسی قسم کے

(۱) صحیح مسلم حدیث نمبر:۳۱۴۹، باب حدیث الإفک۔ مرتب۔
(۲) الفتاوی الهندية:۱/۳۴۸۔

ازدواجی تعلقات نہ رکھے، تو خود بہ خود طلاق بائن ہوچکی؟ کیا
اس کی بیوی اس کے نکاح میں شامل ہے؟ نیز یہ بھی کہ زید نے
کسی کتاب میں ایلاء کے بارے میں بھی پڑھا ہے، تو کیا بغیر
اقرار کے صرف دل میں طلاق کی نیت کرکے ایسا عمل کرنے
سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ کیوں کہ کسی بھی چیز کا انحصار نیت
پر ہوتا ہے؟ (احمد ملک، خیریت آباد)

جواب:- شریعت میں بعض امور وہ ہیں جو محض نیت اور ارادہ سے وجود میں آجاتے ہیں، گویا وہ قلب کے فعل سے متعلق ہیں، اور بعض امور اعضاء و جوارح کے ذریعہ وجود پذیر ہوتے ہیں، نکاح و طلاق بھی ان معاملات میں سے ہیں، جو زبان کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، اس کے لیے دل کا ارادہ کافی نہیں، اس لیے محض نیت کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ایلاء کے لیے بھی دل کا ارادہ کافی نہیں، بلکہ زبان سے ترک تعلق کے عزم کا اظہار، نیز حنفیہ کے نزدیک اس پر قسم کھانا بھی ضروری ہے:

" و أما ركنه فهو اللفظ الدال على منع النفس عن الجماع في الفرج مؤكداً باليمين بالله تعالى الخ " (۱)

اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

طلاق کے بارے میں ایک غلط فہمی

سوال:- {1688} سید سمجھتا ہے کہ طلاق عدالت میں
بولنے سے ہی ہوتی ہے، گھر میں طلاق بولنے سے طلاق نہیں
ہوتی، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد صادق، مہدی پٹنم)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳/۱۶۵۔

جواب:- شریعت میں طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے، وہ طلاق واقع کرنے میں عدالت کا محتاج نہیں ہے، اس لیے گھر میں طلاق دینے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے، ہاں! اگر عورت مرد کے ظلم کی وجہ سے اس سے نجات چاہے اور شوہر طلاق دینے کو تیار نہ ہو، تو چوں کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے، اس لیے وہ قاضی کے ذریعہ ہی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

کیا بدچلنی سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال:- {1689} شوہر لوگوں کی اطلاع پر اچانک اپنے گھر آیا، اس حال میں کہ ابھی اس کی بیوی کا آشنا نکل رہا تھا، اور عورت نامناسب حالت میں تھی، شوہر پولیس سے رجوع ہو کر میڈیکل رپورٹ حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن کچھ لوگوں کے سمجھانے پر بچوں کی رسوائی کو سامنے رکھتے ہوئے خاموش ہو گیا، سوال یہ ہے کہ:

(الف) کیا ایسے مواقع پر میڈیکل رپورٹ بہ طور ثبوت کے لی جا سکتی ہے؟

(ب) کیا زنا کی وجہ سے عورت شوہر کے نکاح سے نکل سکتی ہے؟

(ج) کیا یہ عورت شوہر کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے؟ (سلمہ خاتون، یاقوت پورہ)

جواب:- مسلمانوں کے سماج میں ایسی باتوں کا پیش آنا نہایت ہی شرمناک اور افسوس ناک ہے، اصل میں پہلے سے بے احتیاطی، غیر محرموں کی آمد و رفت اور گفتگو و ہنسی مذاق وغیرہ، بہ تدریج انسان کو دام گناہ میں پھنسا دیتا ہے، جب بھی شریعت کی حدود سے باہر قدم

رکھا جائے، تو ضرور انسان ٹھوکر کھاتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، بہرحال! سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) میڈیکل رپورٹ ثبوت شرعی کے لیے کافی نہیں ہے، اس کی وجہ سے جب کسی عورت کے بارے میں برائی کی بات مشہور ہو جائے تو یہ اس کے بچوں کے لیے بھی رسوائی کا باعث بنتا ہے اور بیمار ذہنوں کو بعض اوقات اس سے جرم کا حوصلہ ملتا ہے، اس لیے اس سے سکوت ہی بہتر ہے، ہاں اگر عورت کی اصلاح کی توقع نہ ہو اور دل میں نفرت گھر کر گئی ہو، تو ایسے مواقع پر طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

(ب) اس عمل کی وجہ سے آپ سے آپ نکاح ختم نہیں ہوتا، بلکہ طلاق یا لعان کی صورت میں ہی نکاح ختم ہوتا ہے۔

(ج) چوں کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، اس لیے وہ ان کے ساتھ حج میں جا سکتی ہیں، ویسے بھی حج گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اگر حج کرلیں تو بہتر ہے۔ واللہ غفور الرحیم۔

طلاق کی دھمکی

سوال:- {1690} میرے ایک دوست کی شادی کو تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے، دونوں میں محبت بھی ہے اور بحث و تکرار بھی ہوتی رہتی ہے، میرا دوست بیوی کو خاموش کرنے کے لیے کہتا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا، تب تم راستہ پر آؤ گی، اس طرح کا جملہ وہ بار بار کہہ چکا ہے، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

(محمد مظہر خاں، پنچن چرو)

جواب:- طلاق ماضی، یا حال کے صیغہ سے واقع ہوتی ہے، جیسے کہے میں نے تجھے

طلاق دی، یا طلاق دے رہا ہوں، اگر کہے کہ طلاق دے دوں گا، تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ ہے، نہ کہ فی الحال طلاق دینا، اس لیے اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، (۱) لیکن آپ اپنے دوست کو سمجھائیں، کہ اس طرح بار بار طلاق کی دھمکی دینا گناہ کی بات ہے، کیونکہ کسی شرعی مجبوری کے بغیر طلاق دینا معصیت ہے اور بار بار یہ کہنا کہ میں فلاں گناہ کر گزروں گا، بجائے خود گناہ ہے، پھر اس میں بیوی کی ایذا رسانی بھی ہے اور یہ بھی گناہ ہے، اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو یا تو بیوی کو سمجھایا جائے، یا زوجین کسی عالم کے پاس معاملہ رکھ کر اسے حل کرائیں، بار بار طلاق کی دھمکی دینے سے اندیشہ ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نوبت آجائے، تو پھر بعد میں پچھتاوا ہوگا اور اس پر کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

کیا طویل عرصہ سے ترک کلام سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

سوال:- {1691} ہمارے ایک دوست اپنی اہلیہ سے تقریباً تیس سال سے دور ہیں اور کبھی زبان سے طلاق نہیں دیئے، اتنے لمبے عرصہ تک عورت سے دور رہ کر زندگی گزارنے والے خان صاحب کبھی ضرورت پڑنے پر اپنی اہلیہ سے بات چیت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ (محمد رحیم الدین، مشیر آباد)

جواب:- میاں بیوی کی علاحدگی چار ہی صورتوں میں ہو سکتی ہے، یا تو شوہر طلاق دے دے، یا عورت خلع کی پیش کش کرے اور مرد اسے قبول کر لے، یا قاضی شریعت زوجین کے درمیان تفریق کر دے، یا کوئی ایسی بات پیش آجائے، جو میاں بیوی کے درمیان حرمت کی دیوار کھڑی کر دے اور دو ایک دوسرے کے لیے محرم کے درجہ میں ہو جائیں، محض طویل مدت تک ایک دوسرے سے بے تعلقی کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، نیز بیوی کو اس طرح معلق

---

(۱) "ولو قال : أردت طلاقك لا يقع " (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية : ۱/۴۵۳) محشی۔

جا کر چھوڑ دینا گناہ کبیرہ اور عند اللہ سخت جوابدہی کا باعث ہے، آپ کے دوست کو نہ صرف اپنی بیوی سے بات چیت کرنی چاہئے، بلکہ ان کی جانب سے جو ظلم و زیادتی ہوئی ہے، اس کے لیے اللہ کے سامنے توبہ کرنی چاہئے، اور اپنی بیوی سے بھی معذرت خواہ ہونا چاہئے، وباللہ التوفیق۔

حالت جنون میں طلاق

سوال:- {1692} مجھے جنون کا عارضہ ہے، جس کا دورہ وقتاً فوقتاً پڑتا رہتا ہے، اسی دوران میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے تین طلاق دی ہے، مجھے تو یاد بھی نہیں، کیا اس صورت میں بھی میری بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟ (محمد عمران خاں، بنڈلہ گوڑہ)

جواب:- طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طلاق دینے والا ہوش وحواس کی حالت میں ہو، جنون کی حالت میں دی گئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں، امام ابوالحسن قدوریؒ لکھتے ہیں:

"یقع طلاق کل زوج إذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبي والمجنون والنائم" (۱)

لہذا صورت مسئولہ میں — اگر سوال درست اور سچائی پر مبنی ہے — طلاق واقع نہیں ہوگی اور آپ کی بیوی آپ کی زوجیت میں باقی رہے گی۔

(۱) القدوري، ص: ۱۷۱۔

طلاق رجعی سے متعلق احکام

رجعت کا طریقہ

سوال:- (1693) اگر غلطی سے زبان سے طلاق نکل جائے تو رجوع کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ (سکندر علی آباد)

جواب:- اگر بیوی کو مخاطب کر کے یا اس کی طرف منسوب کر کے ایک دفعہ طلاق دی جائے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور لوٹانے کی گنجائش باقی رہتی ہے، لوٹانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو شخص کو گواہ بنا کر کے کہے کہ میں نے اپنی بیوی فلاں بنت فلاں کو لوٹا لیا، یا خود بیوی کو دو گواہوں کے سامنے مخاطب ہو کر کہے کہ میں نے لوٹا لیا، یوں عورت کے ساتھ کوئی بھی حرکت کر گذرے جو کسی مرد کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ ہی جائز ہوتی ہے اور اس سے حرمت مصاہرت واقع ہو جاتی ہے، تو اس سے بھی رجعت ہو جاتی ہے۔(1)

(1) " و ندب الاشهاد عليها بأن يقول لاثنين من المسلمين اشهدا اني إني قد راجعت امرأتي كيلا يقع التجاحد بينهما كالاشهاد بالبيع ، راجعت في الحضرة أو راجعت امرأتي في الحضرة و الغيبة أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطي و مس بشهوة و نحوه كالقبلة و النظر إلى داخل الفرج " (مجمع الأنهر: ۱/۴۳۳) محشی۔

طلاق رجعی

سوال:- {1694} میں نے بیوی سے جھگڑے کے دوران ایک عورت کو گواہ بنا کر ایک مرتبہ طلاق کے الفاظ نکالے، صرف اور صرف ایک مرتبہ طلاق کہا، ایک عورت جو درمیان میں کھڑی تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ گواہ رہیں، میں نے آج سے ان کو طلاق دے دیا، لیکن اب ہم دونوں ایک ساتھ ازدواجی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (شمیم احمد چند)

جواب:- آپ نے سوال میں جس طلاق کا ذکر کیا ہے، اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی، ایک طلاق رجعی کے بعد عدت (تین حیض) گذرنے سے پہلے آپ بیوی کو لوٹا سکتے ہیں، لوٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو زبان سے کہہ دیں کہ میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے اور اس پر دو مردوں کو گواہ بنا لینا چاہئے، جو ضرورت کے وقت کام آسکیں یا آپ اس کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر گذریں جو بیوی ہی کے ساتھ کی جا سکتی ہے، جس کی وجہ سے عورت کی ماں، بیٹی حرام ہو جاتی ہے مثلاً: ہمبستری یا بوسہ وغیرہ —— لیکن اگر عدت گذر جائے تو پھر باہمی رضامندی سے نکاح کرنا ضروری ہوگا اور یہ بات بھی یاد رکھئے کہ بیوی کو دوبارہ اس وقت لوٹانا چاہئے جب اچھے برتاؤ کے ساتھ رکھنے کا قصد ہو۔ (1)

تنبیہ کی نیت سے طلاق دینا

سوال:- {1695} ایک شخص عبدالرشید اور اس کی بیوی نصرت سلطانہ میں تلخ کلامی اور جھگڑا ہوا، دوران جھگڑا عبد

---

(1) " ومنها كون المرأة في العدة " (مجمع الأنهر: ۱/۴۲۲) محشی۔

الرشید اپنی اہلیہ سے یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا کہ "میں نے تمہیں طلاق دے دی" عبدالرشید کی نیت صرف تنبیہ کی تھی، عبدالرشید کا یہ خیال ہے کہ طلاق پڑ گئی، بیوی حاملہ ہے، آیا عبدالرشید نصرت سلطانہ سے رجوع کرسکتا ہے؟ شرعی احکامات کیا ہیں؟ (ناظم شرعی کونسل محمد علاء الدین انصاری، ایڈووکیٹ)

جواب: — مذکورہ صورت میں عبدالرشید کی زوجہ نصرت سلطانہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی،(۱) جب تک نصرت کو ولادت نہ ہوجائے عبدالرشید رجعت کرسکتا ہے، رجعت کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہے کہ میں نے اپنی زوجہ نصرت سلطانہ کو لوٹا لیا، اس کے بعد زوجہ کو اس کی اطلاع بھی کردینی چاہئے، یہ رجعت کا بہتر طریقہ ہے، اس کے علاوہ زوجہ کے ساتھ کوئی بھی ایسا جنسی عمل کرگزرے جو شوہر بیوی ہی سے کرسکتا ہے تو رجعت ہوجائے گی، نصرت سلطانہ کو ولادت ہوجانے کے بعد رجعت کافی نہ ہوگی، بلکہ باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ پھر سے نکاح کرنا ہوگا ——— آئندہ خوب احتیاط سے کام لے اور کسی شرعی مجبوری کے بغیر ہرگز طلاق نہ دے کہ طلاق دینا سخت گناہ اور معصیت ہے، واللہ اعلم۔

ایک طلاق دی، دوسری مرتبہ کسی نے منہ بند کردیا

سوال: -(1696) زید اور اس کی زوجہ کے درمیان کچھ عرصہ سے تعلقات ناخوش گوار تھے ان کو دور کرنے کی غرض سے زید کے گھر میں دونوں طرف کے لوگ جمع ہوئے سالے اور بہنوئی کے درمیان دو تین گھنٹوں تک سخت کلامی جاری رہی اس گفتگو کے دوران زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا جس

(۱) "يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا ، طائعا أو مكرها" (الفتاوى الهندية:۱/۳۵۳) محشی۔

کی تفصیل یہ ہے کہ زید کا بیان ہے کہ دو سالوں کی تخت کلامی کی وجہ سے اشتعال میں آ کر میں نے ایک طلاق دی، دوسری مرتبہ ممکن ہے کہ طلاق کا لفظ نکلا ہو لیکن میری والدہ اور ایک دوست نے آ کر میرا منہ دبا دیا زید کے علاوہ دو اور احباب جو موقع پر موجود تھے زید کے اس بیان کی تصدیق کر رہے ہیں، زید کی بیوی اور ان کے تین سالوں اور ایک صاحب حاضر الوقت کا کہنا ہے کہ زید نے دو مرتبہ طلاق دیا اور تیسری مرتبہ طی کی آواز پر ان کی والدہ نے منہ دبا دیا ان کے علاوہ دو اور صاحبین جو گھر کے باہر کھڑے تھے طلاق کی اطلاع سن کر اندر داخل ہوئے اور زید سے اس کی تصدیق چاہی تو زید نے دو طلاق کے بعد تیسری طلاق پر والدہ کے منہ دبانے کا اظہار کیا، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ہندہ پر کونسی طلاق واقع ہوئی، کیا اس کے بعد شوہر کو رجعت کا حق ہے اور اس کی مدت کیا ہے، بیوی حاملہ ہو تو اس کی بھی عدت ورجعت کی صراحت فرمائی جائے، نیز اگر شوہر رجعت کرنا چاہے اور بیوی یہ شرط رکھے کہ مجھے علاحدہ مکان میں رکھا جائے تو کیا عورت کو اس مطالبہ کا حق شرعاً حاصل ہے اور کیا شوہر اس شرط کی قبولیت کی صورت میں کوئی تیقن وضمانت بھی دے سکتا ہے اس کی کیا شکل ہوگی؟

(ب) اگر عورت رجعت پر راضی نہ ہو تو خلع کی صورت میں مہر سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور جوڑے کی جو رقم

بوقت شادی دیئے کا رواج ہے اس کو بیوی واپس لے سکتی ہے؟
نیز کیا جہیز کے سامان وغیرہ بھی قابل واپسی قرار پائے گی؟
(ج) ہندہ کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی ہے جس کی
عمر تقریبا ڈیڑھ سال ہے اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا
حق اگر ماں کو ملے گا تو بچی کے نفقہ کی مقدار ماہانہ کس قدر باپ
کو ادا کرنا ہوگا یا اگر باپ خود لڑکی کو رکھ لے تو اس میں کوئی امر
مانع تو نہیں؟ (عبد العلی)

جواب:- زید کا منہ دبانے کے بعد اگر وہ طلاق کا لفظ نہ بول سکا تو وہ طلاق واقع نہیں ہوئی چاہے نیت طلاق دینے کی رہی ہو اس لئے کہ محض طلاق کی نیت (جو طلاق کے تلفظ کے بغیر ہو) طلاق واقع ہونے کے لئے کافی نہیں ہے(۱) لہذا صورت مذکورہ میں زید کی زوجہ پر طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، رجعت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے سے قبل دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہہ دے کہ میں نے اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کو لوٹا لیا ایسا کرنے کے بجائے اگر وہ اپنی زوجہ کے ساتھ کوئی بھی ایسی حرکت کر گزرے جو صرف بیوی ہی کے ساتھ کی جاتی ہے تو بھی کافی ہے۔

زید نے دو طلاق دی ہے یا ایک طلاق چونکہ اس معاملہ میں فریقین کے بیان میں تضاد ہے، اس لئے اس کا تعین گواہوں کے بیان وشہادت پر موقوف ہے تاہم ایک طلاق دی ہو یا دو

---

(۱) الهداية:۳/۳۴۔

"إن الله تعالى تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها ما لم تتكلم به أو تعمل به" (صحيح البخاري، حديث نمبر:۱۱ باب العتق، صحيح مسلم، حديث نمبر:۲۰۲،۲۰۱، كتاب الإيمان سنن أبي داؤد، باب في الوسوسة بالطلاق، سنن ابن ماجة :۱/۱۴۷ باب من طلق في نفسه و لم يتكلم به، سنن نسائي :۱/۸۴، باب من طلق في نفسه۔

"وركنه اى ركن الطلاق لفظ مخصوص" (الدر المختار على هامش الرد:۳/۳۴۹) "هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او دلالة الخ" (رد المحتار:۳/۳۴۶، كتاب الطلاق)

طلاق، بہر حال رجعی ہوگی۔ حاملہ عورت کی عدت ولادت تک ہے ولادت سے پہلے پہلے رجعت کی گنجائش ہے اور اگر حمل نہ ہو تو جوان عورت کے لئے عدت کی مدت تین حیض اور نابالغ و بوڑھی عورتوں کے لئے تین ماہ ہے۔

عورت اس بات کے مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ اس کو علاحدہ مکان میں رکھا جائے۔

"تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك" (۱)

البتہ تعین وطریقہ کی کیا شکل ہوگی وہ باہمی معاہدہ ومعاملہ پر موقوف ہے۔

(ب) رجعت کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری نہیں (۲) تاہم اگر وہ طلاق لینے پر مصر ہے اور اس کا یہ اصرار مرد کی ظلم کی وجہ سے ہے تو عورت سے واپسی مہر یا معافی مہر کا مطالبہ گناہ ہے اور اگر مرد کی ظلم و زیادتی نہ ہو بلکہ بطور خود عورت طلاق چاہتی ہو تو عورت سے مہر معاف کرنے کا مطالبہ درست ہے (۳) سامان جہیز کی نقد قیمت کی واپسی شوہر پر واجب ہے، جہیز سے کی جو رقم مرد نے لی تھی وہ رشوت کے حکم میں ہے بلہذا اس کی واپسی واجب ہے۔ (۴)

(ج) لڑکی کے بالغ ہونے تک حق پرورش بصورت علیحدگی ماں کو حاصل رہے گا، البتہ باپ کو وقتاً فوقتاً ملاقات کا حق حاصل رہے گا، اور نفقہ کی مقدار گھریلو حالات اور گھریلو معیار زندگی کے لحاظ سے متعین ہوگی، شوہر کے گھر میں ایک آدمی پر اوسطاً جو رقم خرچ ہوتی ہے وہی

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۵۵۶۔ محشی۔

(۲) "ولا يشترط فيها رضاء المرأة لأنها من شرائط ابتداء العقد لا من شرط البقاء" (بدائع الصنائع: ۳/۱۸۱، مطبع بیروت)

(۳) "وكره تحريما أخذ شيئ إن نشز وإن نشزت لا ولو منه نشوز أيضا ولو بأكثر مما أعطاها" (الدر المختار على هامش رد: ۵/۹۵، باب الخلع)۔

"أما الجارية فهي أحق بها حتى تحيض" (بدائع الصنائع: ۴/۴۲)

(۴) اسلامی شادی: ص: ۲۴۵۔

اس لڑکی کا بھی نفقہ ہوگا، نیز ایام پرورش میں عورت سابق شوہر سے پرورش کی اجرت کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے، کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱)

ماں کا اپنی لڑکی کے حق پرورش سے دست بردار ہونا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پرورش صرف ماں ہی کا حق نہیں بلکہ اس لڑکی کا بھی حق ہے، اور کوئی بھی آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے، دوسرے کا حق معاف کرنے کا مجاز نہیں، تاہم اگر ماں اور نانی اس کے لئے بالکل تیار نہ ہوں تو باپ خود لڑکی کی پرورش کرسکتا ہے۔(۲)

مطلقہ کے حلال ہونے کے لیے نکاح ثانی کب ضروری ہے؟

سوال:- (1597) سنا ہے کہ مطلقہ عورت کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس عورت کا کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو اور وہ اس کو اپنی تصرف میں لائے، تبھی اس عورت کو پہلا شوہر دوبارہ اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اور ہے تو اس پر کوئی شرعی دلیل بھی ہے؟

(سید فیروز احمدی علوی، گلشن باغ)

جواب:- جس عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی یا طلاق بائن دی گئی ہو اور وہ پھر اس بیوی کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں جائے اور اس شوہر سے تعلقات کے بعد علیحدگی ہو، پھر پہلا شوہر اس سے نکاح کرے، لیکن اگر شوہر اسے تین طلاق دے چکا ہو تو ایسی صورت میں وہ عورت دوسرے مرد کے نکاح میں جائے اور نکاح کے بعد دونوں میں تعلق قائم ہونے کے بعد ہی شوہر اول کے لیے حلال ہوگی، اور یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے:

---

(۱) دیکھئے: البحر الرائق: ۴/۱۷۹۔ محشی۔

(۲) رد المحتار: ۵/۲۵۹-۲۵۸۔ مرتب۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾(۱)

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خاص اس مقصد سے اس عورت سے کوئی مرد نکاح کرے کہ نکاح اور جنسی اتصال کے بعد وہ اسے چھوڑ دے گا؛ تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے، ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔(۲)

"زاہدہ کی ازدواجی زندگی میرے ساتھ گزرے گی" سے رجعت

سوال:- {1698} مندرجہ ذیل جواب ایک ایسے سوال کا ہے، جو مختلف مدارس جیسے جامعہ نظامیہ، دارالعلوم سبیل السلام، دارالعلوم حیدرآباد وغیرہ میں لے جایا گیا تھا اور مذکورہ اداروں کی طرف سے جواب بھی مرقوم تھا، سوال کی کاپی صاحب استفتاء نے نہیں دیا، ذیل میں سوال کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے؟

شوہر زاہد اور بیوی زاہدہ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوگئے، نتیجہ زید نے بیوی کو صریح الفاظ سے طلاق دے دیا، عدت گزرنے سے پہلے زید کی زبان سے بہت سے ایسے جملے نکلے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید بیوی کو رکھنا چاہتا ہے، جیسے یہ کہنا کہ زاہدہ کی ازدواجی زندگی میرے ساتھ گزرے گی، میاں کا بیوی کو نئی زندگی کی مبارک بادی دینا اور بیوی کا اس کو قبول کرنا اس طرح کے اور بھی اقوال سرزد ہوئے جن سے بھی

---

(۱) البقرة: ۲۳۰۔ محشی۔

(۲) " عن عبد اللّٰه بن مسعود ﷺ قال: لعن رسول اللّٰه ﷺ المحل و المحلل له " (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۹۳۴) محشی۔

معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رشتہ نکاح برقرار رکھنا چاہتے ہیں؛
دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال وحرکات سے رجعت
ہوئی یا نہیں؟ کیا زاہدہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟ اور بچہ کا حق
پرورش کسے حاصل ہوگا؟　　　(پرویز، تولی چوکی)

جواب:- اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ "طلاق" کے ذریعہ ایک یا دو طلاق دے دے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت گزرنے تک یعنی جوان عورت ہو تو تین ماہواری پوری ہونے تک شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوتا ہے۔(۱) اگر شوہر نے رجعت نہیں کی، اور یہ مدت ختم ہوگئی تو عورت علاحدہ ہوجائے گی اور اب یہ طلاق طلاق بائن ہوجائے گی۔

رجعت کے دو طریقے ہیں: قول کے ذریعہ رجعت، فعل کے ذریعہ رجعت:

فعل کے ذریعہ رجعت کا مطلب یہ ہے کہ مرد اس عورت کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرگزرے کہ اگر کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ حرکت کرتا تو اس کی ماں یا بیٹی اس پر حرام ہوجاتی، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "حرمت مصاہرت" کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صورت آپ کے دریافت طلب مسئلہ میں موجود نہیں۔

قول سے رجعت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر ایسی بات کہے جس سے بیوی کے ساتھ ازدواجی رشتہ کو باقی رکھنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہو، جیسے میں تجھے لوٹا لیا وغیرہ، فقہاء نے اس سلسلہ میں ایک لفظ "وامسكتك" اور "وامكتك" بھی ذکر کیا ہے(۲) زاہد اور زاہدہ کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنے پر رضامند ہونا اور نئی زندگی کی مبارک باد دینا اور قبول کرنا اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو رشتہ ازدواج سے باہر جانے سے روک رہا ہے، زاہدہ کا ساتھ رہنے

---

(۱) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها" (الهداية: ۲/۳۹۴) محشی۔

(۲) فتح القدير: ۴/۱۵۔ محشی۔

کے لئے شرائط پیش کرنا اور زاہد کا اسے قبول کرنا خواہ جن الفاظ میں بھی ہو وہ رجعت ہی ہے،

لہذا:

۱) زاہد و زاہدہ کے نکاح میں ہے۔

۲) جب تک زاہد طلاق نہ دے دے، یا زاہد کی زیادتی اور حق تلفی ثابت ہونے پر قاضی شریعت زاہدہ کا نکاح فسخ نہ کردے، زاہدہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔

۳) اگر زاہد اور زاہدہ میں علیحدگی ہو جائے تو لڑکے کا حق پرورش زید کو حاصل ہے، اور لڑکیوں کا زاہدہ کو، اور جب تک دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہیں، دونوں مشترک طور پر بچوں کی پرورش کریں گے، اگر دونوں میں تفریق ہو جانے اور زاہد محسوس کرتا ہو کہ ان کی بچیوں کی صحیح تعلیم و تربیت زاہدہ کے پاس نہیں ہو سکے گی، تو اسے قاضی شریعت کے پاس رجوع کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا چاہئے اور دار القضاء سے جو فیصلہ ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

رجوع کی نیت سے بیوی کو لینے سسرال جانا

سوال:- {1699} محمد فضل اللہ خان ولد محمد اعظم علی

خاں میں اپنی زوجہ کو بحالت حمل میں مسلسل نافرمانی اور بے پردگی کی پاداش میں ایک طلاق دے چکا تھا، جس کے دوسرے دن زوجہ کے رشتہ دار کے بھائیوں سے ملاقات پر کچھ بحث و مباحثہ کے بعد میں رجوع کرنے کا ارادہ کیا، تیسرے دن طلاق لوٹانے اور اپنی زوجہ کو رجوع کرنے کی نیت سے اپنی زوجہ کے گھر گیا، وہاں میرے سسرال والے کچھ غنڈے عناصر کے ساتھ مل کر مجھ پر حملہ کئے اور شدید زخمی کر دئے، اب وضع حمل ہو چکا ہے اور ڈھائی ماہ گزر چکے ہیں اور وہ لوگ مہر کی رقم

اور سامان کا مطالبہ کررہے ہیں۔

(علی احمد، شاہین نگر، پہاڑی شریف)

جواب:- رجعت کے لیے قول یا فعل ضروری ہے، جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں رجعت کے لیے مطلوب فعل موجود نہیں، لہٰذا اگر آپ نے زبان سے رجوع کیا تو وہ آپ کی بیوی ہے، اور اگر آپ نے زبان کے ذریعہ بھی رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ ولادت ہوگئی تو اب وہ آپ کی بیوی باقی نہیں رہی۔(۱) البتہ نئے مہر کے ساتھ ازسرِ نو نکاح کرسکتے ہیں، مہر بیوی کا حق ہے اور اشیاءِ جہیز کی بھی خود وہی مالک ہے، اس لئے اگر طلاق کے بغیر بھی بیوی شوہر سے اپنے ان حقوق کا مطالبہ کرے تو کرسکتی ہے اور شوہر کو چاہئے کہ اس کے حقوق ادا کردے جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو ایک حدیث میں اس کو زانی قرار دیا گیا ہے۔(۲)

* * * * * *

(۱) "وإذا جاءت بولد ... انقضت العدة ولا تصح الرجعة" (الفتاوی الهندية: ۱/۴۷۴)

(۲) "من تزوج امرأة على صداق وهو لا يريد أن يعطي لها به فهو زان" (مجمع الزوائد: ۴/۲۸۴)

طلاق کنایہ کے احکام

الفاظ کنایہ سے طلاق

سوال:- {1700} کسی شخص نے حالت غصہ میں درج ذیل کلمات کہہ دیے تو کیا ان سے طلاق ہو جائے گی؟

(الف) تم آزاد ہو، جو چاہو سو کر لو، (ب) میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں، (ج) اپنے مہر کی رقم لو اور میکہ چلی جاؤ۔

(محمد سکندر شریف، چندرائن گٹہ)

جواب:- یہ الفاظ فقہی اصطلاح کے مطابق طلاق کے لئے کنایہ ہیں، اگر مرد کہتا ہو کہ میری مراد اس سے طلاق دینا تھی، تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں، ان میں سے پہلا فقرہ یعنی "تم آزاد ہو جو چاہو سو کرو" اس سے اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جائے گی جب اسے عورت کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں کہا جائے، خواہ مرد کہتا ہو کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی:

" إذا قال لامرأته : اعتقتك تطلق إذا نوى أو

دل علیه الحال " (۱)

بقیہ کلمات میں چونکہ انکار طلاق کے معنی کی بھی گنجائش ہے، اس لئے اگر عورت کے مطالبۂ طلاق کے جواب میں کہے پھر بھی جب تک مرد طلاق دینے کی نیت ظاہر نہ کرے طلاق واقع نہیں ہوگی۔(۲)

بیوی کو" چلی جاؤ" کہنا

سوال:- {1701} میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے ارادہ سے تین بار غصہ سے اس طرح کے الفاظ کہے کہ" تم چلی جاؤ، تم نکل جاؤ، تو چلی جا" اس کے بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور پھر ہم دونوں مل گئے، ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

(عبید اللہ، چنچل گوڑہ)

جواب:- " تو چلی جا" اور" نکل جا" کے الفاظ فقہی اصطلاح کے مطابق کنایہ کے الفاظ ہیں اور ایسے الفاظ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر خود بولنے والا شخص اس کا اظہار کردے کہ وہ طلاق کے ارادہ سے ایسے جملے کہہ رہا ہے تو اس کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور یہ طلاق طلاق بائن ہلاتی ہے، پھر ایک طلاق بائن ہو جانے کے بعد دوبارہ طلاق کنائی نہیں پڑتی،(۳) لہذا صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اور وہ آپ کی بیوی نہیں رہی ـــــ البتہ اگر وہ پھر آپ کے ساتھ میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کو تیار ہے تو بلا تجدید دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں۔(۴)

---

(۱) رد المحتار ۴/۵۵۵۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار ۴/۳۳-۵۲۸۔

(۳) " ولایلحق البائن البائن " (مجمع الأنهر ۱/۴۰۹)

(۴) " و انتقلی ، وانطلقی کألحقی وفی الحقی برفقتك یقع إذا نوی " (الفتاوی الهندية ۱/۳۷۵)

طلاق کی جھوٹی حکایت

سوال:- {1702} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی بات پر تکرار ہو جانے کی وجہ سے کہا کہ ''آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا، میں آزاد اور تم آزاد، تم جو بھی کام کرو گی میں کچھ بولوں گا نہیں'' اس کے بعد دونوں کے درمیان تعلقات خوشگوار رہے، چند دنوں کے بعد پھر تکرار ہوگئی، چنانچہ اس نے ایک تحریر بیوی کو لکھا تھا کہ بیوی ڈر جائے، حالانکہ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ''میں نے تم کو طلب کیا'' لیکن اس نے بیوی سے کہا کہ ''دیکھو میں نے اس میں طلاق لکھ دیا ہے، اب سے میرے اور تمہارے درمیان تعلقات ختم ہو گئے ہیں، میں نے تین بار لکھ دیا، اب دیکھو رونے سے فائدہ نہیں، طلاق تو ہوگئی'' جب وہ زیادہ رونے لگی تو اس نے کہا کہ ''میں نے طلب لکھا تھا، طلاق کی بات میں نے یوں ہی کہا، ڈرانے کے لئے جھوٹ کہا'' اس کے بعد دونوں ساتھ رہنے لگے، لیکن چند روز کے بعد دوبارہ تکرار ہوگئی تو اس نے بیوی سے کہا کہ ''میں نے تم کو ایک طلاق دی'' اس کے بعد معاملہ ختم ہو گیا، یعنی دونوں ساتھ رہنے لگے، جب لوگوں سے معلوم ہوا کہ طلاق پڑ گئی ہے تو اس کے بعد دونوں الگ رہنے لگے، —— اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ شخص اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے، اور بیوی پر کتنی طلاق اور کس نوعیت کی طلاق واقع ہوئی؟ —— واضح ہو کہ اس شخص کا اس

بات پر اصرار ہے کہ" میں نے پہلے کنائی جملے میں کبھی بھی
طلاق واقع کرنے کی نیت نہیں کی تھی، اور اخیر میں بھی ایک
طلاق جو واقع کی گئی، وہ بھی صرف ڈرانے کے لئے" چونکہ اس
کو معلوم تھا کہ ایک طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے، اس لئے
اس نے ایک طلاق دی تھی، تا کہ بیوی کو خوف بھی پیدا ہو، اور
وہ رجعت بھی کرلے۔ (سید عبدالقدوس، بھارت ڈرسس)

جواب:- (الف) "میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو گیا، میں آزاد اور تم آزاد، تم جو بھی کام کرو گی میں لوگوں کا نہیں" یہ کنایہ کے الفاظ ہیں، ان سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے، جب بولنے والے کی نیت طلاق دینے کی ہو، یا پہلے سے میاں بیوی میں طلاق کی بات چل رہی ہو، اس لئے جب شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۱)

(ب) جب اس نے تحریر میں لکھا "میں نے تم کو طلب کیا" اور بیوی سے جھوٹ کہا کہ "میں نے اس میں طلاق لکھ دیا ہے" جیسا کہ مستفتی نے میرے سامنے قسم کھا کر بھی یہ بات کہی ہے تو یہ طلاق کے بارے میں جھوٹی حکایت ہوئی، پس اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم

(ج) شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ" میں نے تم کو ایک طلاق دی" اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

پس اگر استفتاء سچائی پر مبنی ہے تو مذکورہ شخص کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے، عدت میں لوٹانے اور عدت گزرنے کے بعد باہمی رضامندی سے نیا نکاح کرنے کی گنجائش ہے، آئندہ ایسی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہئے —— اگر شوہر نے تحریر میں واقعی طلاق ہی لکھی ہو تو پھر اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، اور ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا حرام اور مسلسل گناہ کا ارتکاب ہوگا، اس لئے مذکورہ شخص کو چاہئے کہ خوب غور کرلے، اور دنیا کے چند روزہ نفع کے لئے آخرت کا ابدی گناہ اپنے سر نہیں لے۔ وباللہ التوفیق، واللہ اعلم۔

(۱) الکنایات لا یقع بها الطلاق إلا بالنیة أو بدلالة الحال (الہدایة: ۲/ ۳۷۴) محشی۔

تحریری طلاق کا بیان

باپ کا لکھا ہوا طلاق نامہ بیوی کو روانہ کرنا

سوال:- (1703) زید کے والد نے بعض گھریلو جھگڑوں کی بناء پر اپنے بیٹے کو ایک طلاق نامہ بنا کر بھیجی کہ دو گواہوں کے دستخط کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دے، زید نے اسی طلاق نامہ کو نقل کر کے بغیر گواہوں کے دستخط کے ہندہ کے یہاں روانہ کر دیا، طلاق نامہ میں گواہوں کے خانے بالکل خالی ہیں اور ایسی شہادت نہیں کہ زید نے اپنی زبان سے طلاق کہا ہو اور طلاق کی نیت سے طلاق نامہ روانہ کیا ہو، یہ صرف اپنے باپ کی مرسلہ طلاق نامہ کی نقل ہے، کیا زید کا یہ روانہ کردہ طلاق نامہ قابل اطلاق ہے؟ کیا اس نقل کردہ تحریر بھیجنے سے طلاق پڑ جائے گی؟ (احمد عبداللہ شریف)

جواب:- طلاق کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ایک عاقل بالغ آدمی بحالت ہوش

وہ اس زبان سے طلاق دے دے یا لکھ دے، بہر صورت طلاق واقع ہو جاتی ہے، لکھنے اور بولنے میں اتنا فرق ضرور ہے کہ بولی ہوئی طلاق اس وقت بھی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں واقع ہو جاتی ہے جب شدید جبر اور دھمکی کی وجہ سے دی جائے، اور اگر جبر و اکراہ کے باعث صرف طلاق لکھ دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کتب فقہ میں عام طور سے یہ مسئلہ موجود ہے۔(۱) جبر و اکراہ سے مراد ایسی حالت ہے کہ اگر وہ کام نہ کرے تو اس کی جان پر اس کی اولاد وغیرہ کی جان کا، یا اس نوعیت کے خطرات درپیش ہوں اور یہ خطرہ متوقع نہ ہو، بلکہ ہوا ہی چاہتا ہو، سوال میں جس اصرار اور دباؤ کا ذکر کیا گیا ہے وہ جبر و اکراہ نہیں ہے، اور اس حالت میں طلاق نامہ کے ذریعہ دی گئی طلاق بھی واقع ہو جائے گی، نیز جہاں لفظ طلاق کے ذریعہ زبانی یا تحریری طلاق دے دی جائے، وہاں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے، بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔(۲) البتہ مناسب ہوگا کہ طلاق نامہ کی تحریر کے ساتھ استفتاء کیا جائے، تاکہ مسئلہ کی نوعیت پوری طرح واضح ہو جائے۔

بیوی کو اطلاع کے بغیر تحریری طلاق

سوال:- {1704} محمد حلیم نے اپنی منکوحہ بیوی شمیمہ

---

(۱) "لأنه لو أكره على أن كتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق" (البحر الرائق: ۳/۲۴۶)

(۲) "فإن قلت الكتابة من الصريح أو من الكناية ؟ قلت : إن كانت على وجه الرسم معنونة فهي صريح و إلا فكناية" (البحر الرائق: ۳/۲۵۳) "فالصريح كقوله : أنت طالق .. ولا يفتقر إلى النية ؛ لأنه صريح فيه لغلبة الإستعمال" (الهداية: ۲/۳۵۹)

"لو استكتب من آخر كتابا بطلاقها و قرأه على الزوج فأخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه" (رد المحتار: ۴/۴۳۹)

خاتون کو آپسی ناخوشگوار تعلقات کے باعث غصہ میں تحریری طلاق نامہ اس کی غیر موجودگی میں چار گواہوں کو رکھ کر لکھ دیا، جب کہ اس طلاق کا علم لڑکی کو نہیں ہوا، اور نہ ہی اب تک رو برو معلوم ہوا، جب معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا، تو یہ بات دوسرے ذرائع سے لڑکی اور اس کے کارکنوں کو معلوم ہوئی۔

ان حالات میں لڑکے والوں کا اصرار رہا کہ طلاق ہوگئی، دین مہر و عدت خرچ دے کر معاملہ ختم کر دیا جائے، لیکن لڑکی کی غربت اور سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کی طرف سے چند افراد ہمدردی میں اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ از روئے شرع قرآن و حدیث کی روشنی میں لڑکی کو دوبارہ اپنے بچے کے ساتھ شوہر کے پاس زندگی گزارنے دیا جائے۔ حالات کے باعث لڑکا بھی راضی ہے کہ اگر راستہ نکلتا ہے تو تیار ہوں۔

اس سلسلے میں دو جگہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا، دونوں کے جواب الگ الگ ہیں۔

(الف) جواب:- حنفی مذہب اور بڑے بڑے علماء کے نزدیک یہ تحریری طلاق تین طلاق کے حکم میں ہیں، اس طرح یہ طلاق واقع ہوگئی، از روئے شرع اب رخصت کی کوئی گنجائش نہیں، حلالہ کرانی ہوگی۔

(ب) جواب:- تین طلاقیں ایک مجلس میں دی ہوئی ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہے۔

انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے،

رکانہ صحابی ﷺ نے تین طلاق دیدیا تھا۔ پھر بھی حضور ﷺ نے
رجعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، امام ابوحنیفہؒ کے
استاذگرامی علامہ محقق کے شاگرد رشید امام حمادؒ (معانی الآثار جلد
۳) اور مولانا حبیب الرحمٰن دہلوی کا بھی یہی فتوی نقل کیا۔
اس طرح انہوں محمد علیم کو اپنی منکوحہ بیوی شمیمہ خاتون
کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم فرمایا۔
مسئلہ اور جواب دونوں کے پس منظر میں صحیح جواب
دلائل کے ساتھ دینے کی درخواست ہے۔
(محمد صلاح الدین راہی، قریشی محلہ، آسنسول)

جواب:- ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ شمیمہ خاتون اپنے شوہر پر حرام ہوگئی اور رجعت کی گنجائش نہیں، حضرت ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ ﷺ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنہا کو ایک ہی کلمہ میں طلاقیں دیدیں تو آپ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان سے علاحدہ فرمادیا، (۱) حضرت حسن ﷺ نے اسی طرح اپنی بیوی عائشہ کو تین طلاق دے دیں، بعد کو عائشہ کے رنج واندوہ کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ نانا سے یہ بات سنی ہوتی کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں تو لوٹا لیتا، (۲) عبد اللہ بن عمر ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہوتی تو کیا ہوتا؟ ارشاد ہوا: تم سے بائنہ ہو جاتی اور یہ کار گناہ ہوگا، (۳) حضرت عمران بن حصین ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس نے ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے

---

(۱) صحیح مسلم حدیث نمبر: ۳۷۰۲، ۳۶۲۴، باب المطلقة البائن لا نفقة لها۔ مرتب۔
(۲) السنن الکبری للبیهقي حدیث نمبر: ۱۴۹۷۱، باب ما جاء في إمضاء الطلاق الثلاث۔ مرتب۔
(۳) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۴۹۵۵۔ مرتب۔

اللہ کی نافرمانی کی اور بیوی کو اپنے آپ پر حرام کرلیا،(۱) یہ اور اس طرح کی متعدد روایات منقول ہیں، اس لئے ائمہ اربعہ — ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ کو چھوڑ کر — قریب قریب تمام ہی سلف صالحین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے تھے۔

رہ گئی عبداللہ بن عباسؓ کی روایت تو ابوداؤد میں یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اصل میں حضرت رکانہ نے لفظ مشتبہ کے ذریعہ طلاق دی تھی، یہ لفظ کنایہ ہے، اور اس میں ایک طلاق بائن یا تین طلاق دونوں معنوں کی گنجائش ہے، اس لئے حضور ﷺ نے تحقیق و تفتیش کے بعد ان کی نیت کو معتبر مانا، چوں کہ مشتبہ میں تین طلاق کے معنی کا احتمال بھی ہے، اس لئے بعض راویوں نے تین طلاق سے تعبیر کردیا ہے، جو محدثین اور اہل فن کے نزدیک راوی کا وہم ہے۔(۲)

کیا تحریری طلاق نامہ پر دستخط سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال:- {1705} وزیر صاحب نے تحریری طور پر جو متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں، دوسری بیوی کے اصرار پر طلاق دیدی اور اس کی تحریر بھی اپنی بیوی کے نام روانہ کردیا، اور لکھ کر میں اپنی پہلی بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے دیا تھا تم پریشان نہ ہونا، ان کاغذات پر گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، اور شخص مذکور کی بیوی حالت حمل سے ہے، اس صورت میں شاہدہ منظیر پر طلاق پڑی یا نہیں؟ (محمد ظہیر الدین شریف)

---

(۱) السنن الکبریٰ بیہقی: ۷/۳۳۲۔

(۲) سنن أبي داؤد حدیث نمبر:۲۱۹۶، باب نسخ المراجعة بعد تطلیقات الثلاث، مرتب۔

جواب:- صورت مسئولہ میں شاہدہ مظہر پر طلاق واقع ہوگئی، طلاق نامہ پر اس کو طلاق نامہ جانتے ہوئے دستخط کردینا طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہے۔(۱) خواہ اس کا مقصد زوجۂ اول کو مطمئن ہی کرنا کیوں نہ ہو۔--- حالت حمل میں بھی دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۲) پھر چوں کہ منسلکہ طلاق نامہ میں تین طلاقوں کا ذکر ہے، اس لئے مغلظہ واقع ہوگئیں، حلالہ کے بغیر دوبارہ اس مرد کی زوجیت میں نہیں جاسکتی۔(۳)

تحریری طلاق کا حکم (فقہ شافعی میں)

سوال:- (1606) ایک شخص نے تحریری طلاق نامہ رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ روانہ کیا، عورت نے اس کو اپنے شوہر کا خط سمجھ کر کھولا، دیکھا تو اس میں طلاق نامہ تھا، جس کا لڑکی کو علم نہ تھا، ورنہ ہی لڑکی دفتر میں بوقت طلاق موجود تھی، اور نہ ہی اس طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط ہیں تو کیا شافعی مسلک کے اعتبار سے یہ طلاق پڑ جائے گی؟ (یوسف نجم، سید علی گوڑہ، حیدرآباد)

جواب:- امام شافعیؒ کے یہاں تحریری طلاق واقع ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ لکھنے کے وقت شوہر کی نیت طلاق کی ہو، دوسرے تحریر کے لئے ایسی چیز کا استعمال

---

(۱) " لو استكتب كتابا بطلاقها فلخذه الزوج و ختمه و عنونه ، و بعث إليها فأتاها وقع " (شامی : ۴۳۹/۴)۔

(۲) " و طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع " (الهداية : ۳۵۶/۲) محشی۔

(۳) " و إن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها و الأصل فيه قوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره " (الهداية : ۳۷۹/۲) محشی۔

کیا جائے جس پر تحریر کا نقش باقی رہ سکے، مثلاً: کاغذ، تختی، دیوار، وغیرہ، تیسرے یہ کہ خود شوہر طلاق لکھے۔(۱) لڑکی کو طلاق کا علم یا اس کی دستخط ضروری نہیں ہے، اس لئے مسلک شافعی کے مطابق بھی طلاق واقع ہوگئی۔

زبردستی تحریری طلاق

سوال:- {1707} شوہر سے زبردستی طلاق لکھوائی جائے تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

(حبیب حسن بن حبیب صالح الحامد، گلبرگہ)

جواب:- اگر زبردستی طلاق لکھوائی جائے، زبان سے کہلوایا نہ جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

"فلو أکره أن یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق" (۲)

طلاق بائن بذریعہ اشتہار

سوال:- {1708} مسمی سید صلاح الدین ولد سید ولی الدین نے اپنی زوجہ بی بی انیس فاطمہ بنت میر عنایت علی کو روبرو گواہان طلاق بائن دیدی، جو ایک ایڈوکیٹ کے ذریعہ اشتہار روزنامہ میں شائع کیا، کیا ایسی صورت میں بی بی انیس فاطمہ کے لئے دوبارہ اپنے شوہر سے رجوع ہونے کے لئے حلالہ ضروری ہے یا تجدید نکاح ضروری ہے؟ (نامعلوم)

---

(۱) کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة: ۴/۲۹۳۔

(۲) رد المحتار: ۴/۴۴۰۔

جواب:- مذکورہ صورت میں از سرِ نو نئے مہر کے ساتھ نکاح کر لینا کافی ہے،(۱) حلالہ کی ضرورت نہیں، اگر طلاق مغلظہ (تین طلاق) دی ہوتی تب حلالہ ضروری ہوتا۔

ٹیلی گرام کے ذریعہ طلاق

سوال:- {1709} بیرون ملک سے اس کے جواب میں لڑکی کے شوہر نے ایک ٹیلی گرام دیا، وہ یہ ہے کہ:

"Ree ewed Register forget erery this promire erery this will Joe O.K send. aughter immediately of Buaree."

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "رجسٹری ملا، سب کچھ بھول جاؤ، سب کچھ وعدہ کرتا ہوں، بچی کو جلدی بھیجو ورنہ طلاق" یہ ٹیلی گرام آکر تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا، اب یہ طلاق لڑکی پر واقع ہوئی یا نہیں؟ (نعمت اللہ، مظفر پور)

جواب:- "ڈائیورس" (Ree ewed) کا لفظ انگریزی زبان میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے، اس لئے اصول کے مطابق طلاق رجعی مشروط ہوئی، جیسا کہ فقہاء نے "رہا کردم" کے الفاظ سے طلاق رجعی واقع کی ہے۔(۲) ——— اب چوں کہ اس ٹیلی گرام کے آنے کے بعد لڑکی کو اس کے سسرال نہ بھیجا گیا، بلکہ دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس لئے یہ طلاق واقع ہوگئی، چوں کہ یہ طلاق رجعی ہے، اس لئے عدت کی تکمیل تک لوٹا لینا اور رجعت کرنے

---

(۱) "وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلث فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها" (الهداية ۲/۳۹۹)

(۲) الدر المختار: ۴/۳۶۸۔

کی گنجائش تھی، عدت تین حیض ہوتی ہے، اگر اس عدت میں شوہر نے نہ لوٹایا ہو، تو طلاق بائن ہوگئی، عورت اس کی بیوی نہیں رہی اور اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

کیا پولیس کی دھمکی اکراہ ہے؟

سوال:- (1710) بخدمت حضرت مفتی صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بعافیت ہوں گے، ذیل کا مسئلہ دریافت طلب ہے، امید ہے جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

زید کا ہندہ سے نکاح ہو کر تقریباً نو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، کوئی اولاد نہیں ہے، بہر حال دونوں باہم الفت و محبت اور ایک دل کے ساتھ رہتے ہیں، کوئی جھگڑے، نا اتفاقیاں نہیں ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ ابھی حال میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ عورت کا غیر مرد سے ناجائز تعلق ہے، یہ بات شوہر کے علم میں بھی آئی جس سے شوہر نے کافی تکلیف اٹھائی اور کافی پریشان بھی رہا، لیکن اس کے باوجود شوہر کو قطعاً علیحدہ کرنے یا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، نیز خود عورت بھی اپنے شوہر سے علیحدگی نہیں چاہتی تھی، اور نہ پہلے سے اس کو اپنے شوہر سے کوئی شکایت تھی، لیکن لڑکی والوں کی زبردستی اور اصرار کی وجہ سے عورت کو علیحدگی پر راضی ہونا پڑا، اسی طرح لڑکا بھی اپنے خاندانی دباؤ اور اصرار کی وجہ سے علیحدہ کرنے پر مجبور ہوا۔

لڑکے کی جانب سے طلاق نامہ اور لڑکی کی طرف سے خلع نامہ دونوں بھی لڑکی والوں نے تیار کرایا جس میں لڑکے کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ دونوں مضامین دونوں کے ذمہ داروں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا، جس میں یہ دونوں بھی موجود تھے، اور دونوں کا دستخط بھی لے لیا گیا، اگرچہ جبراً اور دھمکی کے ساتھ تو نہیں تھا، لیکن دلی رضامندی کے ساتھ دستخط نہیں تھا، بلکہ پورے طور پر اس سے دونوں بھی ناراض تھے۔

لڑکی والوں نے خود لڑکی ہی کا خلع نامہ اس طرح لکھایا:

''میں سوتی جان میرے شوہر سورے خان کو حسب ذیل طلاق نامہ لکھا (ان لوگوں میں یہی خلع نامہ بھی ہے) ہماری شادی ہو کر تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، اور چند دنوں سے باہمی نا اتفاقی کی وجہ سے علیحدہ رہے (یہ لڑکی کا بیان نہیں) میں جیل پول؛ (لڑکی کا وطن) کے ذمہ دار لوگوں کو اور انجیلہ (لڑکے کا وطن) کے ذمہ داروں کو لے کر اپنے شوہر کے پاس گئی، اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ مہر کی جو رقم ابھی پہنچنے والی ہے (بجائے مہر معاف کرانے کے) وہ اور جہیز کا پورا سامان واپس کر دو، اور طلاق بھی دو، چنانچہ شوہر نے ان سب لوگوں کے سامنے مجھے سب سامان حوالہ کر دیا، اور مجھے طلاق بھی دے دیا، لہٰذا اب مجھے ان کے دوسری شادی میں کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ تحریر میں اپنی رضامندی سے لکھی ہوں (یہ ایک گاؤں کا واقعہ ہے، مسائل سے بالکل ناواقف ہیں، مضمون تلگو زبان میں تھا، جس کو اردو میں ترجمہ کر دیا گیا تاکہ صورت واقعہ کھل کر

سامنے آجائے)

اور پھر لڑکی والوں نے ہی لڑکے کا طلاق نامہ اس طرح لکھایا:

" بتاریخ ۷/جنوری ۲۰۰۱ء جناب اکبر خاں صاحب کے فرزند سورے خاں کا اپنی بیوی کو تحریر کردہ یہ طلاق نامہ ہے، ہماری شادی ہو کر تقریباً دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے، لیکن چند دنوں سے دونوں میں باہمی نا اتفاقیوں کی وجہ سے علیحدہ رہے، میری بیوی سیل پول اور انجیلہ کے ذمہ داروں کے ساتھ میرے پاس آئی اور کہا کہ مجھے ساتھ رہنا اور زندگی گزارنا نہیں ہے، لہذا میری بقیہ رقم اور جہیز کے سامان واپس کردو، اور طلاق دے دو، بہر حال میں تمام مذکورہ لوگوں کے سامنے تمام سامان حوالہ کردیا، اور اب میں طلاق طلاق طلاق دے دیا ہوں، اب میری بیوی کے لئے دوسری شادی کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں، یہ میری رضامندی سے لکھا ہوا طلاق نامہ ہے"

یہ پورا مضمون لڑکے نے نہیں لکھا ہے اور نہ لڑکے نے زبان سے طلاق دیا ہے، بلکہ صرف اس مضمون کو پڑھ کر دستخط کردیا ہے۔

یہاں تک تو ان لوگوں کے مابین جو کاروائی ہوئی اس کا خلاصہ ہے، اب اس واقعہ کی روشنی میں یہ سوال ہے کہ لڑکی والوں نے جو طلاق نامہ لکھایا، اگر اس طلاق نامہ کو پڑھ کر اور سمجھ کر اس پر دستخط کردیا تو اس دستخط سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

اگر واقع ہوگی تو طلاق نامہ میں لفظ طلاق تین مرتبہ مکرر
لکھا گیا ہے، تو اس سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

نوٹ:- لڑکے نے طلاق نامہ دیکھ کر یہ اعتراض کیا
تھا کہ بجائے طلاق کے خلع ہی کے الفاظ لکھے جائیں، لیکن
لڑکی والوں نے اس کو نہیں مانا، بلکہ یہ کہا کہ اگر یہ تسلیم نہیں
ہے تو پھر پولیس کے ذریعہ ہی تصفیہ ہو سکے گا، چنانچہ لڑکے
نے خاموشی اختیار کر کے اسی پر دستخط کر دیا، کچھ دن کے بعد
لڑکا اور لڑکی رضامند ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے
ہیں، اب فی الوقت وہ دونوں ساتھ ہی رہ رہے ہیں، اگرچہ
دونوں کے سرپرست بالکل ناراض ہیں، لیکن یہ دونوں علیحدہ
ہونا نہیں چاہتے ہیں، تو اب ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟
امید ہے جلد جواب سرفراز فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

(محمد نعیم، گھور)

جواب:- (منجانب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

ھو الموفق ۔ اگر زید شوہر کو اقرار ہے کہ پنچوں نے
جو طلاق نامہ لکھا تھا اور جو سنایا گیا اس کو شوہر نے بھی سنا اور
سمجھا اور اس نے اس پر بلا جبر و اکراہ دستخط کر دیا، جیسا کہ سوال
میں صراحت ہے: ''اگرچہ جبر اور دھمکی کے ساتھ نہ تھا، لیکن
دلی رضامندی کے ساتھ دستخط نہیں تھا''

تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں، اور بیوی
شوہر پر حرام ہو گئی، آگے یہ بھی سوال میں صراحت ہے کہ لڑکی
والوں نے طلاق نامہ لکھا یا اگر طلاق نامہ کو پڑھ کر یا سن کر اس پر

دستخط کردیا، —— اب بلا حلالہ شرعی دوبارہ اس مطلقہ ثلاثہ سے شوہر دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا ہے۔

"فإن كان الطلاق ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا، و يدخل بها ثم طلقها أو مات عنها" (هدايه)

(نوٹ) یہ کاغذ دوسرے کا لکھا ہوا ہے، اگر شوہر کو اعتراض ہو یا وہ صحیح نہیں سمجھا ہو تو اس کو صحیح صورت حال تحریر معلوم کرنا چاہئے — سوال میں پولیس کی دھمکی کا تذکرہ موجود ہے، اس لئے اسے بلا وجہ اکراہ نہیں کہا جاسکتا ہے، اگر دستخط جبر کی وجہ سے کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

محمد ظفیر الدین عفی عنہ الجواب صحیح الجواب صحیح

مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی عبداللہ حبیب الرحمٰن

سوال:- قابل احترام جناب حضرت مولانا سلام مسنون

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

کسی عورت کو دوسرے مرد کے ساتھ تنہائی میں دیکھا گیا، در حقیقت بدفعل کا کوئی ثبوت نہیں، صرف تنہائی کو دیکھ کر لڑکی والے لڑکے کو خلع پر جبراً آمادہ کئے اور خاوند نے اپنی زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا۔ بلکہ لڑکی والوں نے پرچہ لکھ دیا، البتہ دستخط کردیا گیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی کہ نہیں، ان دونوں کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟

(کتبہ: حافظ اصغر علی، گلور، اے، پی)

جواب:- (منجانب نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند)

الجواب وباللہ التوفیق ۔ صورت مسئولہ میں اگر واقعۃً شوہر نے طلاق زبان سے بالکل نہیں دی ہے، صرف کاغذ پر دستخط کئے ہیں، تو طلاق واقع نہ ہوگی ۔ فقط ۔

محمد عبداللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح

نائب مفتی دار العلوم دیوبند　　حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ

مرتب: - سوال نامہ اور ان دونوں فتاویٰ کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، کیوں کہ پولیس کا خوف بھی اکراہ میں داخل ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی تمام باتیں جو آدمی کی عدم رضا کا موجب ہوسکتی ہوں "اکراہ" میں داخل ہے، اور یہ لوگوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے، سماج کے باعزت لوگوں کے لئے سخت کلامی بھی "اکراہ" کے پائے جانے کے لئے کافی ہے، اور عام لوگوں کے لئے شدید مار پیٹ کا خوف "اکراہ" شمار ہوگا، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں :

" أو موجبا بعدم الرضا و هذا أدنى مراتبه و هو يختلف باختلاف الأشخاص ، فإن الأشراف يغمون بكلام خشن ، و الأراذل ربما لا يغمون إلا بالضرب المبرح " (۱)

اس کی بھی صراحت فقہاء کے یہاں موجود ہے کہ تکلیف دہ اور رسوا کن مار پیٹ اور ایک دن سے زیادہ کی قید بھی "اکراہ" میں داخل ہے : درمختار میں ہے : " أو حبس أو قيد مديدين ... " (۲) پھر علامہ شامیؒ نے "حبس مديد" یعنی طویل قید کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد : ۹/۱۸۰ ۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد : ۹/۱۷۹ ۔

"فبه اشارة إلى أن الحبس المديد ما زاد على يوم" (۱)

پولیس کے ذریعہ شدید اور رسوا کن مار پیٹ اور دو چار روز حوالات میں بند رکھنے کا عمل نادر نہیں، بلکہ عام طور پر ملزم کو اس سے دو چار ہونا پڑتا ہے، اور "اکراہ" کی حالت میں اگر صرف طلاق نامہ تحریر کیا مگر زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہوں تو طلاق واقع نہیں ہوگا، اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ پولیس کی دھمکی بھی "اکراہ" میں داخل ہے، لہذا جو صورت دریافت کی گئی ہے اس میں بندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

کیا کچھ بولے بغیر صرف لکھنے سے طلاق ہوگی؟

سوال:- (1711) "طلاق نامہ کا ایک ٹکڑا تم کو روبرو گواہان ذیل طلاق بائن (طلاق طلاق طلاق) دیدیا ہوں"

یہ تحریر شوہر کے والد کے حکم سے لکھی گئی ہے، شوہر کو خود بھی اس کی اطلاع تھی، محمد اسد ولد محمد عمر صاحب نے اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے، البتہ اس تحریر پر دستخط کیا۔

یہ تحریر اردو زبان میں تھی، محمد اسد اردو زبان سے واقف نہیں تھے، انہوں نے انگریزی میں دستخط کیا، باپ کی طرف سے اخلاقی دباؤ کے تحت انہوں نے دستخط کیا، کیا اب ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ اور اگر ہوگئی تو کیا دوبارہ دونوں کے ملانے جانے یا ازسرنو نکاح کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟

(محمد اسد، مگبرگہ)

جواب:- مذکورہ صورت میں چوں کہ شوہر کو خود اس کی اطلاع تھی اور اس کا دستخط بھی

---

(۱) رد المحتار: ۹/۱۷۹ ۔

تحریر میں موجود ہے، اس لیے اس پر تین طلاق واقع ہوگئی، (۱) اور عورت اس کی بیوی باقی نہیں رہی، طلاق اخلاقی دباؤ کے باوجود اگر تحریری طور پر دی جائے تو بھی واقع ہوجاتی ہے، اب وہ عورت محمد اسد کے لیے حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی۔

خطوط کے ذریعہ طلاق

سوال:-(1712) کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل حالات میں میری لڑکی دوچار ہوئی، میری لڑکی مسماۃ طاہرہ بیگم کی شادی ۱۹۸۳ء میں عبدالمقتدر خاں سے ہوئی جو قطر میں ملازمت کررہے ہیں، ہر دو سال کے بعد کریم گنج آتے تھے، اور دو ماہ رہ کر واپس ہوجاتے تھے، اس دوران میری لڑکی سسرال میں رہتی تھی، اس اثناء دو لڑکے بھی تولد ہوئے، لیکن جب تیسری بار عبدالمقتدر خاں کریم گنج آکر واپس قطر ہوئے تو طاہرہ بیگم کے خسر وساس نے بچی کو زبردستی دواخانہ لے جاکر ایک ماہ کا حمل ساقط کرادیا۔

یہاں سے گھریلو جھگڑے سسرال والے کے شروع ہوئے، جھوٹے موٹے الزامات کے چرچے شروع ہوئے، کہ بہو گھر کا کام برابر نہیں کرتی، زیادہ دیر تک سوتی ہے، کام سلیقہ کا نہیں کرتی، بہر حال بھی باتیں زور وشور سے ہونے لگیں، لیکن لڑکی طاہرہ بیگم جو صابرہ وشاکرہ قسم کی لڑکی ہے، کسی کو کسی کا جواب دیئے بغیر خاموشی سے برداشت کرتی رہی، لیکن آخر

---

(۱) "ولو استکتب کتابا بطلاقها وقرءه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع" (رد المحتار: ۴۳۹/۲) محشی۔

لڑکی کو طرح طرح سے رسوا کر کے میکے مع لڑکوں کے بھیج دیا،
جس کو آج ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو رہا ہے، عبد المقتدر خاں کو ان
کے والد عبد الحمید خاں نے جھوٹے الزامات بہو پر لگا کر ایک
سادہ کاغذ پر عبد المقتدر خاں کے دستخط منگوالیے کہ جس کے
ذریعہ بہو کو طلاق نامہ دے کر عبد المقتدر خاں کے دوسرے
نکاح کا بندوبست کردیں، اس طرح خود بچے کے والد عبد
الحمید خاں نے خود ساختہ طلاق نامہ، طلاق مغلظہ سہ بارہ، تاریخ
۲۵ر۳ر۱۹۸۷ء کو بذریعہ رجسٹری جناب نائب قاضی کریم نگر
کے پاس بھیج دیے، بچے کے والد عبد الحمید خاں نے بتاریخ
۲۷ر۵ر۱۹۸۷ء کو ایک خط قاضی صاحب کو دست بدست دے
کر توجہ دلائی کہ میرا بیٹا عبد المقتدر خاں اپنی بیوی کے لئے
طلاق نامہ آپ کو تکمیل کرانے کو کہا ہے، لہذا آپ لڑکی کے
والد غلام اصغر علی صدیقی کو دے کر پابند کریں، اس طرح قاضی
صاحب نے یکم جون ۱۹۸۷ء کو بذریعہ رجسٹری میرے نام
جس میں طاہرہ بیگم کو فہمائش دیتے کہ تمہارے خاوند نے تم کو
طلاق دیدی ہے، لہذا تم میرے دفتر پر حاضر ہو کر تمہارے جہیز
میں دیا سامان حاصل کرلو۔

دکن میں عام طور پر سسرال والوں کا سلوک پر تشدد ہوتا
ہے، ہر لڑکی کو نشانہ ملامت بنا پڑتا ہے، طاہرہ بیگم چوں کہ اعلیٰ
پڑھی لکھی اور ایک با اخلاق اور سمجھدار صابر لڑکی ہے، اور وہ یہی
سمجھتی رہی کہ شوہر کے آنے تک تو ان حالات کا مقابلہ کرنا ہی
پڑے گا، مگر شوہر سے طلاق دلوائی جائے گی، اور انتہائی اقدام

ہوگا، وہ سوچی بھی نہیں، اور عام طور پر وہ ان حالات میں بھی خوش تھی۔

اب کریم نگر کے چند معزز مہمان لڑکے کے والد سے جب مل کر علیحدگی کی وجہ دریافت کئے، تو چھوٹے موٹے الزامات کے سوا انہوں نے کوئی سنگین الزام نہیں لگایا، جس کی بناء پر مصالحت کی کوشش دوست واحباب نے شروع کی اور صلح کروادیا گیا۔

اب لڑکے کے والد ایک مجرم کی طرح اپنا قصور اقبال کر کے پھر سے رشتہ کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، جب کہ سب حالات سامنے آچکے ہیں، تو لڑکے کے والد بے حد شرمندگی محسوس کر کے طاہرہ بیگم کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، اس کی تلافی کے درپے ہیں، اور اب عبدالحمید خان اور ان کی بیوی ہم سے آکر معافی مانگ رہے ہیں، اور لڑکی کو سسرال بھیجنے کو کہہ رہے ہیں، لڑکے کے والد اعتراف کرتے ہیں کہ لڑکے کا دستخط سفید کاغذ پر منگوا کر اس پر طلاق نامہ کا مضمون خود لکھوادیا تھا، شاید اس لحاظ سے رشتہ کی استواری میں گنجائش ہو، اب وہ لوگ اپنے کئے پر پشیمان ہیں۔

ایسے میں اب مسمی غلام اصغر علی صدیقی جو طاہرہ بیگم کا ضعیف باپ کے ناطے عالی جناب سے اپنا گزارش کرتا ہے کہ مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں تفصیل چاہتا ہوں کہ آیا وہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، کیا کچھ مصالحت کی گنجائش ہے؟

نقل عباد کہ عبدالمقتدر خان کا براہ راست روانہ کردہ

طلاق نامہ آج تک موصول نہیں ہوا، البتہ میں نے قاضی کریم نگر کے پاس سے اسکی ایک نقل حاصل کی ہے، پس، حالات حاضرہ کے تحت طلاق نامہ کی نقل پیش خدمت ہے، نیز میرے نام کا لفافہ بھی مرسل خدمت ہے، براہ کرم مہربانی فرماکر فتوی عنایت فرمائیے۔

(قاضی کے پاس ارسال شدہ طلاق نامہ)

۷۸۶

تاریخ: ....

مقام: ....　　ذریعہ رجسٹری

نقل طلاق نامہ میری زوجہ طاہرہ بیگم کو:

مسمی عبدالمقتدر خاں بن عبدالحمید خاں صاحب بہوش وحواس اپنی بیوی طاہرہ بیگم بنت اصغر علی صدیقی کو کچھ وجوہات ذاتی، جیسے: (۱) میری زوجہ کو اصغر علی صدیقی کا میری نافرمانی کرانا، (۲) میری غیر موجودگی میں اپنے سسرال والوں کی خدمت نہ بجالانا، (۳) نیز میری آمدنی کا ناجائز استعمال کرنا اور میری اجازت کے بغیر اپنے میکے میں نامعلوم طریقے سے خرچ کرنا اور میرے سامان اور استعمال کی چیزیں میکے میں لے جاکر تصرف میں لانا، بچوں کی دیکھ بھال صحیح طریقے پر نہ کرنا، اپنی سازش کے ذریعہ خاندان میں فساد وبرپا کرنا، اور میری ہر بات سے اختلاف کرنا، ان تمام مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر اپنی زوجہ طاہرہ بیگم کو تین طلاقیں (طلاق مغلظہ) طلاق، طلاق، طلاق دے رہا ہوں، اس طلاق نامہ کے پہونچتے ہی

اس طلاق نامہ کو وصول کر کے یا پڑھتے ہی طاہرہ میری زوجیت سے خارج سمجھیں، اس کے قبل میں مبلغ ۰۰۰۰ روپے بذریعہ ڈرافٹ بھیج چکا ہوں، اور نان ونفقہ بھی۔——
اس کی ایک کاپی جناب قاضی شاہ خاں صاحب (نائب قاضی) مکان نمبر 110-3-5، رام نگر، آندھرا پردیش، بغرض اطلاع مرسل ہیں۔ فقط

جواب:- (الف) طلاق نامہ کے مضمون میں ایک فقرہ یوں ہے: "اس طلاق نامہ کے پہونچتے ہی، اس طلاق نامہ کو وصول کر کے پڑھتے ہی طاہرہ میری زوجیت سے خارج سمجھے" جس میں طلاق نامہ کو وصول کرنے یا عبدالمقتدر خاں کے بھیجے ہوئے طلاق نامہ کو پڑھنے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے، اور استفتاء کی وضاحت کے مطابق عبدالمقتدر خاں کی زوجہ طاہرہ بیگم کو طلاق نامہ براہ راست پہونچا نہیں ہے، بلکہ صرف قاضیٔ وقف تک طلاق نامہ پہونچا ہے، اور طاہرہ بیگم نے اس کی نقل حاصل کی ہے، پس اگر طاہرہ بیگم نے اس طلاق نامہ کو نہ پڑھا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے تحریر طلاق مرتب کی اور لکھا کہ جب یہ تحریر تم تک پہونچے تو طلاق واقع ہو جائے گی، تو طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے، جب کہ اصل تحریر بیوی کو مل جائے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وإن علق طلاقها بمجئ الكتاب بأن كتب إذا جاء ك كتابي هذا فأنت طالق، مالم يجئ إليها الكتاب، لا يقع"(۱)

طلاق نامہ کا اوپر جو فقرہ نقل کیا گیا ہے اس سے پہلے کی عبارت یوں ہے "مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر اپنی زوجہ (بیوی) طاہرہ بیگم کو تین طلاقیں (طلاق مغلظہ) طلاق، طلاق، طلاق،

(۱) الفتاوی الہندیۃ: ۳۷۸/۱، محشی۔

دے رہا ہوں" ان الفاظ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی یہ طلاق مشروط اور معلق نہیں ہے، بلکہ منجز اور فی الفور قابلِ وقوع ہے، مگر چوں کہ اس کے بعد کسی فصل کے بغیر طلاق نامہ کے وصول کرنے یا پڑھنے کی شرط سے طلاق کو مشروط کر دیا گیا ہے، اس لئے طلاق کو مشروط اور معلق سمجھا جائے گا، فقہ کی کتابوں میں "استثناء فی الطلاق" کے مسئلہ میں اس کی نظیر موجود ہے، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وإذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء الله، لم يقع الطلاق ولهذا يشترط أن يكون متصلا به بمنزلة سائر الشروط" (۱)

(ب) استفتاء میں اس بات کا ذکر ہے کہ عبدالحمید خاں نے اپنے بیٹے عبدالمقتدر خاں سے اس کا دستخط شدہ کاغذ منگوایا، اگر طلاق کی صراحت اور وضاحت کے بعد دستخط منگوایا کہ اس کی بیوی کو طلاق دی جائے گی، اور اس بات کی بھی صراحت کر دی کہ تین طلاق دی جائے گی یا صرف یوں ہی منگوالیا اگر طلاق کی صراحت کے بعد دستخط منگوایا اور پھر اپنی طرف سے اس پر طلاق لکھ دی، تو یہ طلاق واقع ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور اگر یوں ہی دستخط شدہ کاغذ منگوایا اور اپنی طرف سے طلاق لکھ دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، —— تاہم اوپر طلاق نامہ کی جو تحریر ذکر کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ طلاق معلق اور مشروط ہے، لہذا اگر طاہرہ بیگم نے خود سے اس طلاق نامہ کو پڑھ لیا تبھی اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

○ ● ○ ● ○

---

(۱) الہدایۃ: ۲/۳۶۹، مجتبائی۔

حالتِ نشہ اور حالتِ اکراہ کی طلاق

حالتِ نشہ کی طلاق

سوال:- (1713) اگر نشہ آور دواؤں کے استعمال کے بعد کوئی شخص طلاق دے دے تو کیا طلاق پڑ جاتی ہے؟
(محمد غوث الدین قدیر، کریم نگر)

جواب:- اگر نشہ کی حالت میں طلاق دے دے تو احناف اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، اور اسی پر علماء کا فتوی ہے۔(۱)

لاعلمی میں نشہ پینے والے کی طلاق

سوال:- (1714) اگر کوئی شخص نشہ آور چیز کو جانے

---

(۱) "یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل و لو عبدا أو مکرها أو هازلا أو سفیها أو سکران و لو بنبیذ أو حشیش أو أفیون أو بنج زجرًا به یفتی" (الدر المختار علی هامش رد: ۴/۳۴۲-۳۴۹) محشی۔

بغیر واقفی میں پی گیا اور ہوش وحواس قائم نہ رہ سکا، تو کیا اس
حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجائے گی؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- جو شخص ناجائز طریقہ پر شراب پی لے یعنی نشہ کے لئے بلا جبر واکراہ جانتے بوجھتے شراب پی اور نشہ چڑھنے کے بعد طلاق دے دی تو طلاق واقع ہوجائے گی، اگر کسی جائز سبب سے نشہ آور چیز کا استعمال کرنا پڑا، مثلاً: دوا کے طور پر اور اس حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

" بخلاف ... ما إذا زال ... والدواء؛ لأنه ما
زال بسبب هو معصية "(۱)

ناواقفیت طور پر نشہ آور شئ استعمال کرنا ایسے سبب کے دائرہ میں آتا ہے جو معصیت نہیں، اس لئے اس حالت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حالت نشہ میں لفظ طلاق کی تکرار

سوال:- (1715) مہربانی فرما کر ذیل کے سوال کا
جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

زید اور اس کی بیوی کے درمیان کچھ عرصہ بعد معمولی
باتوں میں خلش پیدا ہوئی، بعض معمولی باتوں پر زید کو غصہ آتی
گئی ـــــ زید نشہ کا عادی بھی ہے، ایک دفعہ کسی بات پر ـــــ
جب کہ زید حالتِ نشہ میں تھا ـــــ اور اس کی بیوی حاملہ تھی
اس نے ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا، اس
دن کے بعد سے دونوں نے جدائی اختیار کر لی، لیکن اب

(۱) بدائع الصنائع :۳/۱۵۹، بحث ...

دونوں فریقین پشیمان ہیں، اور چاہتے ہیں کہ شرعاً کوئی گنجائش ہو تو آئندہ کامیاب زندگی گزاریں گے، کیا شرعاً حالت نشہ میں بیک وقت طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے؟ آیا طلاق وقفہ وقفہ سے دینے سے پڑتی ہے، یا بیک وقت کہنے سے بھی حالت نشہ وغصہ میں پڑ جاتی ہے؟ آیا اب رجوع کرنے کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ معلوم فرمائیں، فقط۔ (محمد چاند، مخدوم النسا، ازدواجی ڈپارٹمنٹ، نظام کالج، حیدرآباد)

جواب:- آپ نے طلاق کی جو صورت لکھی، اس میں اگر شوہر کی نیت ایک ہی طلاق دینے کی تھی اور صرف تاکید کے لئے تین بار طلاق کے الفاظ استعمال کردیے، تو ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوگی، اور زوجین عدت کے درمیان رجوع کرسکتے ہیں، (۱) اور عدت گزر جانے پر از سرنو نکاح پر اکتفاء کرسکتے ہیں، اگر واقعی اس کی مراد تین طلاق دینے کی تھی، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور زوجہ مذکورہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرا نکاح نہ کرلے اور دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے دے، اور پھر اس کی عدت نہ گزر جائے، عرف میں اس کو "حلالہ" کہتے ہیں، واضح ہو کہ حالت غصہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حالت نشہ میں بھی طلاق واقع قرار دی جاتی ہے، (۲) — مرد کو چاہئے کہ وہ اس غلطی پر جس کا شمار معصیت میں سے ہے توبہ واستغفار کرے۔ واللہ اعلم۔

حالتِ نشہ کی تین طلاق

سوال:- {1716} کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ

(۱) "کرر لفظ الطلاق وقع الکل وإن نوی التاکید دین" (الدر المختار) "أی وقع الکل قضاء" (رد المحتار: ۲/۳۴۰، باب طلاق غیر المدخول بہا)

(۲) "طلاق السکران واقع" (الھدایۃ: ۲/۳۵۸)

ذیل کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی کو حالت نشہ میں لیکن ہوش وحواس کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دے دی، آیا اب طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوتی ہے تو حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟ بیوی منکر ہے علیحدہ ہونے پر تیار نہیں ہے، تو کیا کیا جائے، اور الگ کرنے پر زید کو کچھ دینا ہوگا، مہر یا پھر مہر کے علاوہ کچھ اور بھی دینا لازم ہے؟ بینوا توجروا۔ (عبدالرحمن بن سعید، ضلع محبوب نگر)

جواب:- اس صورت میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کے قبول کرنے یا انکار کرنے کا اعتبار نہیں، تین طلاق کی صورت میں بیوی مکمل طور پر علیحدہ ہوجاتی ہے، سوائے اس کے کہ اتفاق سے کسی اور مرد سے اس کا نکاح ہوا، اور اس نے بھی طلاق دے دی، اب عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر سے نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کرسکتی ہے، اگر مہر ادا نہ کیا ہو تو مہر نیز عدت کا خرچ آپ پر واجب ہے، اور بہتر ہے کہ کچھ مزید حسن سلوک بھی کیا جائے، جس کو قرآن مجید نے ''متاع'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، نیز اگر آپ کے بچے آپ کی مطلقہ کے زیر پرورش رہیں تو جب تک وہ ان کی پرورش کرے اجرت پرورش بھی آپ پر واجب ہوگی، اجرت اتنی ہونی چاہئے کہ ان کی ضروریات پوری ہوجائیں۔ واللہ اعلم۔

حالت نشہ کی طلاق کیوں واقع ہوتی ہے؟

سوال:- {1717} شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے پر جب نماز نہیں ہوتی، شرابی کی گواہی جب معتبر نہیں، تو

پھر شرابی اگر طلاق دے تو وہ کیوں تسلیم کر لی جاتی ہے؟

(نسیم اختر، دوگھرا، دربھنگہ)

جواب:- جن فقہاء نے نشہ کی حالت کی طلاق کو واقع قرار دیا ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ مرد کے لئے شراب نوشی پر ایک طرح کی سزا ہے، اسی لئے اگر کسی مباح مشروب سے نشہ پیدا ہو گیا، یا بطور دوا نشہ کی چیز استعمال کی گئی، یا جبر و اکراہ کے تحت کوئی شخص نشہ پینے پر مجبور ہوا تو چوں کہ ان حالات میں اس کے لئے یہ نشہ آور شئی اضطرار یا حاجت کی بناء پر حرام نہیں تھی، اس لئے اس حالت میں جس نے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ وہ سزا کا مستحق نہیں۔(۱)

نشہ کی طلاق کے بعد ساتھ رہنا

سوال:- {1718} نشہ کی حالت میں طلاق دینے کے بعد کیا شوہر کا بیوی کے پاس رہنا جائز ہے؟

(ی، ایم، حسین، مشیر آباد)

جواب:- اگر بہ طور علاج ایسی کوئی دوا استعمال کی گئی یا کسی چیز کا نشہ آور ہونا معلوم نہیں تھا اور اسے پی لیا، یا کسی بڑے نقصان کی دھمکی دے کر نشہ آور چیز پینے پر مجبور کیا گیا اور اس نے نشہ پی لیا تو ان صورتوں میں حالت نشہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر نشہ بہ لذت و سرور کے لئے نشہ آور شئی کا استعمال کیا تو اس حالت کی طلاق پڑ جائے گی۔(۲)

طلاق مکرہ

سوال:- {1719} زید سے کچھ لوگوں نے جبر کر کے جس میں زد و کوب بھی داخل ہے، پولیس اسٹیشن پر طلاق نامہ

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع: ۳/۹۹۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد: ۴/۴۳۹۔ محشی۔

لکھوالیا ہے، اور زید طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، مجبوری میں اس نے طلاق نامہ لکھ دیا، کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی؟ (عبدالسعید، ملک پیٹ)

جواب:- شرعاً اکراہ اور مجبوری کی طلاق صرف تحریر پر دستخط کر دینے سے واقع نہیں ہوگی، (۱) ـــــ فقہ و فتاویٰ کی متعدد کتب میں اس کی صراحت موجود ہے ـــــ اس لئے زید کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس کی بیوی حسب سابق اس کی زوجیت میں ہے۔

حالت اکراہ میں طلاق (فقہ شافعی میں)

سوال:- (1720) میری بیوی جو ابوظبی میں رہتی ہے، جس کے پہلے شوہر متوفی وہیں کے وطنی تھے، مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں اپنی پہلی بیوی کو جو ہندوستان میں مقیم ہے طلاق دیدوں، چوں کہ میری بیوی کے شوہر سابق کے بعض رشتہ دار وہاں پولیس اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں جس کی وجہ سے مجھے اپنی جان کا شدید خطرہ تھا، میں بار بار اپنی زوجہ ثانیہ کے مطالبہ کو ٹالتا رہا، مگر اس کی طرف سے شدت پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ مجھے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے دی گئی، ایک

---

(۱) "رجل لو أكره بالضرب و الحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان ، فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأته" (الفتاوى الهندية :۳۷۹/۱) "رجل لو أكره بالضرب و الحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان ، فكتب امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأته" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى الهندية :۴۷۲/۱)، رد المحتار :۳۳۳/۳، البحر الرائق :۳۲۹/۳۔ محشی۔

روز اس نے اپنے دو آدمیوں کو ساتھ کر کے وہاں کے قاضی
کے پاس مجھے بھیجا کہ میں وہاں جا کر اپنی پہلی بیوی کو تین
طلاق دے دوں، جبر واکراہ کے تحت میں نے وہاں طلاق نامہ
پر دستخط کر دیا، زبانی طلاق میں نے نہیں دی، طلاق نامہ کی فوٹو
کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، واضح رہے کہ میں
مسلکا شافعی ہوں، اس لئے مسلک شافعی کے مطابق حکم شرعی
مطلع کیا جائے۔ (حسن بن علی بھٹکل)

جواب:— اکراہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق امام شافعیؒ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی، بشرطیکہ چھ باتیں پائی جائیں۔

۱)— ایسا شخص جبر کر رہا ہو جو اس کو اذیت پہونچانے پر قادر ہو اور بعجلت اذیت پہونچانے کا خطرہ ہو، لہذا اگر کوئی یوں کہے کہ تم طلاق دیدو ورنہ کل تم کو قتل کر دوں گا تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ اذیت میں عجلت نہیں ہے۔

۲)— جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ اپنے دفاع سے عاجز ہو۔

۳)— اس کو گمان غالب ہو کہ اگر طلاق نہ دے گا تو مجبور کرنے والا شخص اس کو اذیت پہونچا کر رہے گا۔

۴)— شوہر کو طلاق پر مجبور کرنا کسی حق شرعی کی وجہ سے نہ ہو۔

۵)— مجبور شخص جب طلاق کا تکلم کر رہا ہے تو اس کی نیت وارادہ طلاق دینے کی نہ ہو۔

۶)— مجبور کرنے والے نے جس طرح کی طلاق کا مطالبہ کیا ہے، مجبور شخص نے ویسی طلاق دی ہو، مثلاً: اس نے تین طلاق کا مطالبہ کیا تو تین ہی طلاق دی ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مجبور ہونے کے لئے جان کا یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خوف ضروری نہیں ہے، لوگوں کی حیثیت کے لحاظ سے اس کی الگ الگ صورتیں ہیں، مثلاً: معزز لوگوں

کے لئے بر سر عام سخت ذلت آمیز گالی گلوچ کا خطرہ بھی اکراہ میں داخل ہے۔(۱)

مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر آپ کو طلاق دینے یا طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوئی، مرسلہ طلاق نامہ میں کیفیت طلاق یوں درج ہے:

"وأقر كذالك أن زوجته المذكورة منذ ستة
اشهر بالتليفون بقوله أنت طالق، طالق
واقر أنه ينوي ويقصد تطليقة زوجته
المذكورة طلاقا لا رجعة بعده"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی نے قاضی کے سامنے طلاق نہیں دی ہے، صرف طلاق کا اقرار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو طلاق کا اقرار یا صرف طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔(۲)

جبر و اکراہ کے طلاق میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، مستفتی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان پر غور کرے اگر واقعی وہ ان تفصیلات کے مطابق مجبور تھا تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۸۷/۴، کتاب الطلاق۔
(۲) حوالہ سابق۔

ایک مجلس میں تین طلاق

غصہ کی حالت میں ایک ہی مجلس میں تین طلاق

سوال:- {1721} اگر کوئی شخص چند سال پہلے غصہ کی حالت میں بیک وقت تین طلاق دے چکا ہو، اب دونوں بہ خوشی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟　　　(قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- عام طور پر غصہ کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس غصہ میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے(۱) اور تین طلاق کے بعد بیوی مکمل طور پر حرام ہوجاتی ہے، اس لیے اب وہ دونوں بحالت موجودہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتے، اتفاقی طور پر وہ عورت کسی اور مرد کے نکاح میں گئی اور سوء اتفاق کہ اس نے بھی طلاق دے دی تو اب وہ دوبارہ پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے۔

(۱)　الفقہ الإسلامی و أدلتہ :۷/۳۶۵۔محشی۔

غصہ میں چار مرتبہ طلاق دے

سوال:- {1722} میں اپنی بیوی کو لینے کے لیے اس کے میکہ گیا، میری خوش دامن نے بیوی کو بھیجنے سے انکار کر دیا، میں نے اپنی بیوی کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ چلنے کو کہا، لیکن محلہ کے لوگ جمع ہو گئے، میں غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا، چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو چار مرتبہ طلاق دے دیا، لیکن میرے طلاق کے بول خود میری بیوی نہیں سن سکی، تو کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہو گئی؟ اگر طلاق پڑ گئی تو یہ کون سی طلاق سمجھی جائے گی؟ (نام و مقام غیر مذکور)

جواب:- طلاق غصہ کے اظہار کا طریقہ نہیں، بلکہ اصلاح کی تدبیر اور آخری چارہ کار کے طور پر علیحدگی کا سنجیدہ فیصلہ ہے، اس لیے اس طرح غصہ میں طلاق دے دینا قطعاً نامناسب اور گناہ ہے، اگر آپ کی بیوی یا اس کی ماں نے رخصتی سے انکار کیا تو آپ کو اپنے گاؤں یا محلہ کے علماء، سربرآوردہ لوگ اور خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنا چاہئے تھا، پھر اگر طلاق دینا ہی طے پاتے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں لفظ "طلاق" کے ذریعہ ایک طلاق دے دی جاتی، اگر لوٹانے کا ارادہ نہ ہوتا تو عدت گذرنے دی جاتی، خود بخود یہ طلاق طلاق بائن بن جاتی، بہر حال جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی، یہی حدیث سے ثابت ہے اور یہی جمہور علماء اہل سنت کی رائے ہے، (۱) رہ گیا آپ کی بیوی کا کلمات طلاق کو نہ سننا تو اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، جب آپ نے بیوی کی طرف منسوب کر کے طلاق دے دی تو آپ کی بیوی نے خواہ سنا ہو یا نہ سنا ہو اس پر طلاق واقع ہو گئی۔

---

(۱) " و یقع طلاق من غضب خلافا لابن القیم و ھذا الموافق عندنا " (رد المحتار ۴/۴۴۳، مطلب فی طلاق المدھوش) ۔ محشی ۔

غصہ کی حالت میں صرف "طلاق" کہے

سوال:- {1723} میں نے غصہ کی حالت میں طلاق
کہہ دیا، تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

(عظیم الدین، حویلی محل بیگم)

جواب:- اگر آپ نے صرف "طلاق" کہہ دیا ہے، تو بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت گزرنے سے پہلے پہلے آپ اسے لوٹا سکتے ہیں، (۱) لوٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا کر کہہ دیں کہ "میں نے اپنی بیوی افضل بیگم کو لوٹا لیا" (۲) یا اس کے ساتھ کوئی ایسا عمل کرگزریں جو بیوی ہی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اور جس سے حرمت مصاہرت پیدا ہوجاتی ہے، عدت گزرجانے کے بعد پھر سے نکاح کرنا ہوگا، عدت تین حیض ہے۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تجھے طلاق بائن وثلاثہ ہے"

سوال:-{1724} ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بذریعہ
خط طلاق دیدی، طلاق کے الفاظ اس طرح تھے: "میں آپ
کو طلاق بائنہ وثلاثہ دیدی ہے" طلاق دیتے وقت اس شخص
کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر بعد میں کچھ مصالحت ہوجائے
تو وہ اپنی بیوی کو پھر سے قبول کرلے گا، اور اس کو اس بات کا
بھی اندازہ تھا کہ اس سے بات قطعی ہوجائے گی، کیا اب وہ
شخص بغیر حلالہ کے اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے؟

(شیخ احمد حسین، مکان نمبر: 6-2-84، کریم نگر)

(۱) "وإذا طلق الرجل تطليقة رجعية فله أن يراجعها في عدتها" (الهداية: ۲/۳۹۴)
(۲) "ويستحب أن يشهد على الرجعة شاهدين" (الهداية: ۲/۳۹۵)

جواب:- مذکورہ صورت میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائے گی، اب وہ مغلظہ ہو گئی حلالہ شرعی کے بغیر مذکور شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔

حلالہ شرعی سے مراد یہ ہے کہ اس کی عدت گزر جائے تو پھر وہ کسی اور مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد اس سے صحبت بھی کرے پھر وہ جب اس کو طلاق دیدے اور عورت کی عدت گزر جائے تو اب وہ شوہر اول کے لئے حلال ہو سکتی ہے۔

جہاں لفظ صریح ہو وہاں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، (۱) اس لئے شخص مذکور کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا، "بائن" کے لفظ سے اگرچہ طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوتی، (۲) لیکن بائن کے بعد "ثلاثہ" کے لفظ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ طلاق مغلظہ ہی مراد ہے، اور خود بائن کے لفظ میں طلاق مغلظہ کا مفہوم مراد لینے کی گنجائش ہے۔ (۳)

زبان سے ایک، اور تحریر میں تین طلاق

سوال:- {1725} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک معاملہ میں غصہ کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہا اور مقامی قاضی صاحب سے طلاق نامہ لکھنے کی خواہش کی، جب طلاق نامہ لکھا جا رہا تھا میں چائے لانے چلا گیا تھا، قاضی صاحب نے تحریر میں یوں لکھا "سماۃ فردوس

---

(۱) " فلا يحتاج فيها إلى النية لوقوع الطلاق إذ النية عملها في تعيين المبهم و لا ابهام فيها " (بدائع الصنائع :۳/۱۰۱)

(۲) " إذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة و الشدة مثل أن يقول " أنت طالق بائن كان بائنا " (الهداية :۲/۳۴۹)

(۳) " لو قال لها : " أنت طالق و نوى الثلث أنه تصح نية الثلث " (بدائع الصنائع:۳/۱۰۳، فصل ومنها النية في احدى نوعي الطلاق)

ثمینہ" کو بالمواجہ حسب ذیل گواہان سہ بارہ زبانی و تحریری طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے خارج کر رہا ہوں، مسماۃ فردوس ثمینہ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے، جہاں چاہے نکاح کر لے"۔ میں یہ الفاظ زبانی نہیں کہے بلکہ زبانی صرف ایک بار طلاق کہا، میں سہ بارہ کے معنی سے واقف نہیں تھا، البتہ تین دفعہ لفظ طلاق دیکھ کر اپنے بہنوئی محمد عبدالعزیز جو اہل حدیث ہیں سے دریافت کیا کہ یہ تو تین طلاق لکھ دی گئی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ اس سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے، میں مسائل واحکام سے واقف نہیں ہوں، میں نے سمجھا کہ ایک طلاق واقع کرنے کے لئے تین دفعہ لفظ طلاق لکھنا پڑتا ہے، چنانچہ میں دستخط کردیا، یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ لکھا ہے، لہذا بتایا جائے کہ کیا میرے لئے زوجۂ مذکورہ کو لوٹانے کی گنجائش ہے؟ (عبدالشافی، بنگلور)

جواب:- ایک مجلس میں اگر تین طلاق دی جائے اور تین کے عدد کی صراحت کر دی جائے یا اس کی نیت بھی تین طلاق دینے کی ہو تو تین طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر تین دفعہ لفظ طلاق کا استعمال کرے، اور یہ سمجھتا ہو کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور واقعتہ اس کی نیت ایک ہی طلاق واقع کرنے کی ہو تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی:

"رجل قال لامرأته: أنت طالق أنت طالق أنت طالق، فقال عنيت بالأولى الطلاق و بالثانية و الثالثة افهامها صدق ديانة و في القضاء طلقت ثلثا كذا في فتاوى قاضي خان" (۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۳۵۶-۳۵۵۔

لہٰذا سوال میں جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اگر وہ سچائی پر مبنی ہے اور واقعۃً آپ کی نیت ایک ہی طلاق کی تھی آپ یہ سمجھ کر تین دفعہ لفظ طلاق کہا کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع کرنی ہے تو پھر ایک طلاق واقع ہوئی، اور آپ کے لئے اگر عدت نہ گذری ہو تو اپنی بیوی کو لوٹانے کی، اور اگر عدت گذر چکی ہو تو نئے مہر کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

ڈرانے کے لیے طلاق، طلاق کہنا

سوال:- (1726) میری اپنی بیوی سے نزاع پیدا ہو گیا، میں نے غصہ کی حالت میں اس کو کہا: "طلاق، طلاق، طلاق" — اس سے میرا مقصود صرف ڈرانا تھا، بتایا جائے کہ ایسی صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کتنی؟

(محمد غوث ولد محمد منیرالدین صاحب، محبوب نگر)

جواب:- مذکورہ بالا صورت میں چونکہ تاکید کا معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، اس لئے جیسا کہ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء نے فیصلہ کیا ہے۔ ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، عدت یعنی تین حیض کے درمیان اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے، اور اگر عدت گزر جائے تو زوجین کا باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ از سر نو نکاح ہو سکتا ہے۔

بتاکید تین طلاقیں

سوال:- (1727) محمود حسین صاحب نے اپنی بیوی تحسین جمدی کو غصہ کی حالت میں طلاق دیدی اور طلاق کے الفاظ اس طرح کہے: "میں نہیں رکھتا ہوں، تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق" بتایا جائے کہ اس صورت میں کون

سی طلاق واقع ہوگی؟ اور کیا اس کے لئے اپنی بیوی کو لوٹانے
کی گنجائش ہوگی؟
واضح ہو کہ یہ جملہ کہنے کے بعد بھی زوجین ڈیڑھ ماہ تک
ایک ساتھ رہے اور ان کے درمیان میاں بیوی کے تعلقات
بھی رہے تھے　　(حفیظ النساء، مہدی پٹنم، حیدرآباد)

جواب:- مذکورہ صورت میں اگر شوہر کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی، بلکہ محض ایک طلاق دینا مقصود تھا اور صرف تاکید کے لئے تین بار لفظ طلاق استعمال کیا تو صرف ایک طلاق رجعی ہوئی۔ (۱) عدت کے درمیان اگر مرد اس عورت کو لوٹالے تو جائز ہے، چونکہ اس واقعہ کے بعد بھی زوجین دو ماہ تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں اور صحبت بھی کر چکا ہے، اس لئے یہ خود رجعت ہے، اب دونوں کا رشتہ ازدواجی باقی ہے (۲) البتہ اگر آئندہ دو طلاقیں بھی دیدیں تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہو سکے گی۔

رہ گئے "میں نہیں رکھتا ہوں" یا "اس کو چھوڑ دیتا ہوں" تو حیدرآباد میں یہ تعبیر عموماً عزم وارادہ کے طور پر اختیار کی جاتی ہے، یعنی پہلے اس نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا، پھر اپنے ارادہ کے مطابق طلاق دیدی، اگر ان الفاظ سے بھی طلاق دینے ہی کا ارادہ ہو، تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور تین بار طلاق کی تکرار سے واضح ہوا کہ اس کی نیت بائن سے "بائن کبریٰ" یعنی طلاق مغلظہ کی ہے! لہذا ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) "كرر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد دين" (الدر المختار على هامش رد: ۲/۳۶۰)

(۲) "كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطء واللمس عن الشهوة" (الفتاوى الهندية: ۱/۴۶۹)

تین طلاقوں کے بعد رجعت

سوال:- (1728) بیوی کے مسلسل انکار اور اپنی ضد منوانے کی وجہ سے شوہر نے تین بار ایک ہی مجلس میں طلاق دیدیا، کیا وہ واقع ہوگئی؟ پھر کسی دوسرے مفتی صاحب کے فتوی پر رجوع کرلیا گیا اور ایک لڑکی تولد ہوئی، کیا یہ لڑکی حلال ہوئی یا حرام؟ یہ دوبارہ ملاقات اگر زنا کے برابر ہے تو شریعت میں ایسے میاں بیوی کی کیا سزا مقرر ہے؟ پھر اس لڑکی کو کیا ماں کے پاس رکھ کر اس کی پرورش کا انتظام کیا جاسکتا ہے یا باپ اپنے پاس رکھے؟ بیوی کو کیا ایسی صورت میں نفقہ ملے گا؟ اور مہر ادا کردیا جانا چاہیے؟ شوہر کی طرف سے جو زیور اور کپڑے ڈالے گئے ہیں وہ واپس لے لیے جائیں یا لوٹا دیئے جائیں؟ اور ساتھ میں جوڑے کی جو رقم لے کر کپڑے بنائے گئے اور شوہر کی طرف سے جو زیور بیوی کو ڈالے گئے تھے وہ سب عورت کے پاس ہیں، پھر کس صورت میں مزید جوڑے کی رقم لوٹانا پڑے گا؟ (سید متین احمد)

جواب:- ۱) ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی واقع ہوجاتی ہیں، مختلف احادیث میں اس کی صراحت بھی موجود ہے، تفصیل کے لیے سنن بیہقی (۱) ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور اسی پر ائمہ

---

(۱) "عن محمد بن إياس بن البكير قال: طلق رجل امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة و عبد الله بن عباس عن ذلك؟ فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك" (سنن بیہقی: ۷/۳۴۶، حدیث نمبر: ۱۴۹۶۵، باب ما جاء في إمضاء الطلاق الثلاث۔ محشی)۔

اربعہ اور — چند افراد کو چھوڑ کر — تمام امت اور صحابہ ﷺ کا اتفاق ہے۔(۱)

۲) جب اس نے مفتی صاحب کے فتویٰ کی بنیاد پر رجوع کرلیا تو مرد و عورت کا تعلق وطی بالشبہ کے درجہ میں ہوا، اور شبہ میں کسی کو اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرلی جائے تو اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ بچہ اسی مرد کا سمجھا جائے گا۔

۳) چوں کہ یہ تعلق نکاح فاسد کی بناء پر یا کم سے کم وطی بالشبہ کے طور پر قائم ہوا ہے، اس لیے زنا کی حد جاری نہیں ہوگی: " وإذا قال وظننت أنها تحل لي ، لا يحد " (۲) اور یوں بھی حد اسلامی حکومت میں جاری ہوتی ہے — ایسے شخص کو چاہیے کہ آئندہ اس عورت کے ساتھ میاں بیوی کے تعلق سے احتراز کرے، اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں تائب ہو۔

۴) چوں کہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے؛ اس لیے وہ نفقہ کی مستحق نہیں، اگر غلط فہمی میں کسی عورت سے صحبت کرلی جائے تو اس کے مہر کے بقدر رقم واجب ہوتی ہے جس کو "عقر" کہتے ہیں، مرد کو چاہیے کہ اتنی رقم اسے ادا کرے، اور اگر پہلے کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی ادا کرنا ہوگا، نیز جب تک وہ اس لڑکی کی پرورش کرتی رہے گی اجرت پرورش کی بھی حق دار ہوگی۔

۵) نکاح کے وقت شوہر نے جو زیورات اور کپڑے بیوی کو دیئے تھے وہ ہبہ ہے اور بیوی اس کی مالک ہے، اسی طرح ازدواجی زندگی کے درمیان شوہر نے بیوی کو جو کچھ دیا ہو وہ بھی ہبہ ہے اور ناقابل واپسی:

" وإذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وإن انقطع النكاح بينهما " (۳)

۶) مرد کو اگر اپنے سسرال کی طرف سے کسی مطالبہ اور دباؤ کے بغیر کوئی چیز ملی ہو تو

---

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته : ۳۹۱/۷۔ محشی۔

(۲) الهداية : ۳۴۳/۲۔

(۳) الفتاوى الهندية : ۳۸۶/۳۔

یہ بھی ہبہ ہے اور وہی اس کا مالک ہے، اور اگر اس نے نکاح کے موقع سے جوڑے کی رقم کا مطالبہ کیا تھا، خواہ صراحتاً و براہ راست یا بالواسطہ، تو یہ رشوت ہے اور اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

طلاق مشروط

مشروط طلاق سے رجوع

سوال:- {1729} شوہر نے بیوی سے کہا کہ "فلاں کام کیا تو طلاق" لیکن پھر بات واپس لے لی تو کیا طلاق واقع ہوگی اور اس کو شرط واپس لینے کا اختیار ہے؟

(حافظ محمد قمر الدین، حقانی)

جواب:- اگر مشروط طلاق دی ہے تو عام حالات میں اس سے رجوع ممکن نہیں (۱) جب بھی وہ عورت کام کرے گی طلاق واقع ہو جائے گی، یہ جملہ کہ "فلاں کام کیا تو طلاق" تو کام کرنے کے بعد ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، جس کے بعد شوہر کے لیے رجوع کرنے کی گنجائش رہتی ہے، اس کے بعد اگر پھر اس کام کو کرلیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور یہ مشروط طلاق بے اثر ہو جائے گی، ہاں اگر ایسا ہوا کہ یہ جملہ کہنے کے بعد پھر طلاق بائن دے دی اور عدت گزرنے کے بعد عورت نے وہ کام کرلیا تو وہ مشروط طلاق واقع نہ ہوگی، اس سے اس صورت میں فائدہ

---

(۱) "لحيث كان يمينا من جانب الزوج والمولى امتنع الرجوع" (رد المحتار: ۲۳/۱۱)

اٹھایا جاسکتا ہے، چونکہ مرد نے شرط پر تین طلاق دیدی، اب طلاق مغلظہ سے بچنے کے لیے عورت کو ایک طلاق بائن دے دے پھر عدت گزرنے کے بعد عورت وہ کام کرلے اس طرح پہلی طلاق بے اثر ہوجائے گی اور زوجین نئے مہر و نکاح کے ساتھ باہمی رضامندی سے زندگی بسر کرسکیں گے:

"فإن وجد الشرط في الملك طلقت وانحلت وإلا لا وانحلت" (۱)

طلاق مشروط

سوال:- (1730) زید نے ایک خط میں اپنی بیوی کو لکھا ہے کہ "تم مجھے لکھدو کہ تم کو میرا گھر اور میں پسند نہیں، میں تم کو پہلی اور ایک طلاق دیتا ہوں" زوجہ نے جواب میں خط لکھا جس میں "اس کے گھر اور شوہر کو پسند کرلیا"۔ تو کیا زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی؟ (ادریس فلاحی، مہاراشٹر)

جواب:- صورت مسئولہ میں زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر بیوی یہ لکھ دیتی کہ مجھے تم اور تمہارے گھر پسند نہیں ہے، تو طلاق واقع ہوجاتی، مگر چوں کہ اس نے ایسا نہیں کیا، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

"إن قال لها إن كنت تحبيني أو تبغضيني فأنت طالق، فقالت إني أحبك أو أبغضك وقع الطلاق" (۲)

---

(۱) کنز الدقائق :ص:۱۲۷۔

(۲) الفتاوى الهندية :۱/۴۰۵۔

''میری ماں کے گھر، ان کے جنازہ میں شرکت کی تو طلاق''

سوال:- {1731} آج سے تیس سال قبل زید کو اس کی ماں نے اپنے مکان سے نکال دیا تھا، اب وہ علیحدہ مکان میں رہتا ہے، زید سات بچے کا باپ ہے، اور اپنی بیوی سے شدید محبت رکھتا ہے، دس سال قبل اپنی بیوی کی کسی ناخوش گوار بات پر غصہ میں یہ کہہ دیا کہ ''اگر اس کی ساس یعنی زید کے ماں کے گھر اس کی موت پر شرکت کی تو اس پر طلاق'' اب صورت حال یہ ہے کہ زید کی ماں اپنا گھر چھوڑ کر کبھی زید کے گھر کبھی دوسرے بھائی بہن کے گھر رہتی ہے، آج کل وہ بیمار ہے، وقت آنے کو قریب ہے، فی الوقت وہ زید کی بہن کے گھر میں ہے، تو زید کی ماں کا زید کے گھر جہاں اس کی بیوی بھی رہتی ہے، انتقال ہو جائے، یا زید کے بھائی بہن کے گھر میں اس کی ماں کا انتقال ہوا اور زید کی بیوی نے شرکت کی تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟　　　(محمد مختار، حافظ بابا نگر)

جواب:- زید کے جملہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ زید نے یہ فقرہ اس مکان سے متعلق کہا ہے جس میں اس وقت اس کی ماں مقیم تھی، اور جس سے اس نے زید کو نکال دیا تھا، اگر یہی مراد رہی تو زید کے یا اس کے بھائی بہنوں کے گھر میں وفات ہونے کی صورت میں زید کی بیوی کا متوفیہ کو غسل وغیرہ دینے میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ طلاق اسی خاص مکان کے ساتھ مشروط ہے۔

اور اگر یہ مقصود تھا کہ زید کی والدہ جس گھر میں بھی سکونت پذیر ہو وہاں زید کی بیوی کی شرکت پر طلاق واقع ہو جائے، تو ایسی صورت میں زید کی بیوی کو چاہئے کہ انتقال کے بعد غسل کفن وغیرہ میں شریک نہ ہو، کیوں کہ موت پر شرکت کا ایک خاتون کے لئے یہی مطلب ہو سکتا

ہے، فقہاء کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے کہ فلاں شخص کے گھر سے وہ گھر بھی مراد ہے جو اس کی ملکیت میں ہو اور وہ گھر بھی جس کو انھوں نے کرایہ پر حاصل کیا ہو اور وہ گھر بھی جس میں بطور عاریت قیام پذیر ہو، فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"لو حلف: "لا يدخل بيتا لفلان" فدخل بيتا و فلان به ساكن بإجارة أو إعارة كان حانثا"(۱)

اگر زید کی بیوی غسل وکفن دینے میں شریک ہو تو اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ اگر عدت کے اندر اندر زید اپنی بیوی کو لوٹالے تو اس کا نکاح باقی رہے گا، البتہ آئندہ زید کو دو ہی طلاق کا حق باقی رہے گا اور اگر اس نے بعد میں دو طلاق دی تو وہ زید پر مکمل طور پر حرام ہو جائے گی۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن یاد رکھئے کہ ایسی بات کی قسم کھالینا یا ایسی صورت پیدا کر لینا کہ آدمی کسی نیکی یا خیر کے کام سے محروم ہو جائے، نہایت نامناسب عمل ہے اور قرآن وحدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے،(۲) ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہر حال میں واجب ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ظلم بھی کریں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک ہی روا رکھا جائے،(۳) اس لئے نہ ایسی مشروط طلاق دینا درست ہے اور نہ یہ بات مناسب ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اس طرح کا انتقامی جذبہ رکھا جائے۔

---

(۱)　فتاوی قاضی خان:۲/۸۷۔

(۲)　"عن عائشة رضي الله تعالى عنها عن النبي ﷺ: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه" (صحيح البخاري ۲/۹۹۱،باب النذر في الطاعة) محشی۔

(۳)　مشكوة المصابيح: ص:۴۲۷، حدیث نمبر:۴۹۴۳۔ محشی۔

تفویض طلاق

معاہدہ کے تحت تفویض طلاق اور نفقہ کا حکم

سوال:- {1732} حسب ذیل سوالات کے جوابات
شرعی اور قانونی دونوں حیثیت سے تحریری طور پر دئے جائیں۔
(الف) لڑکی کو شادی کے بعد کسی معاہدہ کے تحت
طلاق تفویض کیا جا سکتا ہے؟
(ب) مندرجہ بالا صورت میں اگر لڑکی کی جانب سے
عدالت میں رجوع ہوں اور فریقین میں سے کوئی بھی اس کا
مطالبہ نہ کرے اور ایک مدت کے بعد مصالحت کے ذریعہ
مقدمہ اٹھالیا جائے تو ایسی صورت میں علیحدگی شرعی اور قانونی
حیثیت سے جائز ہے؟
(ج) دس سال کے عرصے سے میاں بیوی بحیثیت ملاقاتی
رہتے ہیں اور اب چند دن سے خاموشی اختیار کی گئی ہے تو ایسی

صورت میں رشتۂ ازدواج برقرار ہے یا نہیں ہے؟

(د) زوجین میں سے کسی نے بھی علیحدگی کے لفظ کا اظہار قانونی اور شرعی حیثیت سے نہیں کیا، ایسی صورت میں بیوی نفقہ کی حق دار ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات تحریری طور پر دئے جائیں گے۔

جواب:- (الف) شادی کے بعد معاہدہ کے تحت تفویض طلاق کیا جا سکتا ہے:

"و إن قال لها طلقي نفسك متى شئت فلها أن تطلق نفسها في المجلس وبعده" (۱)

(ب) اس کا مدار معاہدہ اور تفویض طلاق کی شرط پر ہے، اس لئے اس کی وضاحت کے بعد اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(ج) اگر طلاق دیدی ہو، یا عورت کو معاہدہ کی شرط کے مطابق خود پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو، اس نے طلاق واقع کردی ہو تو طرفین رشتۂ نکاح کو برقرار نہیں رکھ سکیں گی، اگر طلاق نہیں دی تھی تو کچھ دنوں سے یا طویل عرصہ سے خاموشی اور بے تعلقی کی وجہ سے ازدواجی رشتہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ باقی رہے گا۔ (۲)

(د) اگر طلاق یا تفریق کے ذریعہ علیحدگی حاصل کئے بغیر ہی شوہر نے نفقہ ادا نہ کیا ہو تو اول تو شوہر پر گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا، جب کہ قاضی نے پہلے سے نفقہ مقرر کیا ہو، یا باہمی معاہدہ کے ذریعہ نفقہ کی مقدار طے پائی ہو، دوسرے اس وقت کہ بیوی ناشزہ اور نافرمان نہ ہو، اگر ناشزہ ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا:

"وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج لها وطالبته

(۱) الهداية: ۲/۳۸۱، کتاب الطلاق۔

(۲) "ولو قال اختاري فقالت أنا اختار نفسي طلق" (الهداية: ۲/۳۷۷)

بذلك فلا شيء لها إلا أن يكون القاضي فرض لها النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها فيقضي لها النفقة ما مضى ، لأن النفقة صلة بعوض عندنا ما مر من قبل فلا يستحكم الوجوب فيها إلا بقضاء"(۱)

"وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله"(۲)

"میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا"

سوال:- {1733} میرے اور میرے شوہر کے درمیان ازدواجی تعلقات چند خانگی وجوہات کے بناء پر ناخوش گوار تھے، مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو انہوں نے چند شرائط پر مبنی حسب ذیل دستخط شدہ تحریر میرے حوالہ کی تھی:

"اب میں افضل کے مکان پر کبھی نہیں آؤں گا، بچوں سے اسکول میں مل لیا کروں گا، بچوں کے کھانے پینے کا خرچ اور ان کی تمام ضروریات کی ساری ذمہ داری مجھ پر رہے گی، میں ان لوگوں کو حسب معمول مہینہ کا خرچ ہر مہینہ پابندی کے ساتھ دس تاریخ کو دے دیا کروں گا، اور میری بیوی کی تمام ضروریات کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی، اگر اس شرط کو میں نے توڑا اور افضل کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو میرے اور افضل کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا، اس صورت میں

(۱) الهداية : ۴۳۰/۲۔
(۲) الهداية : ۴۳۸/۲۔

میں افضل کو یہ حق دیتا ہوں کہ "وہ طلاق حاصل کرے اور میں بغیر کسی رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا" یہ سب کچھ میں اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے لکھ رہا ہوں اور یہ حق افضل کو منتقل کر رہا ہوں۔

(دستخط احمد علی خاں)

مؤرخہ ۱۸/اکتوبر کو میرے شوہر نے محولہ بالا تحریری شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے مکان میں داخل ہو کر مجھ سے نازیبا گفتگو اور بحث و تکرار کیا۔

آیا شرائط ٹوٹ جانے کی وجہ سے مجھ پر طلاق واقع ہوگئی اور میں از روئے شرع احمد علی خاں کے نکاح سے خارج ہو کر آزاد ہو گئی ہوں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی ہے تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ مذکورہ بالا تحریر میں مجھے طلاق حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے تو کیا اس حق کو میں استعمال کر کے علیحدہ ہو سکتی ہوں؟

(افضل بیگم، ایڈوکیٹ، گنگ کوٹھی)

جواب:- "میرے اور افضل کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا" طلاق کے لئے صریح نہیں ہے اور اس سے اسی وقت طلاق واقع ہوگی جب احمد علی خاں کی نیت طلاق کی رہی ہو، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوی عالمگیری" میں ہے:

"لو قال لانكاح بيني و بينك ، أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح ، يقع الطلاق إذا نوى " (۱)

اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر ان کو اعتراف ہو کر طلاق دینا مقصود تھا

(۱) الہندیہ: ۲/۳۷۴۔

تو اس لفظ سے ایک طلاق بائن ہوگی، اور اگر تین کی نیت ہو تو تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی (۱)

یہ فقرہ "اس صورت میں میں افضل کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ طلاق حاصل کرے اور میں بغیر کسی رکاوٹ کے طلاق دے دوں گا" تفویض طلاق نہیں ہے کہ آپ کو طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو جائے، بلکہ یہ محض طلاق دینے کا وعدہ ہے۔

● ● ● ● ●

(۱) " و بقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة و إن نوى ثلاثا كان ثلاثا " (الهداية ۲/۳۷۳) محشی ۔

خلع کے احکام

لفظ "خلع" سے خلع کے بعد تجدید نکاح

سوال:- (1734) "ش" کی شادی "ی" سے ہوئی، تقریباً ایک سال میں "ش" نے خلع لے لیا، اب "ی" اپنی غلطی پر نادم ہو کر "ش" کے ساتھ زندگی گزارنے کا آرزومند ہے، خلع کو تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے، کیا اب ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا ممکن ہے؟ (ایم، اے، غنی، سماج بھون، حیدرآباد)

جواب:- اگر میاں بیوی کے درمیان علاحدگی میں صرف خلع کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور شوہر کی نیت اس لفظ کو کہتے یا قبول کرتے ہوئے محض علاحدگی یا ایک طلاق کی تھی، تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ دوبارہ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے کی گنجائش ہوگی، اور اگر خلع میں تین طلاق کی نیت کی تھی تو پھر عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اور وہ شوہر کے لئے مکمل طور پر حرام ہے، ہاں! اگر اتفاق سے اس کا کسی مرد سے نکاح ہو

اور سوء اتفاق کہ اس نے بھی طلاق دے دی تو اب عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے اس کا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے:

"والخلع من الکنایات … ویقع به تطلیقة بائنة [إلا] إن نوی ثلاثا فتکون ثلاثا" (۱)

بہتر ہے کہ آپ کسی مفتی سے بالمشافہ رجوع کریں، اور خلع کی تحریر اور اگر تحریر نہ ہو تو اس وقت کے الفاظ بتا کر جواب حاصل کر لیں۔

خلع کے بعد دوبارہ نکاح

سوال:- {1735} میری چھوٹی بہن کا تین سال قبل خلع ہوا تھا، اس نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور ان کے شوہر نے بھی کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، اب وہ دونوں ازدواجی زندگی سے منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

(محمد صدیق محمد غوث، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اگر خلع نامہ میں صرف خلع کا لفظ استعمال ہوا ہے یا طلاق بائن کا لفظ اور نیت مطلق طلاق دینے یا صرف ایک طلاق دینے کی تھی، تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، اگر خلع نامہ میں تین بار طلاق کا ذکر تھا تو اب نکاح کی گنجائش نہیں، مناسب ہوگا کہ آپ کسی دارالافتاء سے رجوع ہو کر خلع نامہ کی تحریر دکھائیں اور تحریر دیکھ کر جو رائے دی جائے اس پر عمل کریں۔

خلع میں مہر واپس لے لینا

سوال:- {1736} سیدہ جمیلہ کا نکاح حسن بن صالح سے ہوا، شوہر نے دس ہزار روپے اور دو دینار سرخ مہر معجل

---

(۱) رد المحتار: ۹۲/۵۔

زیورات کی شکل میں ادا کردیا ہے، شادی کے چند سال بعد دونوں کی زندگی میں چند وجوہات سے تلخیاں پیدا ہوگئیں، اب عورت کسی طور پر شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، اس لئے اس نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا، لیکن شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اب وہ خلع چاہتی ہے تو کیا خلع کی صورت میں شوہر مہر کی دی ہوئی رقم حاصل کرسکتا ہے؟

(شریف النساء، بانصاحب ٹینک)

جواب:- خلع شریعت میں اس بات کو کہتے ہیں کہ بیوی شوہر کو کچھ دے کر، یا شوہر کا ادا کیا ہوا مہر واپس کرکے شوہر سے علاحدگی حاصل کرلے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خلع کا ایک معاملہ آیا، تو آپ ﷺ نے عورت کو یہی حکم دیا کہ وہ شوہر کا ادا کیا ہوا مہر اس کو واپس کر دے،(۱) اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ شوہر خلع کے عوض کے طور پر عورت کو دیا ہوا مہر واپس لے لے۔ واللہ اعلم

ایک طرفہ خلع کا اعلان

سوال:- {1737} لڑکی کا والد لڑکی کی طرف سے خلع نامہ شائع کردے، تو کیا اس سے ازدواجی تعلقات ختم ہوجاتے ہیں؟ (محمد عبدالرحیم، بشارت نگر)

جواب:- خلع یہ ہے کہ بیوی شوہر کو کچھ دے کر یا اپنا کوئی مالی حق معاف کرکے طلاق دینے پر آمادہ کرلے،(۲) عورت یا اس کا والد یکطرفہ اعلان کردے تو اس سے میاں بیوی میں علاحدگی نہیں ہوگی۔

(۱) دیکھئے: صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۲۷۳، باب الخلع و کیف الطلاق فیہ۔ محشی۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۸۳/۵۔ محشی۔

شوہر کی عدم موجودگی میں خلع

سوال:- {1738} محمد محسن کی شادی آج سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوئی تھی، ادھر دو سال کے عرصہ سے انہوں نے بیوی کو بالکل چھوڑ رکھا ہے، دوسری شادی کر لی ہے، پہلی بیوی کو نہ تو نان نفقہ دیتا ہے، اور نہ اس کے پاس آتا ہے، ان حالات میں پہلی بیوی کی خواہش یہ ہے کہ ہم خلع کرالیں، کیا شوہر کی عدم موجودگی میں خلع ہوسکتا ہے؟

(محمد خلیل سید علی، چبوترہ، حیدرآباد)

جواب:- خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ (۱) البتہ اگر شوہر نے ظلم کیا ہو اور ظلم اس درجہ کا ہو کہ اس کی وجہ سے فقہاء نے تفریق کی اجازت دی ہو، تو دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ، آندھراپردیش، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں درخواست بابت فسخ نکاح دے، پھر جب قاضی شریعت تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے، تو وہ دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔ (۲) اور اسے اپنے موجودہ شوہر سے خلاصی حاصل ہوسکے گی۔

---

(۱) " لا ولاية لأحدهما في إلزام صاحبه بدون رضاه " (تبيين الحقائق : ۲۶۷/۲)

(۲) " و بتعديه أي الزوج على الزوجة بضرب بغير موجب شرعي ... و ثبت ببينة أو اقرار ... (ولها التطليق) بالتعدي اذا ثبت " (الشرح الصغير : ۵۱۲/۲)

یہ مسئلہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں شوہر کی زیادتی کے باعث قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کرسکتی ہے، اور قاضی ایسی صورت میں شوہر کی مناسب سرزنش کرے گا، اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، ہندوستان میں چونکہ نظام عدل مسلمانوں کے پاس نہیں ہے، اور ان کے پاس ایسی قوت نہیں ہے، جو ایسے لوگوں کی جسمانی سرزنش کرسکے، اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے اختیار کی جائے۔ (جدید فقہی مسائل : ۱۵۳/۲)

خلع سے پہلے صلح

سوال:- (1739) زید اپنی بیوی ہندہ سے کچھ دوری پر ملازمت کر رہا ہے، کسی وجہ سے ہندہ زید سے خلع لینا چاہتی ہے، اس غرض سے وہ جماعت والوں کے پاس خلع کے لئے درخواست بھی دے چکی ہے، جماعت والوں نے زید کو وہاں سے بلوایا اب اگر زید کے جماعت والوں کے پاس جانے سے پہلے یا عین فیصلہ کے وقت اگر ہندہ اپنے آپ کو زید کے نکاح میں برقرار رکھنا چاہے اور خلع کی درخواست کو واپس لے لے تو کیا ہندہ زید کے نکاح میں باقی رہے گی؟ (فیروز احمد)

جواب:- ہندہ خلع کی درخواست واپس لے سکتی ہے، جب تک زید طلاق نہ دے اس کی زوجیت میں باقی رہے گی۔

خلع میں ایک طلاق دیدی

سوال:- (1740) ہندہ نے اپنے شوہر سے خلع طلب کی، شوہر نے خلع کرتے ہوئے ایک طلاق دیدی اب ہندہ چاہتی ہے کہ اپنے شوہر سے ازدواجی تعلقات پھر سے قائم کرے، اس صورت میں ہندہ شرعاً کیا طریق کار اختیار کرے؟ تاکہ شوہر کے ساتھ پھر سے ازدواجی زندگی گزارے۔ (محمد صلاح الدین قاضی، کوٹلہ، کریم نگر، دیالی)

جواب:- شریعت میں خلع مال لے کر یا مہر وغیرہ معاف کر کے طلاق دینے کو کہتے ہیں، اس طرح اگر ایک طلاق دی جائے تو وہ ایک طلاق بائن کہلائے گی، طلاق بائن کے بعد اگر پھر

وہی مرد وعورت ایک ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے۔ البتہ نئے مہر کے ساتھ پھر سے نکاح کرنا ہوگا۔(۱)

تحریری خلع

سوال:- {1741} بیوی نے آپسی رنجش کی بناء پر عدالت میں خلع کا درخواست دائر کر دیا، عدالت میں ابھی کارروائی جاری ہی تھی کہ پنچایت نے دونوں کے درمیان خلع کرادی اور تحریری شکل میں زن وشوہر دونوں کے دستخط وغیرہ کرا لئے گئے، یہ سب کارروائی ہوجانے کے بعد لڑکی نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور وہاں بیان دیا کہ اس سے خلع جبراً کرایا گیا ہے، صورت مسئولہ میں خلع ہوا یا نہیں اور وہ عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟ واضح ہو کہ اس عورت نے اس پنچایت میں اپنے حق مہر وغیرہ معاف کر دیا تھا۔

(اقبال محمد)

جواب:- طلاق اور مہر کی معافی کے لئے زبان سے بولنا ضروری نہیں ہے، لکھ دینا بھی کافی ہے اور اس مضمون کی لکھی ہوئی تحریر پر اس کو جانتے ہوئے دستخط کر دینے کی وجہ سے خلع ہوجاتا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں خلع ہوگیا ہے، اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے زن وشوہر باقی نہ رہے۔ —— یہاں اس بات کی وضاحت کر دینی مناسب ہے کہ شریعت میں جبر واکراہ سے مراد ایسی حالت ہے کہ کسی مہلت کے بغیر کوئی شخص خود اس کو یا اس کی اولاد کو ہلاک کر دینے پر

(۱) "ان طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا" (الفتاوى الهندية: ۱/۴۹۵)"أما الطلاق على المال فأحكامه كالخلع" (بدائع الصنائع: ۳/۱۵۲)

آمادہ ہو، اس حالت میں جو تحریر لکھی جائے گی وہ جبر واکراہ کی تحریر سمجھی جائے گی، ایسی صورت میں لکھی ہوئی دوسری چیزوں کے علاوہ خود طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ہے، صورت مسئولہ میں ایسے جبر واکراہ کی کوئی وضاحت موجود نہیں ہے، اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اب اگر وہ دونوں فریق ایک ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہیں اور خلع کے وقت تین سے کم طلاق دی ہو تو از سر نو نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔(۱)

خلع میں لفظ ''طلاق'' کے بعد تجدید نکاح

سوال: {1742} کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

۲۲ر نومبر ۱۹۹۹ء کو وحیدہ بانو اور اس کے شوہر عبدالجبار کے درمیان خلع ہوگیا، دونوں کے درمیان خلع کی جو تحریر بنی وہ بھی نہیں ہے، اس کا عنوان تو خلع نامہ ہے، لیکن اندر کے مضمون میں ''طلاق، طلاق، طلاق'' کے الفاظ ہیں، کیا ایسی صورت میں دوبارہ وحیدہ بانو سے عبدالجبار کا نکاح ہوسکتا ہے؟ براہ کرم جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

(عبدالقادر، سکندرآباد)

جواب:- راقم الحروف نے انگریزی میں لکھا ہوا خلع نامہ دیکھا، خلع نامہ میں خلع کے ساتھ ساتھ تین بار طلاق کے الفاظ بھی ہیں، خلع لفظ کنایہ ہے، جس میں ایک طلاق بائن کے معنی بھی ہوسکتے ہیں، اور تین طلاق کے بھی، لیکن جب طلاق دینے والا خود اپنی مراد واضح کردے تو پھر اسی کا اعتبار ہوگا، خلع کے ساتھ تین بار لفظ طلاق اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں خلع سے تین

(۱) "وحکمه أن (الواقع به) ولو بلا مال (و بالطلاق) الصریح (علی مال طلاق بائن" (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۵۵۹)

طلاقیں مراد تھیں، لہٰذا وحیدہ بانو پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اور اب وہ عبدالجبار پر مکمل طور پر حرام ہے، ہاں اگر وحیدہ بانو کا کسی اور مرد سے نکاح ہو، اور وہ نکاح کے بعد اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق بھی قائم کرے، اور اتفاق سے اس شوہر سے بھی اسے طلاق واقع ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد عبدالجبار سے اس کا نکاح درست ہو سکتا ہے، اس کے بغیر عبدالجبار اور وحیدہ بانو کا دوبارہ نکاح درست نہیں۔ واللہ اعلم

ظہار اور ایلاء

بیوی کو ماں، بہن سمجھنا

سوال:- {1743} میری شادی کو تقریباً ۱۳،۱۴ سال ہو چکے، میں نے چند دن ہی خوشی زندگی گزاری، اس کے بعد سے مصیبتوں میں زندگی گزار رہی ہوں، میرے شوہر مجھے بیوی نہ سمجھ کر ماں یا بہن یا بیٹی کہتے ہیں، اور یہ بات انھوں نے میری ماں اور بچوں کے سامنے کئی دفعہ کہی ہے، اسی دن سے میرے ساتھ ازدواجی تعلقات بھی ختم کر چکے ہیں، ماں، بہن، بیٹی کہنے سے نکاح ختم ہو گیا یا ابھی باقی ہے، اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ جب کہ وہ نہ طلاق دے رہے ہیں، نہ خلع۔

(بشیرہ بیگم، صنعت نگر)

جواب:- بیوی کو ماں، بہن، یا بیٹی کہنا سخت گناہ اور معصیت ہے، قرآن مجید نے اس کو

بری اور جھوٹی بات کہا ہے۔ ﴿ مُنکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ﴾(۱) مسئلہ کی تفصیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر انھوں نے صرف ماں یا بہن کہا ہو تو یہ گناہ ہے، اگر یہ کہا ہو کہ تم میرے لیے ماں بہن کی طرح ہو، تو اس کو شرعی اصطلاح میں "ظہار" کہتے ہیں، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ ادا نہ کرے، بیوی سے صحبت نہیں کرسکتا، کفارہ یہ ہے کہ صحبت سے پہلے مسلسل ۶۰ ر روزے رکھے، اگر روزے نہ رکھ سکے تو ۶۰ ر مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (۲) ان دونوں صورتوں میں نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، البتہ کسی عذر شرعی کے بغیر بیوی سے مکمل طور پر ازدواجی تعلق کو ترک کرلینا سخت گناہ اور زیادتی ہے، اور اگر مرد کو اس پر اصرار ہو تو عورت قاضی شریعت سے فسخ نکاح کے لیے خواہش کرسکتی ہے، قاضی مناسب تحقیق کے بعد اس کا نکاح فسخ کردے گا، پھر عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنے کی گنجائش ہوگی۔

اگر اس نے بیوی سے کہا کہ تو میرے لیے ماں کی طرح ہے اور قسم کھائی کہ میں تیرے ساتھ بیوی کا تعلق نہیں رکھوں گا، تو پھر یہ ایلاء ہے، ۴ ر ماہ کی مدت گزرنے تک بھی اگر اس نے صحبت نہیں کی، تو اس سے آپ کا نکاح ختم ہو جائے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرلے، تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور نکاح باقی رہے گا، خود قرآن مجید میں ان احکام کا ذکر ہے۔ (۳)

بیوی کو بہن کہہ دے

سوال:- (1744) کوئی شخص غصہ یا چاہت میں بیوی کو بہن کہہ دے تو کیا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اگر نکاح ٹوٹ

---

(۱) المجادلة :۲۔

(۲) المجادلة :۳-۴۔

(۳) ﴿ للذين يؤلون من نسائهم تربص أربعة أشهر ، فإن فاء وا فإن الله غفور رحيم ﴾(البقرة :۲۲۶) محشی۔

جائے تو بیوی سے دوبارہ ملنے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- بیوی کو بہن یا ماں کہنا مناسب نہیں، لیکن اگر کہہ دے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ محض جھوٹی اور لغو بات ہوگی، ہاں اگر یوں کہے کہ تو مجھ پر میری بہن کی طرح ہے اور مقصود یہ ہو کہ تو بہن کی طرح حرام ہے، تو یہ فقہ کی اصطلاح میں ''ظہار'' کہلاتا ہے، ایسی صورت میں جب تک کفارۂ ظہار ادا نہ کردے اس وقت تک بیوی سے جنسی تعلق حرام ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ دونوں صورتیں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں۔(۱)

چار ماہ سے زیادہ زوجین کے درمیان بے تعلقی

سوال:- (1745) چار ماہ سے زیادہ اگر شوہر اور بیوی جھگڑا یا کسی اور وجہ سے الگ الگ ہوں تو ان دونوں کا رشتۂ نکاح باقی رہے گا، یا ختم ہوجائے گا؟

(غوثیہ سلطانہ، محبوب گارڈن کالونی)

جواب:- شوہر بیوی چار ماہ یا اس سے زیادہ صرف ایک دوسرے سے بے تعلق رہیں تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوجاتا، البتہ کسی رنجش کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اتنا عرصہ بے تعلق رہنا ناجائز اور سخت گناہ ہے، ہاں اگر کسی مرد نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ تک صحبت نہیں کرے گا، اور چار ماہ تک اس سے رکا رہا تو چار ماہ کی مدت پوری ہوتے ہی اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی، اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''ایلاء'' کہتے ہیں، جس کا خود قرآن مجید میں بھی ذکر آیا ہے۔(۲)

(۱) دیکھئے: الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۴/۳، رد المحتار: ۵/۱۲۵۔

(۲) البقرۃ: ۲۲۶۔

"میں تم سے مباشرت نہیں کروں گا" کہنے کا حکم؟

سوال:- (1746) ایک شخص تقریباً سال بھر تک گھر سے دور رہا اس عرصہ میں ایک دو بار وہ اپنے گھر بھی آیا ایک طویل عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی منکوحہ نے اس کے بھانجے سے زنا کیا، زید کی منکوحہ کو بھی اس کا اقرار ہے اور وہ اس فعل پر نادم و پشیمان ہے، زید نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک نشست میں یہ بات کہی کہ آئندہ ہم دونوں کے درمیان مباشرت کا تعلق برقرار نہیں رہے گا، مگر وہ اس پر قائم نہ رہ سکا اور زن و شو کا فعل صادر ہو گیا سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟ اس ضمن میں دوسرا سوال یہ ہے کہ اس شخص کی منکوحہ سے ایسا لڑکا ہے جو ان دنوں میں پیدا ہوا تھا، جب کہ وہ شخص گھر سے دور تھا گو کہ وہ اس ایک سال کے عرصہ میں دو تین بار گھر آیا اس لڑکے کے بارے میں اس کو شبہ ہے کہ وہ اس کی اولاد نہیں ہے، بلکہ اس کی منکوحہ سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ اسی کی پیداوار ہے، اس صورت میں یہ شخص اس لڑکے کو اپنی وراثت میں شامل کرے یا نہ کرے؟ (عبدالحنان، ہمایوں نگر، حیدرآباد)

جواب:- زنا سخت گناہ اور معصیت ہے، لیکن اس کی وجہ سے ازدواجی تعلق منقطع نہیں ہوتا اور یہ کہنے سے کہ آئندہ میں تم سے جماع نہیں کروں گا، جماع اس پر حرام نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے اس سے جماع کرنا جائز ہوگا، اس لیے مذکورہ صورت میں اس کا جماع کرنا صحیح ہے؛ البتہ اگر جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور چار ماہ کے اندر جماع کر لیا ہو تو قسم کا کفارہ ادا کر دے، اور اگر یہ قسم کھانے کے بعد چار ماہ گزرنے تک جماع نہیں کیا، تو اس مدت کے گزرنے کے ساتھ ہی اس

پر ایک طلاق بائن واقع ہوچکی، اس کو ایلاء کہتے ہیں۔(۱)

محض شبہ کی وجہ سے نسب کا انکار درست نہیں، نسب اصولاً شوہر ہی سے ثابت ہوگا رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں صاف طور سے ارشاد فرمایا: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" (۲) اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ مولود کو اپنی اولاد تصور کریں۔

• • • • •

(۱) "إذا قال الرجل لامرأته والله لا أقربك أو قال والله لا أقربك أربعة أشهر فهو مول ... فإن وطئها في الأربعة الأشهر حنث في يمينه ولزمته الكفارة" (الهداية ۲: ۴۰۱، باب الإيلاء)

(۲) الجامع للترمذي، حديث نمبر: ۱۱۵۷، باب ما جاء أن الولد للفراش۔ مرتب۔

عدت کے احکام

نکاح ختم ہونے کے بعد عدت

سوال:- (1747) ایک صاحب نے جن کی دو بیویاں تھیں، آٹھ دس سال پہلے پہلی بیوی کو طلاق دے دی، اور گاؤں سے شہر منتقل ہو گئے، جہاں اب ان کا انتقال ہو گیا، گاؤں والوں نے پہلی بیوی کی بھی چوڑیاں وغیرہ پھوڑ کر زبردستی بیوہ بنا دیا اور عدت کے ایام گزارنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (ایم علیم الدین، بھوکلپ ر)

جواب:- جب مرد نے اسے کئی سال پہلے ہی طلاق دے دی تھی، تو اب وہ عورت اس شخص کی بیوی باقی نہیں رہی، اور جب مرد کی موت کے وقت اس سے عورت کا رشتۂ نکاح قائم نہیں تھا، تو اس کو زیب و زینت کو چھوڑنے پر مجبور کرنا یا زبردستی اس سے عدت گزروانا قطعاً جائز نہیں، نہ اس عورت کے لیے عدت کا حکم ہے، اور نہ ترک زیبائش کا، پھر بیوہ ہو جانے والی عورت کی چوڑیوں کو فوراً نکال دینا ضروری نہیں ہے، اس سے حزن و رنج میں اضافہ ہوتا ہے، مقصود ایام

عدت میں ترک زیبائش ہے، عورت خود بعد میں اپنی چوڑیاں اتار سکتی ہیں، اسی طرح چوڑیوں کو پھوڑنا ناحق مال کو ضائع کرنا ہے، اتاری جائیں تو بعد میں وہی عورت پہن سکتی ہے یا کسی اور کے کام آسکتی ہے، یہ سب جاہلانہ رسوم ہیں، جن سے بچنا چاہئے۔

عدت کہاں گزاری جائے؟

سوال:- (1748) زید کا انتقال ہو گیا ہے، اب اس کی بیوی عدت تک زید کے مکان میں رہے گی یا اپنے میکے میں، وہ زید کے انتقال ہوتے ہی چار دن کے بعد اپنے والدین کے پاس چلی گئی، اس کا کہنا ہے کہ کسی مولانا نے اس کو اجازت دی ہے، کیا یہ درست ہے؟　　(محمد محسن، محبوب نگر)

جواب:- مرحوم شوہر نے جو مکان رہائش کے لئے فراہم کیا تھا، اسی میں عدت گزارنا واجب ہے، یہ حکم بہت تاکید کے ساتھ قرآن (۱) وحدیث (۲) سے ثابت ہے، ہاں اگر گھر کے مالکان نے نکال دیا، اور اس کا اس گھر میں اتنا حصہ نہ ہو جو رہائش کے لئے کافی ہو جائے یا کرایہ کا مکان ہو اور کرایہ ادا شدہ نہ ہو اور خود اس میں ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا گھر کے گر جانے یا چوری وغیرہ کا اندیشہ ہو، یا عورت کی عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہو، ایسی صورتوں میں عورت اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں اور عدت گزار سکتی ہے۔ (۳)

زید کی بیوہ نے اس طرح کا کوئی عذر کسی عالم کے سامنے پیش کیا ہوگا اور اسی بنیاد پر موصوف نے میکے جانے کی اجازت دی ہوگی، بہر حال عدت کی حالت میں کسی عذر شدید کے بغیر شوہر کے فراہم کی ہوئی رہائش گاہ کو چھوڑ کر اپنے میکے یا کسی اور جگہ منتقل ہو جانا جائز نہیں۔ (۴)

---

(۱) البقرة: ۲۳۴۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاري ۲/۸۰۵۔ محشی۔
(۳) رد المحتار: ۲۲۵/۵، الفتاوی الھندیة ۱/۵۳۵۔
(۴) رد المحتار: ۲۲۶/۵۔ محشی۔

نادار مطلقہ عورت کا عدت میں کسب معاش کے لئے باہر نکلنا

سوال:- (1748) اگر کوئی عورت مطلقہ ہو، لیکن شوہر نے اس کو عدت کا خرچ نہیں دیا اور وہ اس موقف میں ہو کہ خود اپنا خرچ پورا کر سکے، تو کیا اس صورت میں وہ عدت کے درمیان ملازمت اور کسب معاش کے لئے گھر سے باہر جا سکتی ہے؟ (عبدالرقیب، ونستھلی پورم)

جواب:- طلاق کی صورت میں شوہر پر عدت کا خرچ دینا واجب ہے، تاہم اگر شوہر نے عدت کے اخراجات نہیں دیے اور اس کے پاس ان اخراجات کے لئے پیسے موجود نہیں ہیں، نہ اس کے اعزہ اس خرچ کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، تو اس کے لئے کسب معاش کی غرض سے دن میں گھر سے باہر نکلنے اور کام کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس خلع حاصل کرنے والی عورت کو اس کی اجازت دی ہے، جس کو عدت کا نفقہ میسر نہ ہو:

"... حتی لو کانت مختلعة علی أن لا نفقة لها فقد قیل یباح لها الخروج نهارا لمعاشها کالمتوفی عنها زوجها" (۱)

جن عورتوں کو شوہر یا کسی عزیز یا اپنی ذاتی دولت کی وجہ سے زمانہ عدت کا نفقہ میسر ہو اس کے لئے زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے عدت گزارنے والی عورت کے لئے تاکید اس کا حکم دیا ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة: ۲۱۸/۳۔

(۲) بیهقی: ۷/۴۳۷۔۴۳۶۔

نسبندی شدہ عورت پر عدت کیوں؟

سوال:- (1750) شریعت میں عدت اس لئے واجب قرار دی گئی ہے کہ نسب میں اختلاط نہ ہو، لیکن اگر کسی عورت کی نسبندی کردی گئی ہو اور اس کے لئے حمل کی گنجائش باقی نہ رہے تو اس کی عدت بھی واجب نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ اختلاط کا کوئی امکان نہیں؟ (جان محمد، عیدی بازار)

جواب:- شریعت میں عدت دوہرے مقاصد کے لئے ہے، ایک اہم مقصد تو وہی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، یعنی نسب کی حفاظت، کہ ایک عورت جب ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جائے تو درمیان میں ایسا فاصلہ ہو کہ پہلے شوہر کے حمل کے باقی رہنے کا کوئی احتمال باقی نہ رہ پائے، دوسرا مقصد پہلے نکاح کے ختم ہونے اور رشتہ منقطع ہونے پر ملال و افسوس اور حزن کا اظہار بھی ہے، یہ گویا رشتۂ نکاح کے احترام کی رعایت ہے، یہی وجہ ہے کہ عدت وفات اور عدت طلاق ان عورتوں پر بھی واجب قرار دی گئی ہے، جو ابھی بالغ بھی نہ ہوئی ہوں یا ان کی جوانی کا زمانہ گزر چکا ہو، اور وہ ایاس کی عمر کو پہنچ گئی ہوں، غور کیجئے کہ بلوغ سے پہلے اور عمر ایاس کو پہنچنے کے بعد عورتیں حاملہ نہیں ہوسکتیں، اور اس لئے نسب کے اختلاط کا کوئی شبہ نہیں، اس کے باوجود ان پر بھی عدت واجب قرار دی گئی، لہذا جس عورت کی نسبندی ہو چکی ہو اس پر بھی عدت واجب ہے کہ عدت کا دوسرا مقصد غم و ملال کا اظہار اس کے حق میں بھی عدت سے پورا ہوتا ہے۔

دوسرے گو کہ طبی اعتبار سے آپریشن کے بعد بھی عموماً حمل قرار نہیں پاتا، لیکن ناممکن نہیں کہ آپریشن میں کسی طبی نقص کی وجہ سے آپریشن کے بعد بھی عورت کے اندر حاملہ ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور ثبوت نسب اور عدت کے مسئلہ میں شریعت نے جس قدر احتیاط سے کام لیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محض یہ احتمال بھی عدت کو واجب قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

نیز کو سن دی کے بعد عام طور پر استقرار حمل نہیں ہوتا، لیکن بعض استثنائی صورتوں میں استقرار ہو جایا کرتا ہے، گو ایسے واقعات ایک فی ہزار ہی کیوں نہ ہو، تو اس طرح ایک حد تک اختلاط نسب سے حفاظت کی مصلحت بھی موجود ہے۔

عدت وفات کہاں گزارے گی؟

سوال:- {1751} زید کا انتقال ہو گیا، اس کی بیوی زید کے مکان میں رہے گی یا اپنے مکان میں؟ عدت کہاں گزارے گی؟ (محمد علی اکبر، کولکتہ)

جواب:- زید نے جو مکان اپنی زندگی میں رہائش کے لئے بنایا تھا، اسی میں بیوی کو عدت گزارنا چاہئے یہ قرآن (۱) وحدیث (۲) سے ثابت ہے، البتہ وہاں عدت گزارنے میں اس کی جان، مال یا عزت وآبرو کو خطرہ ہو یا اس حصہ کا اتنا کم ہو کہ وہ رہائش کے لئے ناکافی ہو، اور دوسرے ورثاء اپنے حصہ میں رہنے دینے کو تیار نہ ہوں، یا کرایہ کا مکان ہو اور خود کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں عدت گزارنے کے لئے وہ اپنے میکہ بھی جا سکتی ہے۔ (۳)

دوران عدت شادی کرنا

سوال:- {1752} دوران عدت ڈیڑھ ماہ بعد مطلقہ کسی اور شخص سے شادی کر لیتی ہے تو کیا یہ عقد صحیح ہے یا نہیں؟ ایام عدت کیا طلاق کے بعد سے شمار ہوں گے؟ حالانکہ شوہر تقریبا ڈیڑھ سال سے علحدگی اختیار کئے ہوئے ہے، کیا کوئی شرعی

---

(۱) البقرۃ: ۲۳۴۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاری: ۲/۸۵۰۔ محشی۔
(۳) رد المحتار: ۵/۲۲۶۔ محشی۔

گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ عورت خلع کے بعد جب چاہے شادی کرلے؟

خلع کے بعد فوراً یا کچھ دنوں کے گزر جانے کے بعد جو نکاح کیا گیا ہے اگر وہ باطل ٹھہرا تو اس جوڑے کو مستقبل میں کیا کرنا چاہئے کہ اس کا نکاح باقی رہے اور کیا ایسا کرنے سے کوئی حد بھی جاری ہوتی ہے؟ (محمد بشیر احمد، سعید آباد)

جواب:- دوران عدت کیا گیا نکاح فاسد ہے، یہ عقد نہیں ہوا، عدت گزر جانے کے بعد ازسرنو نکاح کرنا چاہئے،(۱) ایام عدت کا شمار تاریخ خلع سے ہوگا اور عدت بہر حال گزار نی ہوگی۔(۲)

اس جدید جوڑے کو فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجانا چاہئے۔ بعد ازیں عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح کرلیں، البتہ اس کی وجہ سے کوئی حد و کفارہ واجب نہیں ہے، توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

مطلقہ اور بیوہ کی عدت

سوال:- {1753} مطلقہ اور بیوہ کی عدت کے ایام ایک ہی ہیں یا مختلف؟ (بشیر احمد، سعید آباد)

جواب:- عدت کے احکام حسب ذیل ہیں:

حاملہ عورت کو طلاق دی جائے، یا وہ بیوہ ہوجائے دونوں ہی صورتوں میں عدت وضع حمل ہے، ولادت کے ساتھ ہی

---

(۱) ﴿ ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله ﴾ (البقرة :۲۳۵)

(۲) " وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الموت عقيب الوفاة " (الفتاوی الهندية :۱/۵۳۲)

عدت ختم ہو جائے گی۔(۱)

حاملہ نہ ہو تو بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔(۲)

حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو تو مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔(۳)

نابالغہ یا بوڑھی ہو تو مطلقہ کی عدت تین ماہ ہے۔(۴)

حاملہ کا عدت وفات میں گھر سے نکلنا

سوال:- (1754) زید کی شادی ہوئے آٹھ مہینے ہو گئے اور اس کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی بیوہ حمل سے ہے، ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، ایسی صورت میں زید کی بیوہ کتنے دن عدت گزارے گی؟ تلاش معاش کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟ (محمد شکیل، بڑل)

جواب:- (الف) ولادت تک زید کی بیوہ عدت کی حالت میں ہے، بچہ پیدا ہونے کے بعد ہی اس کی عدت مکمل ہوگی۔(۵)

(ب) اگر زید کی بیوہ کے پاس گزر بسر کے لئے ضروری اخراجات نہیں ہوں تو وہ باہر نکل سکتی ہے:

" حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة

---

(۱) ﴿و اولات الاحمال اجلهن أن يضعن حملهن ﴾(الطلاق :۴)

(۲) ﴿والـذيـن يتوفون منكم و يذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة أشهر و عشرا﴾(البقرة:۲۳۴)

(۳) ﴿والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء﴾ (البقرة :۲۲۸)

(۴) ﴿و الّـئي يـئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر ﴾ (الطلاق:۴)

(۵) الطلاق :۴۔

فلا یحل لها الخروج " (۱)

(ج) البتہ صبح نکل کر شام تک آ جائے، یہ ضروری ہے کہ رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے:

" تخرج نهارا أو بعض الليل و لا تبيت في غير منزلها " (۲)

عدت میں ماں کے انتقال پر گھر سے نکلنا

سوال:- {1755} زینب عدت میں ہے، ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا، ایسی صورت میں زینب کو وہاں جانا چاہئے یا نہیں؟ (منور سلطانہ، بسوا کلیان)

جواب:- اگر زینب طلاق کی عدت گزار رہی ہو تو اس کے لئے ماں کے انتقال کی وجہ سے گھر سے نکلنا درست نہیں، نہ دن میں اور نہ رات میں۔

" إن كانت معتدة بنكاح صحيح وهي حرة مطلقة ... لا تخرج ليلا و لا نهارا " (۳)

اور اگر شوہر کے انتقال کی عدت گزار رہی ہو تو یہ جائز نہیں کہ رات باہر گزارے، لیکن دن میں جا سکتی ہے، اگر رات کا کچھ حصہ بھی ہو جائے تو حرج نہیں۔

" المتوفى عنها زوجها تخرج نهارا و بعض الليل " (۴)

---

(۱) الدر المختار: ۳۴۰/۳۔

(۲) الفتاویٰ الهندية: ۵۳۴/۱۔

(۳) الهداية: ۴۰۸/۲۔

(۴) الفتاویٰ الهندية: ۵۳۴/۱۔

نفقہ کے احکام

کیا رخصتی سے پہلے بیوی کا نفقہ شوہر پر ہے؟

سوال:- {1756} میرا نکاح ہو چکا ہے، البتہ سسرال والے ایک سال بعد لڑکی کی رخصتی کرنا چاہتے ہیں، میں خدا کے شکر سے برسر ملازمت ہوں، کیا مجھ پر بیوی کا نان ونفقہ لازم ہوگا، اگر لازم ہوگا تو کیا جب سے نکاح ہوا ہے، اس وقت سے یا مسئلہ معلوم کرنے کے بعد؟ (شبیر احمد، VT مسجد)

جواب:- نکاح ہونے کے بعد لڑکی کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ بیوی نے خود کو شوہر کے سپرد کر دیا ہو، اور اگر سپردگی نہیں ہوئی ہے، اور اس میں بیوی کی طرف سے کسی بغیر عذر کے رکاوٹ بھی ہے، تو بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا:

"النفقة تتعلق بأشياء : منها الزوجية و الاحتباس ، فتجب على الرجل نفقة امرأته"(1)

---

(1) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۴۲۲۔

چوں کہ آپ کا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں ہوئی ہے، اس لیے بیوی کا نفقہ آپ پر واجب نہیں۔

اگر بیوی اور رشتہ داروں کے درمیان نباہ نہ ہو؟

سوال:- {1757} میری بیوی کی میری والدہ اور بھائی بہنوں کے کٹس نہ ہو رہی تھی، اس لیے وہ اپنے میکہ چلی گئی، میں بار بار اصرار کرتا ہوں کہ وہ لوٹ آئے، لیکن وہ اس کے لیے تیار نہیں، میرے دو بچے بھی اس کے پاس ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کہ بیوی بھی راضی ہو جائے اور گھر والوں کی نظر میں بھی میرا وقار قائم رہے۔

(عبدالغفار خاں، دوبھواڑہ)

جواب:- اولاً آپ کو بیوی اور گھر والوں کے معاملات پر پوری غیر جانبداری کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور جس کی جو غلطی ہو، اس پر اسے متنبہ کرنا چاہئے، اگر والدہ کی طرف سے زیادتی ہو تو ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں بھی سمجھانا چاہئے، اور اگر مزاج میں تفاوت کی وجہ سے آپ کی بیوی اور گھر کے دوسرے لوگوں کا ساتھ رہنا دشوار ہو تو بیوی کے لیے الگ مکان حاصل کرنا چاہئے، شریعت میں بیوی کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کے گھر والوں سے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے، اور شوہر پر بشرط قدرت اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ (۱) احکام شریعت کے معاملہ میں کسی کی رضامندی اور ناراضگی، نیز اپنے وقار وغیرہ کو ملحوظ نہ رکھنا چاہئے، بلکہ ہمیشہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے۔

---

(۱) "كذا تجب لها السكنى في بيت خال عن أهله و أهلها" (الدر المختار) ذكر الخصاف: أن لها أن تقول لا أسكن مع والديك و أقربائك في الدار فأفرد لي دارا" (رد المحتار: ۵/۳۲۲) محشی۔

مطلقہ عورت کا نفقہ

سوال:- (1758) موجودہ سماج میں طلاق شدہ عورت
کا نان ونفقہ کس کے ذمہ ہوگا؟　　(علی احمد، ہنچن گوڑہ)

جواب:- نکاح کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح مرد وعورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے، نکاح کے بعد بھی لڑکی کا اپنے خاندان سے تعلق باقی رہتا ہے، وہ شوہر کی جائداد نہیں بن جاتی، بلکہ شوہر کی رفیق اور شریک ہوتی ہے، اس لئے جب شوہر سے اس کا تعلق ختم ہوجائے تو پھر اس کی کفالت کی ذمہ داری اہل خاندان پر واجب ہوگی، والدین پر، بھائی پر اور دوسرے ان رشتہ داروں پر جو اس عورت کی وفات کے بعد میراث کے حق دار ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں فقہاء نے نفقہ کا پورا انتظام متعین فرمایا ہے، جو تفصیل کے ساتھ کتب فقہ میں موجود ہے۔(۱)

دوسرے طلاق کے بعد عدت کا نفقہ تو واجب ہوتا ہی ہے، اگر بچے عورت کی زیر پرورش رہیں گے لڑکے سات سال تک اور لڑکیاں بالغ ہونے تک، اس پوری مدت ان بچوں کا نفقہ بھی مرد پر واجب ہوگا، اور اس عورت کی اجرت پرورش بھی مرد کے ذمہ ہوگی، اور فقہاء کی عبارتوں سے یہ رجحان ظاہر ہوتا ہے کہ اجرت پرورش اتنی ہونی چاہئے کہ عورت کا گزر اوقات ہوجائے، اس طرح بالواسطہ طریقہ پر خاصے عرصہ تک مطلقہ عورت کے نفقہ کا انتظام ہوجاتا ہے۔

مرحومہ بیوی کے اخراجاتِ علاج

سوال:- (1759) زید کی شادی دو سال قبل ہندہ
سے ہوئی تھی، ایک لڑکی تولد ہوئی، جو زندہ ہے، آٹھ ماہ کا حمل

(۱)　رد المحتار: ۵/۳۳۳، کتاب الطلاق، باب النفقۃ۔

تھا، جو ساقط ہوگیا، دس دن کی مختصر علالت کے بعد ہندہ کا
انتقال ہوگیا، دواخانہ کا بل دوائیاں اور علاج کے سلسلہ میں
جملہ اخراجات ۸۵۰۰۰ روپے سکہ ہند سے زائد خرچ ہوئے
ہیں اور یہ رقم ہندہ کے والد نے فراہم کیے ہیں، دوران علاج
ہندہ کے والد کو زید کی طرف سے تمام اخرجات کی ادائگی کا
یقین دیا جارہا تھا، اب ہندہ کے والد کا مطالبہ ہے، کیا مذکورہ
خرچ کی ادائگی ازروئے شرع زید پر لازم ہے؟

(احسان عبدالملک، یاقوت پورہ)

جواب:- (الف) زندگی کے بقاء کے لیے جو چیزیں ضروری ہوں وہ سب نفقہ میں داخل ہیں:

" و في الشرع الادرار على شيئ بما فيه بقاؤه "(۱)

انسان کے بقاء کے لیے کھانے پینے سے زیادہ بڑی ضرورت علاج ہے، اس لیے علاج بھی نفقہ میں داخل ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے ادا کردے۔(۲) خاص کر جو اخراجات ولادت کے سلسلہ میں ہوئے ہوں، خواہ حمل ساقط ہی کیوں نہ ہوجائے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وہ شوہر پر واجب ہوگا۔

" لأن نفع القابلة معظمه يعود إلى الولد فيكون
على أبيه " (۳)

اس لیے زید کو یہ اخرجات ادا کرنے چاہئیں۔

---

(۱) رد المحتار : ۵/۲۲۲، باب النفقة۔
(۲) دیکھئے: الفقه على المذاهب الأربعة: ۳/ ۵۵۶۔
(۳) رد المحتار : ۵/۲۹۲۔

بیوی اور بیٹی کو کسب معاش پر مجبور کرنا

سوال:- {1760} کیا والد و شوہر لڑکی اور بیوی کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ گھر سے نکل کر جائے اور کما کر لائے تاکہ زندگی عیش و عشرت کے ساتھ بسر ہو حالانکہ وہ خود اتنا کما سکتے ہیں جس سے زندگی کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں، اگر عورت ان کی بات نہ مانے اور گھر بیٹھ رہے تو کیا وہ شریعت کی نظر میں نافرمان ہوگی، نیز اگر وہ کمائے بھی تو کیا اس پیسہ پر باپ و شوہر کا کوئی حق ہے؟ اگر مرد اس کا مال زبردستی لے لے تو کیا یہ عورت پر ظلم نہیں ہے؟

(شاہنواز عالم، اقبال کالونی، حیدرآباد)

جواب:- بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر (۱) اور بیٹی کے نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہے، (۲) اور اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے وہ شوہر یا باپ سے مطالبہ بھی کر سکتی ہے، اس کو کمائی کے لئے مجبور کرنا درست نہیں ہے، البتہ یہ حلال اور جائز طریقہ پر کمائیں تو یہ مال خود انہی کا ہے، کوئی اس کے مال کو زبردستی لے لے تو یقیناً یہ ظلم ہے۔

ناشزہ کا نفقہ

سوال:- (1761) میری بیوی تقریباً آٹھ ماہ قبل میری اطلاع کے بغیر اپنے میکہ چلی گئی، ایک دو مرتبہ لانے کی کوشش

---

(۱) "النفقة واجبة للزوجة على زوجها" (الهداية: ۲/۴۳۷)

(۲) "و نفقة الأولاد الصغار على الأب" (الهداية: ۴۴۳) "وتجب نفقة الابنة البالغة على الأب" (الهداية: ۴۴۷)

بھی کی گئی، مگر وہ اس پر تیار نہیں ہوئی، اس سے قبل پنچ کے
ذریعہ فیصلہ کیا گیا تھا مگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوئی، سوال یہ
ہے کہ ایسی صورت میں مجھ پر اس کا نان ونفقہ واجب ہوگا یا
نہیں؟ (علاء الدین، منتال، گنگور)

جوابـ:- بیوی اگر شوہر کی اجازت کے بغیر از خود میکہ چلی گئی تو وہ ناشزہ ہے، جب تک خود نہ آ جائے نفقہ اور کسی حق ازدواجی کی حق دار نہیں۔

"وان نشزت فلا نفقة حتى تعود إلى منزله" (۱)

بلا اجازت شوہر کا پیسہ لینا

سوالـ:- {1762} میرے شوہر گھر کے لئے بڑی چیزیں
تو لے آتے ہیں، لیکن چھوٹی موٹی چیزیں نہیں لاتے، چنانچہ
میں ۵، ۱۰، ۱۵ روپئے تھنک، جھاڑو وغیرہ کے لئے ان سے
پوچھے بغیر لے لیتی ہوں، کیا میرے لئے یہ لینا جائز ہے؟
(عائشہ پروین، بی ایچ ای ایل)

جوابـ:- اگر آپ کے شوہر کو ان ضروریات کے لئے پیسہ دینے سے انکار نہ ہو تو آپ پہلے سے ان سے وقتاً فوقتاً اس طرح پیسہ لینے کی اجازت لے لیں، یا بعد میں شوہر سے اس کا ذکر کر دیں، اگر آپ کے شوہر کو اس طرح وقتاً فوقتاً پیسہ لینا معلوم ہو اور وہ خاموشی اختیار کرتے ہوں تو یہ بھی ان کی اجازت ہی سمجھی جائے گی، اگر شوہر کی طبیعت میں بخل ہو، اور وہ ان جائز ضروریات کے لئے بھی پیسہ دینے کو آمادہ نہ ہوں تو آپ بلا اجازت بھی بقدر ضرورت پیسے لے سکتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ کو اس کی اجازت دی تھی۔ (۲)

(۱) الہدایۃ: ۲/۴۳۸۔
(۲) صحیح مسلم: ۲/۷۵ ۔ محشی۔

لیکن زائد از ضرورت پیسے بلا اجازت لینا یا شوہر کے پیسے یا سامان بلا اجازت لے کر کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو دینا درست نہیں، یہ بھی خیانت میں داخل ہے۔

غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کے باوجود نفقہ کا استحقاق

سوال:- (1763) لڑکی کے سسرال والے کئی مرتبہ وعدہ کئے تھے، باوجود اس کے بے حد تکلیف دیتے رہے، جس کی وجہ خودکشی کرنے کے لئے لڑکی تیار ہو گئی تھی، بہرحال وہاں جان کا خطرہ ہونے سے سسرال نہیں گئی، شریعت کے خلاف غیر محرم کے ذریعہ دو مرتبہ بیوی کو طلب کرتے رہے، سسرال میں ایک بار اور بیرون ملک پچھلی بار اپنے دوستوں کے ساتھ آنے کا حکم دیا، لیکن تا حال نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا، اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ (محمد صدیق، ٹیبر، حیدرآباد)

جواب:- اگر سسرال والوں کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے، اور غیر محرم کے ساتھ سفر کے باعث لڑکی سسرال جانے سے انکار کردے تو اسے اس کا حق ہے، اور اس کے باوجود وہ نفقہ کی مستحق باقی رہتی ہے۔(۱) شوہر کی غفلت ولاپرواہی ظلم ہے۔

مریضہ عورت کا نفقہ

سوال:- (1764) مجالس الابرار (صفحہ ۹۸ - ۴۸۸) پر میاں بیوی کے حقوق کے بیان میں:

---

(۱) " أو مع اجنبي بعثه لينقلها فلها النفقة " (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/ ۶۴۷) " لكنه لما بعث اليها اجنبيا تليتبه بها كان امتناعها من السفر معه بحق " (رد المحتار، ۲/ ۶۴۷)

’’اگر عورت صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں، یہ حکم قضاء کا ہے، چنانچہ اس امر کا اشارہ حضرت مولانا رشید پاشا صاحب دو شنبہ ایڈیشن اخبار ’’سیاست‘‘ مورخہ ۱۲/ اگست میں کیا ہے ’’نفقہ سپریم کورٹ‘‘ —— اب سوال یہ ہے کہ مرض یا ضعف وغیرہ سے معذور ہو تو پرورش کا کیا ذریعہ ہوگا؟

(جیلانی قدیر، اکبر باغ)

جواب:- یہ حکم ایسی صورت میں ہے جب کہ لڑکی ابھی ہمبستری کے قابل ہی نہ ہوئی ہو، اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے اس قابل نہ ہو اور اس نے اپنا نفس شوہر کے حوالہ کر رکھا ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا، عالمگیری میں ہے:

’’وإن نقلت وهي صحيحة ثم مرضت في بيت الزوج مرضاً لا تستطيع معه الجماع لم تبطل نفقتها بلا خلاف كذا في البدائع‘‘ (۱)

بیوی کا شوہر کے ساتھ رہنے کا مطالبہ

سوال:- (1765) کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین ایک صاحبہ (کثیر الاولاد) ہیں، جن کے شوہر امریکہ میں کام کرتے ہیں، صاحبہ چاہتی ہیں کہ وہ اور ان کے بچے شوہر کے ساتھ امریکہ میں رہیں، شوہر کا کہنا ہے کہ وہاں ماحول سازگار نہیں، اس لئے ساتھ نہیں لے جاسکتے ہیں، گھر کا ماحول دینی، پردہ کی پابندی، ماں باپ دیندار ہوں اور گھر کا ماحول اچھا ہو تو وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں رہنے کے لئے تیار

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱/۵۴۶، باب النفقة ۔ محشی ۔

ہے، اور بچے بھی کہیں بھی رہ سکتے ہیں، جب کہ شوہر اس سے انکار کرتا ہے کہ بیوی یہاں اکیلے بچوں کے ساتھ رہے، ان کا خیال ہے کہ اکیلی عورت بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکتی ہے، اس لئے اس کا اصرار ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں آسکتے، بیوی کے سارے رشتہ دار امریکہ میں مقیم تھے، تو اگر بیوی اور بچوں کو اسے ساتھ نہیں رکھنا تھا تو شادی کے وقت اس مسئلہ پر غور کرنا تھا، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کیا بیوی کے لیے ایسی باتوں میں بھی شوہر کی اطاعت ضروری ہے، جو اس کی طبیعت پر گراں گزرے؟ (نازیہ، حیدرآباد)

جواب: - اگر شوہر کے اندر استطاعت ہو اور بیوی کی طرف سے ساتھ رکھنے کا تقاضہ ہو، تو شوہر پر بیوی کا ساتھ رکھنا واجب ہے، بچوں کی تربیت صرف ماں کی ذمہ داری نہیں؛ بلکہ ماں باپ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے اسفار یہاں تک کہ سفر جہاد میں بھی ازواج مطہرات کو ساتھ رکھا کرتے تھے، اس لئے شوہر کا یہ عذر کرنا درست نہیں کہ امریکہ کا ماحول خراب ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا، یا تو اسے خود ہندوستان آجانا چاہئے، تاکہ بال بچوں کے ساتھ رہے، یا اپنی بیوی بچوں کو امریکہ میں ساتھ رکھنا چاہئے اور اپنے بال بچوں کی تربیت پر توجہ کرنی چاہئے، بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت واجب ہے، لیکن اگر شوہر کا کوئی عمل اس کی حق تلفی کا موجب ہو تو وہ اس کی پابند نہیں۔ واللہ اعلم۔

حق پرورش

دادا کو یتیم پوتے سے ملاقات کا حق

سوال:- (1766) میرے ایک بڑے لڑکے کا عقد نکاح کے قلیل عرصہ بعد انتقال ہوگیا، اس کی زندگی میں اسے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، لڑکے کی بیوہ عدت گزارنے کے بعد میکے چلی گئی، میں بہ حیثیت دادا اس لڑکے کا ولی ہوں، مجھے گزشتہ دو سال سے پوتے کی دیدار سے محروم رکھا گیا ہے، کیا بہو اور ان کے اولیاء کا میرے ساتھ یہ رویہ درست ہے؟

(محمد کلیم، نام پلی)

جواب:- آپ کو شرعاً اپنے پوتے سے ملاقات کا حق حاصل ہے، (1) اور ساتھ ہی

---

(1) "الولد متى كان عند أحد الأبوين لا يمنع الآخر عن النظر إليه و عن تعهده" (رد المحتار: ۲۷۵/۵) محشی۔

ساتھ اس کا نفقہ بھی آپ پر واجب ہے،(۱) مناسب ہوگا کہ آپ اس سلسلہ میں دار القضاء امارت ملت اسلامیہ حسامیہ منزل، پنجہ شاہ، حیدرآباد سے رجوع کریں۔

حق حضانت

سوال:- (1767) مرحوم محمد رشید صاحب نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنی سوا سال بچی چھوڑی، اب اس کا حق حضانت کس کو حاصل ہے؟ اگر ماں کو حاصل ہے اور وہ نہیں کرتی، بلکہ دادا دادی کرتے ہیں تو کیا بچی کے ہوش سنبھالنے کے بعد ماں کو لینے کا حق حاصل ہے؟ —— نیز ان حالات میں جب کہ دادا دادی اس کی پوری توجہ کے ساتھ تعلیم و تربیت دینے میں مشغول و منہمک ہوں، ان حالات میں ماں کے لے جانے سے بچی کی تعلیم و تربیت پر برا اثر پڑ سکتا ہے، نیز پرورش میں بھی دشواریاں پیدا ہونے کا امکان قوی ہے، براہ کرم مسئلہ کی وضاحت مع دلائل کے عنایت فرماویں؟ (ایک دینی بھائی)

جواب:- بچی کی پرورش کی مستحق اس کی ماں ہے۔(۲) جب تک کہ وہ کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کرلے جو یا تو اس بچی کا رشتہ دار ہی نہ ہو، یا ہو تو محرم نہ ہو،(۳) اس کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے۔(۴) پھر دادی کو حق پہونچتا ہے، اگر ماں کچھ وجوہ کی وجہ سے حق پرورش

---

(۱) " النفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيرا فقيرا أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان ذكرا بالغا فقيرا زمنا أو أعمى ، و يجب ذلك على مقدار الميراث و يجبر عليه " (الهداية : ۲/۴۳۶) محشی۔

(۲) " الأم و الجدة أحق بالجارية حتى تحيض " (الهداية : ۲/۴۳۵)

(۳) " والحضانة يسقط حقها بنكاح غير محرم " (رد المحتار : ۲/۶۳۹)

(۴) " فان لم تكن له أم فأم الأم أولى من أم الأب " (الهداية : ۲/۴۳۴)

سے دستبردار ہو جائے تو بھی اس کا یہ حق ختم نہیں ہو جاتا، لڑکی کے بالغ ہونے تک اختیار رہتا ہے کہ جب بھی چاہے دوبارہ اس کا مطالبہ کرے۔(۱) البتہ بالغ ہونے کے بعد دادا کے حوالہ کردے اور دادا کو چاہئے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے اخراجات کی کفالت کرتے رہیں، اور وقتاً فوقتاً نگرانی بھی کرتے رہیں۔

بچے —— نفقہ اور حق پرورش

سوال:- (1768) زید اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے اور مسلم کمیٹی میں اس کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، اس کو دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، جو ماں کے پاس ہیں، زید کس عمر میں ان بچوں کو واپس لے سکتا ہے، نیز بچوں کا نفقہ کس عمر تک واجب رہتا ہے؟ (سید خواجہ معین الدین، جگتیال)

جواب:- لڑکیاں جب تک بالغ نہ ہو جائیں، اگر ماں نے دوسرے سے نکاح نہ کیا ہو، تو اسے پرورش کا حق حاصل ہوگا، اسی طرح لڑکوں کی عمر سات سال ہونے تک، لڑکیوں کا نفقہ شادی ہونے تک باپ کے ذمہ ہے اور لڑکوں کا نفقہ بالغ ہونے تک اور نفقہ کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو جب تک خود اپنی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔(۲)

حق پرورش (فقہ شافعی میں)

سوال:- (1769) میاں بیوی میں جدائی ہوگئی، طلاق کے بعد سے شوہر نے نہ ہی نان ونفقہ دیا اور نہ ہی کوئی مالی امانت کی، ان کے درمیان ایک بچہ ہے، عورت نے وسکول

(۱) " و من سقط حقها بالتزوج يعود اذا ارتفعت الزوجية " (الهداية :۲/۴۳۵)

(۲) الهداية:۲/۴۴۳۔ محشی۔

میں علیحدگی کر کے اس لڑکے کی پرورش کی اس عورت نے اس بچہ کی وجہ سے عقد ثانی بھی نہیں کیا، اب شوہر بچہ کو لیجانا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہے، واضح رہے کہ بچہ کی عمر اس وقت سات سال ہے۔ (یوسف محمد، سید علی گوڑہ، حیدرآباد)

جواب:- امام شافعیؒ کے یہاں حق پرورش کے سلسلہ میں بچہ خود مختار ہے، وہ جس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے، وہی اس کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوگا۔

"الشافعية —— قالوا: ليس للحضانة مدة معلومة فإن الصبي متى ميز بين أبيه و أمه فإن اختار أحدهما كان له" (۱)

لہٰذا بچہ والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہتا ہے وہی حقدار ہوگا۔

---

(۱) کتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۴/۵۹۹۔

ثبوتِ نسب

قیامت کے دن ناجائز اولاد کس کی طرف منسوب ہوگی؟

سوال:- (1770) ناجائز اولاد کو قیامت کے دن ماں کے نام سے پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے، کیا ناجائز اولاد کے نکاح میں لڑکی دی جاسکتی ہے؟

(سید طاہر علی، چندرائن گٹہ)

جواب:- حدیث سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ قیامت میں انسان اپنے باپ کے نام سے پکارا جائے گا، (1) لیکن ناجائز اولاد کس کے نام سے پکاری جائے گی، میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس میں اس کی صراحت ہو، چوں کہ دنیا میں ایسے شخص کو ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور یہی حکم شرعی ہے، کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زانی کے لیے محرومی ہے

---

(1) " قال رسول الله ﷺ: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم و أسماء آبائكم ، فأحسنوا أسمائكم " عن أبي الدرداء ﷺ (سنن أبي داؤد حدیث نمبر: ۴۹۴۸، باب تغییر الأسماء) محشی۔

" و للعاهر الحجر " (۱)؛ اس لیے ممکن ہے کہ آخرت میں بھی وہ ماں ہی سے منسوب ہوں۔ واللہ اعلم۔ جو شخص ثابت النسب نہ ہو، اس سے بھی نکاح کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اس کی بیوی کے لیے نفرت اور آئندہ ناچاقی کا باعث نہ بنے، کیوں کہ نکاح میں دوام واستحکام مقصود ہے۔

سوتیلی اولاد کی اپنے آپ سے نسبت

سوال:- (1771) ایک شخص ایک بیوہ سے نکاح کرتا ہے، نکاح کے وقت بیوہ عورت کی اپنی اولاد بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سوتیلی اولاد بھی، کیا اس شخص کے لئے اپنے آپ کو اس بیوہ کی اولاد کا باپ کہلانے کا حق حاصل ہوگا؟

(واحد علی، مقام غیر واضح)

جواب:- اس بیوہ عورت سے نکاح کرنے والے کی جو اولاد ہو، وہی اس کی طرف منسوب ہوگی، سابق شوہر سے جو اولاد ہے وہ اپنے والد کی طرف ہی منسوب رہے گی، قرآن مجید میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو حقیقی والد کے بجائے کسی اور شخص کی طرف منسوب کیا جائے۔ (۲)

خاتون کے ساتھ والد کا نام لیا جائے یا شوہر کا؟

سوال:- (1772) اگر خاتون کی طرف سے قربانی کی جائے تو خاتون کے نام کے ساتھ والد کا نام لیا جائے یا شوہر کا؟

(محمد سلیم، عابدپاؤکوٹہ)

جواب:- نام کے ساتھ دوسرے نام کی نسبت جوڑنے کا مقصد تعارف ہے، تعارف کا

---

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۱۵۷، باب ما جاء أن الولد للفراش۔ محشی۔
(۲) الاحزاب: ۵۔ محشی۔

مقصد والد کی نسبت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور شوہر کی نسبت سے بھی، اس لئے دونوں ہی صورت درست ہیں، البتہ باپ کا رشتہ دائمی ہے جو ختم نہیں ہو سکتا اور شوہر کے رشتہ میں بہر حال ختم ہونے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اس لئے باپ کا نام لینا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بچے کو گود لینے والے کے نام منسوب کرنا

سوال:- {1773} اگر کسی بچہ کو گود لیا جائے تو اس کے ساتھ گود لینے والے کا نام لگایا جائے یا اس کے اصل والد کا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اسلام میں بچہ کو گود لینے کی وجہ سے اس کا رشتہ گود لینے والے سے قائم نہیں ہوتا، اس لیے اسے اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے ہی پکارنا چاہئے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا صریح اور واضح ارشاد موجود ہے، کہ انھیں ان کے والد کے نام ہی سے پکارو!

﴿ أُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۱)

منہ بولے بچے

سوال:- {1774} اگر کسی کو اولاد نہیں ہوئی ہو، وہ کسی اور کو اپنی اولاد کا درجہ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور آخرت میں اس کے ماں باپ کون ہوں گے، وہ جو ان کے اصل ماں باپ ہیں یا ان کی پرورش کرنے والے؟

(مرزا واجد بیگ، گلشن نرمل)

جواب:- کسی بچہ کو منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنانے کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو ان کی پرورش، کفالت اور تعلیم و تربیت کا ہے، یہ تو شرعاً پسندیدہ بھی ہے اور قابل احترام بھی اور اسلام نے اس

---

(۱) الاحزاب ۵۔

کی حوصلہ افزائی کی ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت فرمائی اور حضرت ابوطالب کے ایک لڑکے کی کفالت کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواہش کی، یتیم بچوں کی کفالت کی خاص طور پر ترغیب دی اور ارشاد فرمایا:

" أنا و كافل اليتيم في الجنة كهاتين " (۱)

" یتیموں کی کفالت کرنے والے اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے"

یہ بات آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے بارے میں کہی، اس لیے اپنے خاندان یا اپنی قوم کے کسی بچہ کو اپنے بیٹے کی طرح پرورش کرنا عند اللہ باعث اجر ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ احکام و قانون میں اس کو اولاد ہی کا درجہ دیا جائے، نکاح کی حرمت و حلت اور پردہ کے احکام میں بھی اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے، اس کو بھی میراث کا حق حاصل ہو، منہ بولا بنانے کی یہ صورت جو دنیا کی مختلف قوموں میں مروج ہے، جس کا رواج اسلام سے پہلے عربوں اور یونانیوں میں بھی تھا، اور جس کی گنجائش ہمارے ملک کے دوسرے ملکوں اور قوانین میں فراہم کی گئی ہے، اسلام اس کا قائل نہیں اور قرآن نے صراحتاً اس غیر فطری رشتہ کی نفی کی ہے۔(۲)

اصل میں بعض رشتے محض زبان کے بول سے متعلق ہیں، جیسے نکاح و طلاق اور بعض رشتے مصنوعی نہیں بلکہ فطری ہیں، جو براہ راست قدرت خداوندی ہی سے وجود میں آتے ہیں، ماں باپ اور اولاد کے رشتے ایسے ہی ہیں، محض کسی کو اولاد یا ماں باپ کہہ دینے سے والدین اور اولاد کے رشتے قائم نہیں ہو سکتے ہیں، اس لئے اس پہلو سے کسی کو اولاد کا درجہ دینا درست نہیں، نکاح میں بھی جو حقیقی باپ ہیں ان ہی کے نام لکھے جائیں اور آخرت میں بھی جو اصل والدین

---

(۱) الجامع للترمذي، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر:۱۹۳۱۔
(۲) الاحزاب:۵-۴۔ محشی۔

ہیں، وہی ان بچوں کے والدین شمار ہوں گے، البتہ جن لوگوں نے پیار و محبت کے ساتھ کسی بچہ کی پرورش کی ہے ان کو پرورش کا شایان شان اجر حاصل ہوگا، اور ممکن ہے کہ یہ اجر ان کے اصل ماں باپ سے بھی بڑھ جائے۔

نسبت باپ ہی کی طرف ہونی چاہئے

سوال:- {1775} زید کی پیدائش کے بعد زید کے والد نے زید کی والدہ کو طلاق دیدی، اور زید کی والدہ نے دوسری شادی کرلی، اب زید اپنی والدہ کے دوسرے شوہر کے ساتھ رہتا ہے، ایسی صورت میں زید کے ساتھ اس کے اصل والد کا نام لیا جائے، یا والدہ کے دوسرے شوہر کا؟

(بی، ایم حسین، مشیر آباد)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی بچہ کو اس کے باپ کے بجائے دوسروں کی طرف منسوب کیا جائے:

﴿ أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ﴾ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس بات کی سخت مذمت فرمائی کہ آدمی اپنی نسبت اپنے باپ کے بجائے دوسرے کی طرف کرے۔ (۲) اس لئے زید کے ساتھ بحیثیت والد اس کے باپ ہی کا نام لیا جانا چاہئے، والدہ کے دوسرے شوہر کا نام اپنے ساتھ بحیثیت والد جوڑنا جائز نہیں، کیوں کہ نسب ایک فطری رشتہ ہے، جسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) الاحزاب :۵۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۰، کتاب الایمان ۔ محشی ۔

لے پالک کی شرعی حیثیت

سوال:- {1776} زید نے بکر سے بکر کی لڑکی پیدائش کے دن رضامندی سے لے لیا تھا، زید نے لڑکی کی پرورش کی، پڑھایا اور دیگر ضروریات کے کام بھی سکھایا، اب اس لڑکی کا رشتہ طے ہوا ہے اور عنقریب شادی ہونے والی ہے تو عقد کے دن سیاہ نامہ میں والد کی حیثیت سے بکر کا نام لکھایا جائے یا زید کا؟ اب دونوں اس بات کے خواہاں ہیں کہ سیاہ نامہ میں والد کی حیثیت سے ان کا نام درج ہو، اصل مسئلہ کیا ہے؟

(محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)

جواب:- اسلام میں گود لینے کی کوئی قانونی اہمیت نہیں، اسلام سے پہلے عربوں میں بھی گود لینے کا رواج تھا، اسلام کے بعد بھی ابتدائی زمانہ میں یہ رواج باقی رہا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے غلام تھے، ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے آئے اور آپ ﷺ نے ان کو جانے کا اختیار دے دیا، اس کے باوجود انہوں نے والد اور چچا کے ساتھ جانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی، آپ ﷺ ان کی اس فداکاری اور جاں نثاری سے بہت خوش ہوئے، ان کو آزاد کر دیا اور اعلان فرمادیا کہ اب یہ میرے لے پالک بیٹے اور زید بن محمد ﷺ ہیں، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو "زید بن محمد ﷺ" کہنے لگے۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴ اور ۵ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے، لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنا دیا ہے، یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں، اللہ حق بات ارشاد فرماتے ہیں اور صحیح راستہ کی ہدایت دیتے ہیں،

ان کو ان کے والد کی طرف منسوب کرکے پکارا کرو، اللہ کے
نزدیک یہی قرین انصاف ہے، اگر تم ان کے والد کو نہیں
جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، جو کچھ غلطی
تم سے ہو چکی، اس میں کچھ حرج نہیں، لیکن تمہارے دل
آئندہ (جس غلطی کو) بالارادہ کریں (تو اس پر مواخذہ ہوگا)
اور اللہ بخشنے والے اور مہربان ہیں۔" (۱)

اس آیت کے ذریعہ یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ بچے اپنے باپ ہی کی طرف منسوب کئے جائیں گے، گود لینے والوں کی طرف ان کی نسبت کرنا جائز نہیں، کسی لڑکی کی پرورش کرنے کی وجہ سے وہ محرم نہیں ہو جاتی، غیر محرم باقی رہتی ہے، لہذا اسپاہ نامہ میں اس لڑکی کے باپ کی حیثیت سے بکر ہی کا نام لکھا جائے، نہ کہ زید کا، البتہ زید کو لڑکی کی پرورش اور اس کی شادی کے سلسلہ میں ان شاء اللہ بہت اجر حاصل ہوگا۔

باپ اور شوہر کی بابت غلط نسبت

سوال:- (1777) ایک شخص یا خاتون سفارتی افسر کے روبرو پیش ہوئی، اور اپنے باپ کو کسی غیر مرد یا عورت کا بیٹا یا شوہر کہا، حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے تو کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟ اور کسی دوسرے مرد کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والی عورت اپنے حقیقی شوہر کی زوجیت میں باقی رہے گی؟

(ایک قاری منصف)

جواب:- اپنے آپ کو اپنے والد کے بجائے دوسرے کی طرف منسوب کرنا سخت گناہ ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) الاحزاب: ۵-۳۔ مجمعی۔

"جس نے جانتے بوجھتے اپنے باپ کے بجائے دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، اس نے کفر کیا" (۱)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔ (۲) اس لئے ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اور یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ دنیا کے تھوڑے مفاد کے لئے اپنے آپ کو آخرت سے محروم کر لیا جائے اور یہ صرف باپ کی نسبت ہی پر موقوف نہیں، شوہر و بیوی کے بارے میں بھی غلط نسبت کرنا اسی طرح گناہ ہے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہر غلط نسبت کی ممانعت کی گئی ہے، اور آپ نے فرمایا: ایسا کرنے والا ہم میں سے نہیں: "من ادعی ما لیس لہ فلیس منا" (۳) البتہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کا غلط نام بتائے تو گو یا سخت گناہ اور نہایت ہی ناشائستہ قسم کا جھوٹ ہے، لیکن اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور وہ اصل شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے۔

متوفی کے نطفہ سے حمل

سوال:- (1778) چند دنوں پہلے اخبارات میں یہ خبر آئی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا، متوفی کی بیوی نے خواہش کی کہ اس کے لئے متوفی کا مادۂ منویہ محفوظ کر دیا جائے، کہ وہ اس سے حاملہ ہونا چاہتی ہے، چنانچہ میت کے جسم سے مادۂ منویہ حاصل کر کے محفوظ کر دیا گیا، جو مصنوعی طریقہ پر اس کی بیوہ کے رحم میں پہنچایا جائے گا، تا کہ وہ اپنے شوہر سے حاملہ ہو، کیا یہ صورت اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہوگی؟ جبکہ نطفہ اس

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷، کتاب الإیمان۔ محشی۔
(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۷۶۶-۶۷۶۷۔ محشی۔
(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷، کتاب الإیمان۔ محشی۔

کے شوہر ہی کا ہے یا کسی اجنبی مرد کا، اور اگر واقعی اس سے
بچہ ہو جائے تو کیا اس بچہ کا نسب متوفی سے ثابت ہوگا؟

(عبد الواحد، چنچل گوڑہ)

جواب:- شرعاً موت بھی ان اسباب میں سے ایک ہے جن سے مرد و عورت کا رشتۂ نکاح منقطع ہو جاتا ہے، لہذا جب مرد کا انتقال ہو گیا تو اب وہ اس کے حق میں شوہر اور عورت اس کے حق میں بیوی باقی نہ رہی، اب دونوں کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے اجنبی کی ہے، اس لئے ایک دوسرے کے مستور اعضاء کو دیکھنا بھی جائز نہیں رہا، لہذا عورت کے لئے اب اس کے نطفہ سے استفادہ ایک اجنبی شخص کے نطفہ سے فائدہ اٹھانا ہے، جس کا ناجائز اور گناہ ہونا ظاہر ہے، اس کے علاوہ یہ استقرار حمل کا غیر فطری طریقہ ہے، اس لئے یوں بھی مذموم ہے۔

بچہ کا نسب مرد سے اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ عورت اس کے لئے فراش ہو، یعنی بیوی یا باندی ہو، جب موت کی وجہ سے رشتۂ نکاح ختم ہو گیا، اور وہ عورت اس مرد کے حق میں فراش باقی نہیں رہی، تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب بھی ظاہر ہے کہ اس مرد سے متعلق نہیں ہوگا، اس لئے اگر متوفی کا نطفہ بارآور ہو جائے، جب بھی وہ بچہ اس مرد کی طرف منسوب نہ ہوگا، جیسا کہ زنا کی وجہ زانی سے نسب ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس سے میراث کا حقدار ہوگا۔(۱)

بچہ کی نسبت باپ کے بجائے دوسرے کی طرف

سوال:- {۱۲۲۹} (الف) زید نے اپنی ایک لڑکی بکر کو جو لاولد تھا، دے دی، زید نے لڑکی کی پرورش کی اور اس کی تعلیم کا نظم کیا، لیکن بکر نے مدرسہ میں لڑکی کے باپ کی

---

(۱) عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر (الجامع للترمذي، حديث نمبر ۱۱۵۷، باب ما جاء أن الولد للفراش) محشی۔

حیثیت سے اپنا نام لکھایا، اسی طرح لڑکی کی شادی کے موقع پر
بھی بکر نے سیاہ نامے پر اپنا نام ولدیت میں لکھوایا، لوگوں کے
منع کرنے کے باوجود وہ اس پر قائم ہے، تو کیا بکر کا اپنے آپ
کو باپ کہنا درست ہے؟ (محمد شرف الدین قریشی، رحمت نگر)
(ب) ایک بچہ جو کچرے کی کنڈی کے پاس پایا گیا،
ایک شخص نے پالنے کی غرض سے اسے رکھ لیا، اب سوال یہ ہے
کہ جب بچہ کی ولدیت لکھانے کا مسئلہ درپیش ہو تو باپ کی
حیثیت سے کس کا نام لکھا جائے؟

(محمد شریف الامین، واحد کالونی)

جواب:- (الف) بچوں کو ان کے والد ہی سے منسوب کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ﴾(۱) اس لئے بکر کو چاہئے تھا کہ لڑکی کے ساتھ اس کے والد زید کا نام لکھاتا، تاہم چونکہ عاقدین کے ذہن میں لڑکی کا وجود متعین تھا، اس لئے نکاح منعقد ہو گیا۔

(ب) جو بچہ پڑا ہوا ملا ہو، اس کے لئے بھی یہی حکم ہے، البتہ چونکہ اس کے والد کا نام معلوم نہیں، اس لئے اس کو فلاں بن آدم کہنا مناسب ہوگا، کہ اس طرح اس کو بے عزتی اور بے آبروئی سے بچایا جا سکتا ہے۔

شریعت میں متبنّیٰ کی حیثیت

سوال:- (1780) اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے،
اس کو کوئی اولاد نہ ہو، اس کی بیوی نے ایک لڑکی کو متبنّیٰ بنا لیا ہو،
تو کیا وہ گھر بیچ کر لڑکی کی شادی کر سکتی ہے؟ جبکہ شوہر کا انتقال

(۱) الاحزاب: ۵۔ محشی۔

ہو چکا ہے اور شوہر کا بھائی اور ان کی اولاد موجود ہے؟

(سید طاہر علی، حافظ بابا نگر)

جواب:- اسلام میں متبنّٰی کی کوئی اصل نہیں، یعنی اگر کوئی شخص کسی کو منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنالے تو اس کی وجہ سے وہ اولاد کے حکم میں نہیں ہوتے، البتہ اگر کوئی شخص حسن سلوک کی نیت یا اپنی آسانی کے لئے کسی بچہ یا بچی کی پرورش کرلے تو یہ جائز ہے، جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے تو اگر وہ گھر مرحوم کی زوجہ کا ہو یا مرحوم نے اپنی زندگی میں اسے ہبہ کردیا ہو تو ان کے لئے اس کو فروخت کرکے حسب منشا خرچ کرنا جائز ہے اور اگر مکان اس کے شوہر مرحوم کا ہے تو پھر تمام ورثاء کے حقوق اس سے متعلق ہوں گے، البتہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض دفعہ لوگ متروکہ میں حصہ لینے کے لئے تو تیار رہتے ہیں، لیکن کسی شخص کے گذر جانے کے بعد اس کے پسماندگان سے متعلق جو حقوق خود اس پر عائد ہوتے ہیں اس پر کوئی توجہ نہیں کرتے، یہ قانون شریعت کا استحصال اور خود غرضی کیسے ہیں کا مظاہرہ ہے۔

❁ • ❁ • ❁

کتاب الفتاویٰ

پانچواں حصہ

کتاب الفسخ والتفریق

فسخ وتفریق سے متعلق سوالات

فسخ وتفریق

بیوی سے غیر فطری عمل

سوال:- {1781} ایک مسلمان شوہر اپنی بیوی سے
غیر فطری جنسی تسکین زور وزبردستی کرتا ہے، بیوی اس عمل کو
روکنے پر قادر نہیں؟ وہ کیا کرے؟ (ایک دینی بہن)

جواب:- اسلام دین فطرت ہے اور اس نے قانون فطرت کے دائرے میں رہتے ہوئے انسانوں کی ضروریات اور تقاضوں کو پوری کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن انسان فطرت اور شریعت کی حدوں کو پھاند جائے، یہ قطعاً درست نہیں اور اس میں نہ صرف آخرت کا نقصان ہے، بلکہ فطرت سے بغاوت انسان کو دنیا میں بھی نقصان سے دوچار کرتی ہے، اس لیے شوہر کا یہ عمل قطعاً حرام اور گناہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے تاکیداً اس سے منع فرمایا ہے،(۱) جو باتیں گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوں، ان میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اس لیے بیوی پر اس معاملہ

---

(۱) "عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: "ملعون من أتى امرأته في دبرها" (سنن أبي داؤد: ۱/۲۹۳، باب في جامع النكاح) محشی۔

میں شوہر کی اطاعت نہ واجب ہے اور نہ جائز، بیوی کے لیے یہ بات درست ہے کہ اگر شوہر کو سمجھانے کے باوجود اس سے باز نہ آئے تو خاندان کے بزرگوں، یا سماج کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے اپنی شکایت پیش کرے، تاکہ وہ شوہر کی تنبیہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ظلم سے بچنے کے لیے بری بات کو ظاہر کردے:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (۱)

اور اگر وہ ایسے ظالم شوہر سے علاحدگی چاہتی ہو، تو اسے اس کا بھی حق ہے، وہ دار القضاء، یا شرعی پنچایت میں اس بنیاد پر تفریق کا مقدمہ کر سکتی ہے اور قاضی بشرط ثبوت اس کا نکاح فسخ کر سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ عورت کے لیے ضرر شدید ہے، اور رفع ضرر قاضی کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

کیا یہ صورتیں ''شقاق'' (شدید اختلاف) کی ہیں؟

سوال:- {1782} فریقین کی ازدواجی زندگی کے متعلق پولیس میں لا متنازل یا حکومت کی عدلیہ میں کسی ایک فریق کا جانا شقاق ثابت ہونے کے لیے کافی ہے؟

(عبدالاحد فلاحی، دار القضاء ممبئی)

جواب:- شقاق کے معنی زوجین کے درمیان ایسی شدید نفرت پیدا ہو جانے کے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کو قائم رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی نہ گزار سکیں، ایسی صورت میں قاضی دونوں کے درمیان مصالحت کے لیے دو حکم مقرر کریں گے، اگر حکم حضرات کی کوشش کے باوجود اصلاح حال نہ ہو سکے، تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے گا۔ (۲)

---

(۱) النساء: ۱۴۸، رحمانی۔

(۲) ملاحظہ ہو: مجموعہ قوانین اسلامی، دفعہ: ۸۲۔

کسی معاملہ کا پولیس میں یا متذل یا عدالت میں جانا لازماً زوجین کے درمیان شدید نفرت اور اختلاف کی دلیل نہیں، کیوں کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زوجین کے اولیاء کسی بات کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر معاملہ کو ان اداروں تک پہنچا دیتے ہیں، حالانکہ خود میاں بیوی کے درمیان ایسی نفرت نہیں ہوتی، اسی طرح بعض دفعہ دوسرے لوگوں کے اکسانے پر یا وکیل کی طرف سے غلط رہنمائی کی باعث اس کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے محض ان اداروں میں کسی فریق کا چلا جانا شدید نفرت جس کو فقہ کی اصطلاح میں "شقاق" کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے زوجین کے درمیان تفریق کرنا درست ہو جاتا ہے، کی دلیل نہیں۔

ہندوستانی عورت بیرون ملک میں شوہر کی زیادتی کو کیسے ثابت کرے؟

سوال:- {1783} عورت کا دعویٰ ہے کہ شوہر نے اس پر زیادتی کی ہے، عورت ہندوستان کی ہے اور شوہر پاکستان کا باشندہ ہے، اس صورت میں بظاہر عورت کے لیے گواہ پیش کرنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

(عبدالاحد فلاحی، دارالقضاء ممبئی)

جواب:- ایسی صورت میں شوہر کو دفع الزام کے لیے ہندوستان طلب کیا جائے گا، اگر باوجود اطلاع کے وہ حاضر نہ ہو اور پیروی نہ کرے تو یہ اس کی طرف سے عورت کے دعویٰ کی تصدیق سمجھی جائے گی اور اگر حاضر ہو جائے تو پھر فریقین کے بیانات اور اصول شرعی کے مطابق جس فریق کی طرف سے ثبوت پیش کیا جائے اس کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا، اگر قاضی چوکسی اور ذہانت سے کام لے تو فریقین کے بیان میں ہی بہت سی باتوں کا براہ راست یا بالواسطہ اقرار کرا سکتا ہے اور اس طرح صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

اگر عورت کا فاحشہ ہونا ثابت ہوجائے تو؟

سوال:- {1784} مدعاعلیہ نے دارالقضاء میں ثابت کردیا کہ مدعیہ فاحشہ ہے، تو مقدمہ خارج کردیا جائے گا، یا نکاح فسخ کردیا جائے گا؟ (عبداللہ صدیقی، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- اس کا انحصار دعوی اور اس کے ثبوت پر ہے، اگر عورت نے فسخ نکاح کا جو سبب پیش کیا ہے، وہ شوہر میں موجود ہو، تو چوں کہ سبب فسخ موجود ہے، اس لیے قاضی شریعت نکاح فسخ کردے گا، عورت کا فاحشہ ہونا بہت بڑا گناہ ہے، اور اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس پر حد شرعی جاری کی جاتی؛ لیکن مختلف رشتہ داروں پر جو حقوق رکھے گئے، اس گناہ کی وجہ سے وہ ان حقوق سے محروم نہیں ہوسکتی، بلکہ ایسی صورت میں چوں کہ زوجین کے درمیان باہمی اعتماد اور محبت کے ساتھ زندگی گزرنا دشوار ہے، اس لیے شوہر پر واجب ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے، کیوں کہ اگر کوئی شخص بیوی کو معروف وخوشگوار طریقہ پر رکھ نہیں سکے، تو اس پر یہ بات واجب ہوتی ہے کہ بھلے طریقہ پر بیوی کو چھوڑ دے،(۱) تاکہ دونوں اپنے پسند کے نئے گھر بسا سکیں، بہر حال ایسی صورت میں عورت کی فہمائش ہونی چاہئے اور شوہر کو آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ طلاق دے کر اس رشتہ کو ختم کردے۔

سرعت انزال کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال:- {1785} مدعیہ نے حاضر ہوکر یہ دعوی کیا کہ میرے شوہر کو سرعت انزال کی شکایت ہے اور وہ مجھے جنسی آسودگی نہیں دے سکتے جس کی بناء پر میں بہت زیادہ پریشان رہتی ہوں اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے، مدعیہ کو

(۱) ﴿فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف﴾ (البقرۃ: ۲۳۱) محشی۔

مدعا علیہ سے اولاد بھی ہے، تو ایسی عورت کا دعویٰ قابل سماعت ہوتو اس کا ثبوت کیوں کر ممکن ہوگا؟

(عبد الاحد فلاحی، دار القضاء ممبئی)

جواب:- جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، وہ قابل علاج ہے، لہذا اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا، البتہ قاضی مرد کو حکم دے گا کہ وہ مناسب طریقہ پر اپنا علاج کرائے، اگر مرد عورت سے جنسی اتصال پر بالکل ہی قادر نہیں ہے تو اس صورت میں عورت کو حق ہوگا کہ وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے،(۱) خواہ یہ کیفیت شروع سے رہی ہو، یا کسی خاص وجہ سے بعد میں پیدا ہوگئی ہو۔

اگر لاپتہ شخص فون سے بات کرے؟

سوال:- {1786} اگر مفقود الخبر دار القضاء فون کر کے رابطہ کرے اور حاضر نہ ہو، نہ اپنا پتہ دے اور فون نمبر سے بھی واقف نہ کرائے، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(عبد الاحد، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- اگر کوئی شخص فون پر اپنی شناخت ظاہر کرے، تو اس کا اعتبار نہیں، کیوں کہ یہ فون جھوٹ پر مبنی ہو سکتا ہے، اس لیے ایسا شخص مفقود الخبر (لاپتہ) آدمی ہی کے حکم میں ہے، اگر وہ اپنی بیوی کے لیے نفقہ چھوڑ کر گیا ہو اور عورت اپنے اندر صبر کی قوت پاتی ہو، اس کی عفت وعصمت کو خطرہ نہ ہو، تو قاضی کے حکم سے چار سال انتظار کرے گی،(۲) پھر اس کے لیے دوسرا نکاح جائز ہوگا، اور اگر عورت اپنے اندر اتنے دنوں قوت برداشت نہ پاتی ہو، تو ایک سال انتظار کر کے قاضی اس کا نکاح فسخ کرے گا (۳) اور اس صورت میں عورت عدت وفات کے بجائے

(۱) مجموعہ قوانین اسلامی: دفعہ ۸۴۔ محشی۔
(۲) الحیلۃ الناجزۃ: ص: ۷۰۔ محشی۔
(۳) الحیلۃ الناجزۃ: ص: ۸۱۔ محشی۔

عدت طلاق گزارے گی۔(۱) نیز عدت گزرنے کے بعد دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی، یہ فقہاء مالکیہ کا مسلک ہے اور ماضی قریب کے علماء حنفیہ نے بھی ضرورتاً اسی پر فتوی دیا ہے۔(۲)

اگر شوہر کوئی ایسی جائداد یا پیسے چھوڑ کر لاپتہ ہوا ہو، جس سے نفقہ ادا کیا جاسکے، تو قاضی نفقہ ادا نہ کرنے کی بناء پر فی الحال اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے۔(۳)

البتہ اگر کسی اور قرینہ سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ فون مفقود الخبر شخص ہی کا تھا تو یہ غائب غیر مفقود الخبر سمجھا جائے گا، غائب غیر مفقود الخبر سے ایسا شخص مراد ہے، جس کا زندہ ہونا معلوم ہو، لیکن اس کا پتہ معلوم نہ ہو، یا اس کی جائے قیام بھی معلوم نہ ہو، لیکن وہ بیوی کے پاس نہ آتا ہو اور نہ اسے بلاتا ہو،(۴) قاضی شریعت مناسب ثبوت و شہادت کی فراہمی کے بعد ایسے شخص کا نکاح بھی فسخ کرسکتا ہے۔(۵)

اگر مدعیہ کے پاس گواہ نہ ہو اور مدعا علیہ قاضی شریعت کے سامنے بدکلامی کرے؟

سوال:- {1787} مدعا علیہ نے حاضر ہو کر بدکلامی اور بدسلوکی کی اور مدعیہ کے پاس اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ نہیں ہے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ (عبدالاحد، دار القضاء، ممبئی)

جواب:- اگر مدعا علیہ نے دار القضاء میں حاضر ہو کر رفع الزام نہیں کیا، اور جس مسئلہ کا بار ثبوت اس کے ذمہ تھا اس کو ثابت نہیں کیا، بلکہ بدسلوکی اور بدکلامی کی راہ اختیار کی، تو مدعیہ سے

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) دیکھئے: الحیلة الناجزة حکم زوجہ مفقود۔

(۳) الحیلة الناجزة ص ۱۲۳۔

(۴) دیکھئے: الحیلة الناجزة حکم زوجہ مفقود کی۔

(۵) ملاحظہ ہو: مجموعہ قوانین اسلامی، دفعہ: ۳۳۲۔

قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، عرف عام میں تو دار القضاء میں جو شخص پہلے اپنے معاملہ کو پیش کرے، وہ مدعی اور دوسرا فریق مدعا علیہ کہلاتا ہے، لیکن حقیقۃً مدعا علیہ بہت سے معاملات میں مدعی اور مدعیہ مدعا علیہا ہوتی ہے، مثلاً: عورت نے کہا کہ اس کا شوہر اسے نفقہ نہیں دیتا، اور شوہر کہتا ہے کہ وہ نفقہ ادا کرتا رہا ہے، تو یہاں اصل میں شوہر مدعی ہے اور نفقہ ادا کرنے کے سلسلہ میں بار ثبوت اس کے ذمہ ہے، اگر مرد نے بیوی کی رخصتی کا مطالبہ کیا اور عورت نے جواب میں کہا کہ شوہر کے مار پیٹ کرنے کی وجہ سے وہ جانے کو آمادہ نہیں ہے، تو گو فائل میں پہلے درخواست دینے کی وجہ سے شوہر کو مدعی سے موسوم کیا جائے گا، لیکن حقیقت میں دعویٰ عورت کی طرف سے ہے اور شوہر کی طرف سے مار پیٹ کا ثبوت اسے فراہم کرنا ہے، اس لیے اگر مقدمہ کی تہہ میں جایا جائے اور غور کیا جائے تو بہت سی صورتوں میں مدعا علیہ پر ثبوت کی ذمہ داری ہوگی، ایسی صورت میں اس کے ثبوت پیش نہ کرنے کی بنیاد بنا کر دوسرے فریق کے حلف پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر اس کی حیثیت شرعاً مدعی کی نہ ہو اور وہ رفع الزام نہیں کرتا، تو علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے "معین الحکام" میں رفع الزام سے جانتے بوجھتے گریز کرنے کو حلف سے انکار "نکول عن الحلف" کے حکم میں رکھا ہے۔(۱)

ہاسپٹل کی رپورٹ کی شرعی حیثیت

سوال:- {1788} گورنمنٹ یا میونسپل ہاسپٹل رپورٹ میں استقاط حمل کا سبب شوہر کی ضرب کو قرار دیا گیا ہو، تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر یہی کاغذات کسی پرائیوٹ ڈاکٹر کے مصدقہ ہوں تو ان کی کیا حیثیت ہوگی؟

(عبد اللہ صدر دار القضاء، ممبئی)

جواب:- مار پیٹ کے ثابت ہونے کے لیے ثبوت شرعی ضروری ہے، شوہر کا اقرار ہو یا

(۱) معین الحکام ص: ۹۷، ط: دار الفکر، بیروت۔

چشم دید گواہان موجود ہوں، یا ایسے گواہان موجود ہوں جن کے سامنے شوہر نے اس کا اقرار کیا ہو یا عورت کے پاس ثبوت نہ ہو، شوہر کو انکار ہو، لیکن وہ اس پر قسم کھانے کو بھی تیار نہ ہو، پھر اگر ثبوت شرعی کی بناء پر شوہر کا زدوکوب کرنا ثابت ہو جائے، تو اس بات کے لیے کہ فلاں زخم یا اسقاط شوہر کے زدوکوب کا نتیجہ ہے، ماہر معتبر مسلمان ڈاکٹر کی خبر پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ دار القضاء نے اپنے طور پر جانچ کرائی ہو، آج کل گورنمنٹ ہاسپٹل یا پرائیوٹ ڈاکٹر سے فریقین میں سے کوئی اپنے طور پر اس سے جانچ کرائے تو اس کا اعتبار نہیں، کیوں کہ رشوت لے کر غلط رپورٹ دینا عام ہو چکا ہے، اور خوف آخرت سے محروم ہونے کی وجہ سے ایسی رپورٹ پر اعتماد کرنا ممکن نہیں ہے۔

ثبوت زنا کے لیے ڈاکٹری رپورٹ

سوال:- {1789} ایک بیوہ عورت سے زنا کا صدور ہو گیا ہے، اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی ہے، اس کا بیان ہے کہ مظفر نے میرے ساتھ یہ غلط حرکت کی ہے، مظفر ایک دیندار صوم و صلوۃ کا پابند دینی طالب علم ہے، جس کی عمر تقریباً بیس سال ہے، اس کی طرف شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا، وہ اس واقعہ سے قطعی طور سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے، اور اپنی براءت ظاہر کر رہا ہے، اس عورت نے تو پہلے ہائیکل لوگوں کے پوچھ گچھ پر انصار کا نام بتلایا، انصار کا چوں کہ کوئی پتہ نہیں ہے، اس لیے اس نے نام بدل کر مظفر کو مورد الزام ٹھہرایا، یہ عورت بے پردہ ہے اور صلوۃ و صوم سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، بے حجاب بازاروں میں گھومنا پھرنا اس کا شیوہ ہے، ایسی صورت میں اس مسئلہ کو مقامی پنچایت کس طرح حل کرے، کیا مقامی پنچایت اس عورت کے بیان پر لڑکے کو زانی قرار دے سکتی ہے، یا اس

لڑکے سے برات کے لیے قسم لی جاسکتی ہے؟ کیا اس لڑکے کا نکاح جبراً اس عورت سے کیا جاسکتا ہے؟ کیا لڑکے پر کچھ مالی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے؟ کیا ڈاکٹری ریسرچ کے ذریعہ ہر دو کے جنس کا معاینہ کرا کر ڈاکٹری رپورٹ پر ثبوت زنا یا عدم ثبوت کا فیصلہ کیا جانا ازروئے شرع درست ہے؟

(خواجہ معین الدین اقبال کالونی، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ ثبوت زنا کے لیے دو چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، یا تو زانی اپنے زنا کا اقرار کرے یا پھر مدعی شہادت پیش کرے، شہادت میں چار عینی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، اگر چار گواہوں سے کم ہوں تو پھر وہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ صورت مسئولہ میں اقرار نہیں پایا جارہا ہے، بلکہ متعلق شخص کی طرف سے انکار ہے اور نہ شہادت پائی جارہی ہے، نیز اس عورت کے بیان میں تضاد بھی ہے، لہذا اس صورت میں:

۱) مدعا علیہ مظفر کو زانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲) اور نہ ہی اس سے جبراً زانیہ کا نکاح کرایا جاسکتا ہے۔

۳) مالی جرمانہ عائد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۴) ڈاکٹری ریسرچ کے ذریعہ ڈاکٹر کے رپورٹ پر ثبوت زنا یا عدم ثبوت زنا کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، بعض فقہاء نے ثبوت نسب کے لیے قیافہ کو حجت تسلیم کیا ہے، لیکن ثبوت زنا کے لیے بالاتفاق وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں یا تو اقرار یا شہادت، اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔(۱)

(۱) "ویثبت (الزنا) بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد ... بلفظ زنا لا مجرد لفظ الوطء و الجماع ... فيسألهم الإمام عنه ما هو و كيف هو و اين هو و متى هو زنى و بمن زنى ... و يثبت أيضا بإقراره" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۴۲/۳)

کیا فون کا ریکارڈ ثبوت کے لیے کافی ہے؟

سوال:- {1790} شوہر اپنی بیوی کو فون پر دھمکیاں دیتا رہتا ہو، بیوی اپنے فون ٹیلیفون محکمہ سے ریکارڈ کروائے، ان کیسٹوں کا کیا حکم ہے؟ (عبداللہ صدیقی، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- شریعت میں فیصلہ کی جو بنیادیں ہیں، ان میں ایک قرینۂ قاطعہ بھی ہے اور اس کی دلیل قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے، جب کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو متہم کیا تو ایک شیر خوار بچے سے کہلوایا گیا کہ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہو تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف دلیل ہوگی، اور اگر پیچھے سے پھٹی ہو تو یہ ان کی سچائی کی دلیل ہوگی۔ (۱) یہ اصل میں قرینہ کی طرف اشارہ تھا، کیوں کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے اقدام ہوتا تو ضروری تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے آگے کی طرف سے دامن تھاما ہوتا اور دامن کا پیچھے کی طرف سے پھٹا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے نجات چاہتے تھے، چنانچہ وہ بھاگے اور پیچھے سے عزیز مصر کی بیوی نے دامن تھاما اور دامن پیچھے سے پھٹا ہوا نکلا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر ہوگئی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک ایسی عورت پر زنا کی سزا جاری کرنے کا حکم فرمایا، جس کا نہ شوہر تھا اور نہ آقا، کیوں کہ حمل زنا کے لیے قرینہ ہے۔ (۲) اسی طرح ایک شخص کے منہ میں شراب کی بو پائی گئی، یا اس نے شراب کی قے کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے شراب پینے کی سزا کا حکم دیا۔ (۳) چنانچہ علامہ ابن قیم نے "الطریق الحکمیہ" میں (۴) اور علامہ علاء الدین

---

(۱) یوسف: ۲۸-۲۶۔

(۲) الطرق الحکمیہ، ص: ۲، موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ص: ۲۴۳، مجلی۔

(۳) الطرق الحکمیہ، ص: ۲۔

(۴) حوالہ سابق۔

طرابلسی نے ''معین الحکام''(۱) میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

پس مختلف ٹیلیفون کا کیسیٹ ریکارڈ قرینہ ظاہرہ کے درجہ میں ہے اور اگر قاضی مرد کی آواز سے اس کو اچھی طرح ہم آہنگ پائے اور دعویٰ دلیل اور آواز میں اشتباہ والتباس نہ ہونے کا اطمینان کرلے تو اس پر اعتماد کرسکتا ہے۔

خلاف فطرت فعل کی وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ

سوال:- [1791] عورت کا دعویٰ ہے کہ اس کا شوہر اسے غیر فطری طریقہ یعنی پیچھے کی راہ سے خواہش کی تکمیل کے لیے مجبور کرتا ہے تو کیا یہ فسخ نکاح کی وجہ بن سکتی ہے؟

(عبداللہ صدیقی، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- فقہ مالکیہ کے نزدیک اگر شوہر بیوی کو جسمانی اذیت پہنچاتا ہو، یا کسی حرام کام پر مجبور کرتا ہو، تو بیوی کو حق ہے کہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی مناسب سرزنش کرے یا عورت کو اس سے علاحدہ کردے۔(۲) اس دور میں علماء حنفیہ کا بھی اسی پر فتویٰ ہے اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت مرتب ہونے والے ''مجموعہ قوانین اسلامی'' میں بھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا گیا ہے۔(۳) اور عورت کے ساتھ اس طرح کا فعل جسمانی اذیت رسانی بھی ہے اور اسے ایک ناجائز وحرام فعل پر مجبور کرنا بھی، اس لیے اگر عورت اس طرح کا دعویٰ کرے اور اس کا یہ دعویٰ ثابت ہوجائے تو اس کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) معین الحکام: ۱۴۸-۱۴۷۔ محشی۔

(۲) کتاب الفسخ والتفریق، مولانا عبدالصمد رحمانی، ص: ۱۰۵۔

(۳) ملاحظہ ہو دفعہ: ۳۳۵۔

پنچ کمیٹی اور اس کا ذمہ دار کیسا ہو؟

سوال:- {1792} ایک پنچ کمیٹی ہے، جو چالیس ارکان پر مشتمل ہے، جب بھی کوئی مسئلہ کمیٹی سے رجوع ہوتا ہے، تو کسی ایک شخص کو بھاری جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اور جو کمیٹی کا صدر ہے وہ سودخور ہے، کیا سودخور شخص کمیٹی کا صدر ہو سکتا ہے؟ (نام غیر مذکور، مشیر آباد)

جواب:- آپسی مسائل کو حل کرنے کے لیے پنچ کمیٹی کا قیام بہت ہی مستحسن بات ہے، مسلمانوں کو اس طرح اپنے آپسی نزاعات باہمی طور پر طے کرنی چاہیے، البتہ کمیٹی میں کچھ علماء کو بھی رکھنا چاہیے، جو شریعت کے احکام اور حلال وحرام سے واقف ہوں، نیز کمیٹی کا صدر ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو اثر ورسوخ بھی رکھتا ہو اور نیک اور دیندار بھی ہو، سودخور پر حضور ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔(۱) اس لیے اولاً تو محض سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق کسی مسلمان کے بارے میں یہ نہ سوچنا چاہیے کہ وہ سودخور ہے، اگر واقعی سودخور ہو تو اسے سمجھانا چاہیے کہ اس گناہ عظیم سے تائب ہو، اگر تائب نہ ہو تو ایسے شخص کو پنچ کمیٹی کا ذمہ دار ہرگز نہیں بنانا چاہیے، فقہاء نے فاسق شخص کو قاضی بنانے سے منع کیا ہے اور مقرر کرنے والوں کو گنہگار قرار دیا ہے۔(۲)

غائب غیر مفقود کا حکم

سوال:- {1793} عرض خدمت اقدس یہ ہے کہ بندہ کو چند مسائل درپیش ہیں، جس کا جواب قرآن وحدیث کی

---

(۱) "عن جابر ؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاہدیہ هم سواء" (صحیح مسلم: ۲/۲۷، باب الربا، السنن الکبریٰ: ۵/۲۵۱) محشی۔

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۵/۳۳۹۔

روشنی میں مکمل ومدلل تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

(الف) ایک لڑکی جس کی شادی عرب ممالک کے کسی باشندے سے کردی گئی تھی، شادی کے بعد وہ شخص اپنے وطن واپس ہوگیا، اس کے بعد لڑکی سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا، اس کے تقریباً پندرہ سال بعد وہ لڑکی کسی اور سے نکاح کرے تو کیا وہ نکاح صحیح ہے؟

اسلام میں لاپتہ شوہر کے بارے میں جبکہ کسی بھی قسم کی کوئی اطلاع نہ ہو تو انتظار کی کتنی مدت متعین کی گئی ہے؟

(ب) ایک لڑکا اور لڑکی دونوں عاقل، بالغ اور حنفی مسلک کے تابع ہیں اور لڑکی مطلقہ بیوہ ہے، گواہ اور چند احباب کی موجودگی میں آپس میں شادی کیے ہیں، مگر اس نکاح میں لڑکی کی طرف سے کوئی ولی موجود نہ تھا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

(ج) ایک لڑکا اپنی خالہ کی لڑکی سے نکاح کیا جو بیوہ ہے، یہ نکاح لڑکے کے والد کو ناپسند ہے، والد طلاق دینے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں، جب کہ لڑکے کو اپنی بیوی سے کوئی تکلیف وشکایت نہیں ہے، اور نہ وہ طلاق دینا چاہتا ہے، باپ کے حکم کو ٹال کر کیا وہ اپنے باپ کی نافرمانی کر رہا ہے؟ کیا اسلام اس فعل کی اجازت دیتا ہے کہ اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے طلاق دے دی جائے؟ (عبدالاحد، دارالقضاء، ممبئی)

جواب:- (الف) محض شوہر کے طویل مدت سے غائب ہونے کی وجہ سے عورت کا نکاح اس مرد سے ختم نہیں ہوجاتا، جب تک کہ قاضی شریعت تحقیق معاملہ کے بعد نکاح فسخ نہ

کردے، اس لیے مذکورہ لڑکی کو چاہیے کہ دار القضاء (امارت ملت اسلامیہ، پنجہ شاہ، حیدرآباد) میں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے، وہاں سے نکاح فسخ ہونے کے بعد ہی دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا۔

(ب) اگر لڑکے اور لڑکی دونوں عاقل و بالغ ہوں اور مطلقہ بیوہ نے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیا ہو تو نکاح منعقد ہوگیا حنفیہ کے یہاں بالغ لڑکی کا نکاح درست ہونے کے لیے ولی کی موجودگی ضروری نہیں۔(۱)

(ج) لڑکے کے والد کا اپنے لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کرنا گناہ اور ناجائز ہے، طلاق دینا معصیت ہے اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہوتی ہو اس میں ماں باپ کی بات کو ماننا واجب نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔(۲)

مفقود الخبر سے فسخ نکاح کی مدت

سوال:- {1794} احناف کے پاس مفقود الخبر شخص سے نکاح فسخ کرنے کی کیا مدت ہے؟

(سید خلیل الدین، یاقوت پورہ)

جواب:- رشتۂ نکاح بنیادی طور پر تین صورتوں میں ختم ہوتا ہے: شوہر طلاق دے دے، کوئی ایسی بات پیش آجائے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حرام ہوجائیں، زوجین میں سے کسی ایک کی موت ہوجائے، اس لئے احناف کی رائے ہے کہ مفقود الخبر کے ہم عصر

---

(۱) " وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم یعقد علیها ولي بکرا کانت أو ثیبا عند أبي حنیفة و أبي یوسف في ظاهر الروایة " (الهدایة :۲/۳۱۳، باب في الأولیاء و الأکفاء) محشی۔

(۲) " عن النواس بن سمعان ﷺ قال : قال رسول اللہ ﷺ لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق " (مشکوٰة المصابیح :ص:۳۲۱، کتاب الإمارات) محشی۔

لوگوں کا جب تک انتقال نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا نکاح باقی رہے گا، کیوں کہ طلاق اور حرمت کی کوئی اور وجہ موجود نہیں اور اس کی موت یقینی طور پر معلوم نہیں، جب اس کی عمر کے لوگ گزر رہے ہیں تو توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اب اس کی بھی موت واقع ہو گئی ہو، لہذا اس کو متوفی سمجھ کر قاضی کے فیصلہ کے بعد اس کی عورت کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا، مفقود الخبر کے مقدمہ میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ بھی یہی ہے،(۱) لیکن موجودہ حالات میں چوں کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے احناف میں بھی بعد کے فقہاء نے فتویٰ دیا ہے کہ امام مالکؒ کے قول پر عمل کیا جائے،(۲) امام مالکؒ کے قول کی تفصیل یہ ہے کہ اگر شوہر نفقہ کے لئے کوئی جائداد چھوڑ کر گیا ہو اور عورت چار سال تک انتظار کرنے میں اپنی عصمت وعفت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی ہو، تو قاضی چار سال اس کی آمد کا انتظار کرے گا، اگر باوجود تشہیر کے نہ آئے تو میاں بیوی میں تفریق کا فیصلہ کر دے گا، اور عورت عدت وفات گزارے گی، پھر دوسرے نکاح کی مجاز ہوگی اور اگر شوہر نے نفقہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا یا نفقہ کے لئے اس کی کوئی جائداد موجود ہے، لیکن اتنے طویل انتظار میں عورت اپنی عفت وعصمت کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے، تو قاضی مناسب تحقیق وتشہیر کے بعد زوجین میں تفریق کردے گا، یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اور قاضی کے فیصلہ کے بعد عورت عدت طلاق گزار کر دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔(۳)

فاترالعقل کی بیوی کیا کرے؟

سوال:- [1795] کوئی شخص شادی کے چند سال بعد پاگل ہو جائے، ایسی صورت میں اس کی بیوی کو کیا کرنا چاہئے؟

---

(۱) المدونة الکبریٰ :۲/۹۳۔

(۲) رد المحتار :۳/۴۵۸، کتاب المفقود۔

(۳) تفصیل کے لئے راقم الحروف کی تالیف "اسلام اور جدید معاشرتی مسائل" دیکھی جاسکتی ہے۔

وہ خلع لے لے یا شوہر سے طلاق حاصل کر لے؟ پھر کیا پاگل
شخص کی طلاق شرعاً قابل قبول ہے؟

(قاری ایم ایس خاں، اکبر پاغ)

جواب:- طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کا دماغی توازن درست ہو، اگر شوہر مستقل پاگل ہو گیا اور ہر وقت جنون کی کیفیت میں رہتا ہے، تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر وقفہ کے ساتھ جنون کا دورہ پڑتا ہے، تو افاقہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوگی اور حالت جنون کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے اگر اس صورت حال سے دوچار عورت شوہر سے علاحدگی چاہتی ہو، تو اسے چاہئے کہ قاضی شریعت اور جہاں قاضی شریعت نہ ہو اور شرعی پنچایت ہو تو شرعی پنچایت سے رجوع کرے پھر جب قاضی یا شرعی پنچایت تحقیق کے بعد فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے، تو اب اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا، پاگل پن ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے شرعاً عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔(۱)

لاپتہ شخص کی بیوی کا حکم

سوال:- {1796} مفقود الخبر (گمشدہ) شوہر کے انتظار کی مدت کتنی ہے، اور ایسے شوہر کی بیوی اپنا عقد ثانی کب اور کیسے کرے؟

(قاری ایم ایس خان، اکبر پاغ)

جواب:- ایسا شخص جو بالکل ہی لاپتہ ہو، کچھ پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے، اور زندہ بھی ہے یا نہیں؟

"فلم یعرف له موضع ولایعلم أحي هو أم میت"(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۵۲۶، باب العنین۔ محشی۔

(۲) القدوری ۔ ص:۱۵۰۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس کو "مفقود الخبر" کہا جاتا ہے، جس عورت کا شوہر اس طرح لاپتہ ہو، اس کے بارے میں شریعت کا حکم ہے کہ وہ اپنا مقدمہ قاضی شریعت کے سامنے پیش کرے، قاضی تحقیق کرے اور جب اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو اب عورت کو چار سال انتظار کا حکم دے، اگر اس چار سال کے درمیان شوہر نہ آئے تو اب قاضی عورت کو اجازت دے گا کہ وہ عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزار کر دوسرا نکاح کرلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے جب مفقود الخبر شخص کا مقدمہ آیا تو انہوں نے یہی فیصلہ فرمایا (۱) ائمہ اربعہ میں امام مالکؒ کی بھی یہی رائے ہے، (۲) فقہاء حنفیہ میں بھی بعد کے لوگوں نے اسی رائے پر فتویٰ دیا ہے (۳) اور ہندوستان میں شرعی دار القضاء اور محاکم شرعیہ کا ان دنوں اسی پر عمل ہے۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ لاپتہ شوہر پیسے یا کوئی ایسی جائداد چھوڑ کر گیا ہو جس کو فروخت کرکے نفقہ حاصل کیا جاسکتا ہو اور عورت اس پر قادر بھی ہو، اگر اس کے پاس نفقہ کے لیے کچھ نہ ہو یا عورت محسوس کرتی ہو کہ اتنے دنوں شوہر سے محرومی اس کو معصیت میں مبتلا کرسکتی ہے، تو قاضی اس سے کم مدت میں بھی نکاح فسخ کرسکتا ہے۔ (۴)

اگر شوہر نامرد ہو؟

سوال:- {1797} مرد قوت مردی سے محروم یعنی نامرد ہے تو بیوی اور اس کے سرپرستوں کے لیے کیا حکم دیا جاتا ہے؟ (جہانگیر الدین صدیقی، ساجد نگر)

جواب:- اگر مرد قوت مردی سے محروم ہے یا ہوگیا ہے، عورت ابھی جوان ہے اور

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ۳۲۷/۳۔
(۲) المدونة الكبرى: ۹۲/۲۔
(۳) جامع الرموز: ۱۶۵/۳۔
(۴) تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب: اسلام اور جدید معاشرتی مسائل۔

اسے اپنے نفس پر اندیشہ ہے تو اسے شرعاً شوہر سے مطالبۂ طلاق کا حق حاصل ہے، اور شوہر پر ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہے،(1) اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو عورت قاضی شریعت کے یہاں فسخ نکاح کے لیے درخواست دے سکتی ہے، قاضی اگر تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو اس کا نکاح فسخ کردے گا، اور اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔

زوجین میں علاحدگی کی صورتیں

سوال:- {1798} میرے بہنوئی سات سال سے غیر ملک میں ہیں، جانے کے بعد دو سال تک خط وکتابت جاری رہی، پانچ سال سے نہ ان کا کوئی خط آیا، اور نہ کوئی کیسٹ آئی، تو کیا ایسی صورت میں خلع واقع ہوجاتا ہے؟ جبکہ ان کے والدین کو بھی ان کی اطلاع نہیں۔ (عبدالرشید)

جواب:- جب دو مرد وعورت کے درمیان شرعی طور پر نکاح منعقد ہوجائے تو اب اس رشتۂ نکاح کے ختم ہونے کی چند صورتیں ہیں:

۱) شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے۔

۲) شوہر یا بیوی خدانخواستہ کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کریں جس کی وجہ سے ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائیں۔

۳) شوہر اپنی طرف سے طلاق دیدے۔

۴) عورت کچھ مال دیکر یا مہر معاف کرکے شوہر کو طلاق دینے پر راضی کرلے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خلع" کہتے ہیں۔

---

(1) رد المحتار: ۱۱۲/۵، البحر الرائق: ۳۰۲/۳، الهداية: ۲/۴۰۰، محشی۔

۵) شوہر بیوی کے کسی حق شرعی کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لے، عورت قاضی شریعت کے پاس اس مقدمہ کو پیش کرے، اور قاضی، شرعی اصولوں کے مطابق واقعہ کی تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کردے۔

آپ نے جو صورت تحریر کی ہے، اس کے مطابق آپ کے بہنوئی لاپتہ ہیں، اور ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے، ایسی صورت میں خلع کا حاصل کرنا ممکن نہیں، کیونکہ خلع کے لیے شوہر کی موجودگی اور پھر لیکر طلاق پر اس کی رضامندی ضروری ہے، یہ صورت ''فسخ نکاح'' کی ہے، کیونکہ اس شخص نے سات سال سے اپنی بیوی کو ازدواجی حق سے محروم رکھا ہے، اور اس نے اپنی بیوی کو نفقہ کے حق سے بھی محروم رکھا ہے، اور اس طرح جنسی اور مالی حق سے طویل عرصہ تک محروم رکھنے میں عورت کے لیے ضرر بھی ہے، اور اس کی عزت وعفت کے لیے خطرہ بھی ہے، اس لیے آپ قاضی شریعت کے پاس فسخ نکاح کی درخواست دے سکتے ہیں، جب قاضی تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردے گا تب عورت کے لیے یہ بات جائز ہوگی، کہ وہ دوسرا نکاح کرلے۔

ارتداد کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال:- (1799) ایک شخص کرسچن مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا اور پھر ایک مسلمان عورت سے شادی کیا اور اس عورت کی زر وجائداد سے فائدہ اٹھاتا رہا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس نے کرسچن مذہب دوبارہ اختیار کرلیا، اور پوجا پاٹ کرنے لگا، اس عورت نے تبدیلی مذہب کی وجہ سے اس سے رشتہ منقطع کرلیا، مگر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی، بلکہ تم اس سے طلاق لے لو، ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نکاح ہی ختم ہوگیا، طلاق کی کیا ضرورت؟

تبدیلی مذہب کی وجہ سے نکاح خود بخود ٹوٹ گیا، ان کا یہ کہنا
صحیح ہے؟ کیا طلاق لینا ضروری ہے یا نہیں؟ یہ عورت کسی
دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟
(تاج واج کمپنی، پوسٹ منڈل، کالونی کا چھلہ، ضلع کرشنا)

جواب:- اگر وہ شخص بتوں کی پوجا کرتا ہے تو وہ شرعاً مرتد ہے، اور عورت کا نکاح اس سے ٹوٹ چکا ہے، اس مرد سے طلاق لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(۱) عدت گزر جانے کے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، جوان عورت کی عدت تین ماہواری ہے۔(۲)

جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو

سوال:- (1800) میرا نکاح جون ۱۹۹۲ء میں ہوا، نکاح کے دو ماہ بعد سے میرے شوہر لاپتہ ہیں، معلوم نہیں وہ زندہ بھی ہیں یا ان کا انتقال ہوگیا، میں دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہوں، کیا میں دوسرا نکاح کرسکتی ہوں، اس کی شرعاً کیا صورت ہوسکتی ہے؟　　　(شہناز بیگم، نظام آباد)

جواب:- اگر آپ کے شوہر کوئی ایسی چیز آپ کے لئے چھوڑ گئے ہوں، جس سے آپ کے نفقہ کی ضرورت پوری ہوجائے اور آپ اپنی عفت وعصمت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہ کرتی ہوں تو ایسی صورت میں امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورت قاضی شریعت سے رجوع کرے، اور قاضی چار سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اسے شوہر سے علیحدگی کی ڈگری دے دے، پھر وہ عدت وفات گزارلے، امام مالکؒ کی یہ رائے حضرت عمرؓ کے ایک فیصلہ پر مبنی ہے۔(۱)

---

(۱) " ارتداد أحدی الزوجین وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده " (الفتاوی الهندیة :۱/۳۳۷، باب فی نکاح الکفار)
(۲) رد المحتار:۳/۲۹، ۳۰۔ محشی۔
(۳) المدونة الکبری :۲/۹۳۔

اور اگر شوہر نے نفقہ کی کوئی چیز نہ چھوڑی ہو، یا نفقہ ہو، لیکن چار سال کی طویل عرصہ تک انتظار کرنے میں عورت اپنی عفت و عصمت کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہو تو قاضی مناسب تحقیق کے بعد نکاح فسخ کر دے گا۔ (۱)

موجودہ حالات میں فقہاء احناف نے بھی اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے کو اختیار کیا ہے (۲) بہر صورت آپ کو دوسرے نکاح کے لئے قاضی شریعت سے رجوع کرنا پڑے گا، آندھرا پردیش میں اس مقصد کے لئے ''امارت ملت اسلامیہ'' کے تحت حمامیہ منزل، پنجہ شاہ، حیدرآباد میں دار القضاء قائم ہے، اس طرح کی مشکلات کے لئے وہاں رجوع کیا جا سکتا ہے۔

نامردی کی بناء پر فسخ نکاح

سوال:- (1801) ہندہ نے یہاں شرعی پنچایت میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کا نکاح اس کے شوہر زید سے فسخ کرایا جائے، اس لئے کہ وہ نامرد ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہندہ دو تین عورتوں کے سامنے اس کا اقرار کر چکی ہے کہ زید پہلے اس سے ہمبستر ہو چکا ہے، پھر بعد کو اس کو جماع پر قدرت باقی نہیں رہی اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' (مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک بار بھی شوہر جماع کر چکا ہو، تو عورت کا حق جماع ختم ہو جاتا ہے، اس بناء پر یہ مقدمہ خارج کر دیا گیا، بتایا جائے کہ شریعت کی روشنی میں ایسی عورت کے لئے کوئی گنجائش رہتی ہے؟ (محمد آصف، لام، کنور)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: راقم الحروف کی تالیف ''اسلام اور جدید معاشرتی مسائل''۔

(۲) رد المحتار: ۳/۴۵۸، کتاب المفقود۔

جواب:- مندرجہ بالا سوال میں یہ مذکور ہے کہ ہندہ نے دو تین عورتوں کے سامنے اس کا اقرار کیا ہے ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں محض دو تین عورتوں کا بیان اس اقرار کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے اولاً یہی ثابت نہیں ہے کہ ہندہ کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کا شوہر اوائل میں اس کے ساتھ جماع کر چکا ہے۔

پس مقدمہ ہذا میں اگر ہندہ کو اس کا اقرار نہیں ہے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ جماع کر چکا ہے، تو پھر "الحیلۃ الناجزۃ" میں مذکور شرط کا فقدان ہی نہیں، لہذا دعویٰ خارج کئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوگا۔

اور اگر بالفرض یہ بات ثابت بھی ہو کہ ابتداء میں زوج جماع پر قادر تھا، لیکن بعد کو کسی عارض کی بنیاد پر اس کی قدرت سلب ہوگئی، تو ایسی صورت میں بلاشبہ "الحیلۃ الناجزۃ" میں مذکور شرط کا تقاضا یہی ہے کہ درخواست خارج کر دی جائے، لیکن اس بارے میں تھوڑی تفصیل اور وضاحت کی ضرورت ہے، اور وہ یہ کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جماع کے بارے میں زوجین کے حقوق مساوی ہے، یا دونوں میں فرق ہے، فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ حق جماع قانوناً مرد پر زندگی میں فقط ایک بار واجب ہوتا ہے، اگر ایک بار زندگی میں شوہر یہ حق ادا کر چکا تو آئندہ عورت کو اس سے قانوناً مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا، اگرچہ دیانۃً وجوب قائم رہتا ہے، اور یہ فرماتے ہیں کہ جماع مرد کا حق ہے عورت کا نہیں۔ (۱)

فقہاء کے دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ قانوناً بھی محض ایک بار جماع سے عورت کا حق ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اپنی عصمت کے تحفظ کے خاطر وہ شوہر سے قانوناً مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ (۲)

"الحیلۃ الناجزۃ" میں جو شرط ذکر کی گئی ہے اس کی بنیاد پہلے گروہ کی رائے پر ہے، ہمارے نزدیک مختلف دلائل کی بنیاد پر یہ رائے صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اولاً تو باب حقوق میں زوجین کے

---

(۱) مجمع الأنهر ۱/۳۶۱، محشی۔

(۲) البحر الرائق ۲۰۱/۴، محشی۔

درمیان مماثلت خود قرآن میں مصرح ہے: ﴿لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(۱) پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حق جماع کو مرد کے ساتھ خاص کریں اور عورت کو اس حق سے محروم تسلیم کریں، مسئلہ ایلاء اور ظہار میں تفریق کا حکم اسی لئے دیا جاتا ہے کہ مرد عورت کو حق جماع سے محروم کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

لہذا صحیح یہی ہے کہ عورت کا حق جماع ایک دفعہ کے بعد ساقط نہیں ہوتا، اس بحث کے سلسلہ میں "شامی" (۲)، البحر الرائق (۳)، احکام القرآن للجصاص (۴) وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہئے۔

بہر حال جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کا حق جماع ساقط نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں اگر ابتداء شوہر قادر علی الجماع تھا، لیکن اب عاجز ہے، تو پہلی قدرت اور ابتداء میں حق کی ادائیگی موجودہ مطالبہ اور حق کو ساقط نہیں کر سکے گی، خصوصیت کے ساتھ جب کہ عورت جوان ہو، اور زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ جوان عورت جس کا شوہر ادائے حق زوجیت سے عاجز ہو چکا ہے اور وہ ہر لمحہ اپنے نفس پر خطرہ محسوس کر رہی ہے، گناہ میں ڈالنے والی فضا نے اس کا احاطہ کر لیا ہے ایسے حالات میں کسی عالم یا قاضی کا محض یہ کہہ کر عورت کی درخواست خارج کر دینا کہ زندگی میں ایک بار تمہارا شوہر تم سے جماع کر چکا ہے، عدل نہیں ظلم ہے، علم نہیں جہالت ہے۔

لہذا اس مقدمہ میں چاہئے کہ حسب ضابطہ مدعا علیہ کو طلب کیا جائے، اس کا طبی معائنہ کروایا جائے، اور ڈاکٹروں کی رائے یہ ہو کہ اس میں جماع کی قدرت نہیں اور نہ علاج سے بظاہر حال قادر ہونے کی توقع ہے، یعنی مرض ناقابل علاج ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں تفریق کر دی

(۱) البقرة: ۲۲۸۔ محشی۔
(۲) رد المحتار: ۱۴۳-۱۴۴/۵۔ محشی۔
(۳) البحر الرائق: ۲۰۶/۴۔ محشی۔
(۴) أحكام القرآن للجصاص: ۳۵۳/۱۔ محشی۔

جائے، اور اگر مرض قابل علاج ہو تو ایک سال علاج کی مہلت دی جائے، (۱) اور اگر مدعا علیہ حاضری سے گریز کرے، تو اس کو لکھ دیا جائے کہ تمہارا حاضری اور طبی معائنہ سے گریز کرنا "رفع الزام" سے عجز تصور کیا جائے گا، اگر اس اطلاع کے پالینے کے باوجود مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو اس کے اس گریز کو حلف سے انکار اور حکماً اقرار دعوی قرار دے کر تفریق کی جائے۔ (۲)

● ● ● ● ●

(۱) الهداية: ۲/ ۴۲۰۔ محشی۔

(۲) معين الحكام، ص: ۱۶۷، ط: دار الفكر۔

کتاب الفتاوی

پانچواں حصہ

کتاب البیوع

تجارت سے متعلق سوالات

تجارت کے احکام

مال جمع کرنا —— اسلام کی نظر میں

سوال:- (1602) ہماری مسجد کے خطیب صاحب جو ریاست ہی نہیں بیرون ریاست میں بھی مشہور ہیں، کہتے ہیں کہ "صحابہ کو دنیا کی کوئی فکر نہ تھی، وہ ہمیشہ دین کی فکر کرتے تھے، نہ ان کے پاس اچھے کپڑے تھے، اور نہ وہ مال جمع کرتے تھے، مال جمع کرنا تو مشرکوں کا کام ہے، صحابہ ؓ فاقہ کرتے لیکن اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے، کبھی مال جمع نہیں کرتے، جب کہ میں اکثر کتابوں میں دیکھتا ہوں کہ اکثر صحابہ ؓ دولتمند تھے، ان کی کافی اچھی تجارت تھی، اور وہ کافی کماتے اور زکوۃ نکالتے تھے، براہ کرم اس کی وضاحت کریں؟

(غلام نبی، بشیر آباد)

جواب:- اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے نیاز ہو کر زیادہ سے زیادہ مال

کمانے کو اپنا مطمح نظر بنا لے تو یہ یقیناً درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ "ہلاک و برباد ہونے والے ہیں" (۱) لیکن اگر کسب معاش میں حلال و حرام کی رعایت ملحوظ رکھی جائے اور شریعت میں جو حقوق اللہ اور حقوق الناس مال سے متعلق کئے گئے ہیں ان کو ادا کیا جائے تو یہی کسب معاش اجر و ثواب کا باعث ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے مروی ہے کہ

" و رجل آتاه الله مالا فوصل منه أقاربه و رحمه وعمل بطاعة الله " (۳)

" دو شخص قابل رشک ہیں: ایک تو وہ عالم جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا ہو، وہ اس سے نماز کا اہتمام کرے اور قرآن میں حلال و حرام کے جو احکام ہیں ان پر کاربند ہے، دوسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، وہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی بھی کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بھی کرتا رہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ صحابہ ﷺ مال جمع ہی نہیں کرتے تھے، یا یہ کہ مال جمع کرنا مشرکوں کا کام ہے، یہ درست نہیں، ممکن ہے کہ خطیب صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ناروا طریقہ پر مال جمع نہیں کرتے تھے اور آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہو۔ واللہ اعلم۔

والدین سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا

سوال:- (1803) زید کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے ورثہ میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں اور بیوی ہے، بیوی کے پاس

---

(۱) مجمع الزوائد: ۳/۱۲۱۔

(۲) الدھر: ۸، البلد: ۱۴۔۱۵، ۲۰، ۱۷، اے محشی۔

(۳) مجمع الزوائد: ۳/۲۸۲۔

ایک ذاتی مکان ہے، جس کے نصف حصے کو اس نے اپنے
ایک بیٹے کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، مکان کا بقیہ نصف حصہ
ماں ہی کے نام سے ہے، سوال یہ ہے کہ اس بقیہ نصف حصہ
میں دوسری اولاد کی طرح اس لڑکے کو بھی وراثت ملے گی یا
نہیں، نیز اس لڑکے کے خرید کردہ مکان کے حصے میں دوسرے
بھائی بہنوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ (محمد عمر، بنگلور)

جواب:- ماں باپ کی متروکہ اشیاء کے حقدار ہونے میں تمام اولاد برابر ہے، ماں نے مکان کا کچھ حصہ فروخت کر دیا ہے، لیکن جتنا حصہ باقی ہے اس میں ماں کی وفات کے بعد تمام ورثہ کے ساتھ عمر کو بھی حصہ ملے گا، جب تک ماں زندہ ہے وہ خود جائداد کی مالک ہے اور اس میں تصرف کی مجاز ہے، لہذا اگر عمر نے اپنے متروکہ روپے کے ذریعہ والدہ سے زمین خریدی ہے، تو وہ تنہا اس کا مالک ہے اور اگر گھر کے کسی مشترک کاروبار یا مشترک ذریعہ آمدنی کے ذریعہ حاصل کی گئی ہے تو تمام بھائیوں کا حق اس سے متعلق ہوگا۔

قسطوں پر زیادہ قیمت میں سامان کی خریدی

سوال:- {1804} آج کل لوگ اقساط پر چیزیں
خریدتے ہیں، مثلاً سو روپے کی چیز ایک سو پچاس روپے میں
خرید کر روزانہ پانچ روپیہ ادا کرتے ہیں، کیا یہ صورت سود میں
داخل ہے؟ (کے عارف احمد، مشیر آباد)

جواب:- نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے، البتہ ایک ہی قیمت فریقین کے درمیان متعین ہو جانی چاہیے۔

" لا مساواة بين النقد والنسيئة ، لأن العين خير

من الدین" (۱)

اس صورت میں چونکہ پیسہ سامان کے مقابلہ میں ہے نہ کہ پیسہ کے مقابلہ میں، اس لیے یہ سود کی صورت نہیں ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ ایک قیمت طے کرکے اسے حسب معاہدہ روزانہ کی قسطوں میں ادا کیا جائے، فقہاء نے اس صورت کو صراحتاً جائز قرار دیا ہے:

"من باع سلعة بثمن علی أن تعطینی کل یوم درهما أو کل یوم درهمین" (۲)

پانی کی تجارت

سوال:- (1605) کیا پانی کی تجارت جائز ہے؟ آج کل مارکیٹ میں پانی کی بوتلیں بارہ روپے اور پاکٹ ایک روپیہ میں فروخت ہو رہا ہے، بوتلوں کا پانی گرم اور گندہ ہونے کی وجہ سے لوگ پانی خرید کر پی رہے ہیں، از روئے شریعت پانی کی تجارت اور اسے خرید کر بیچنا جائز ہے؟

(قاری، ایم، ایس خان، نک پیٹ)

جواب:- جو پانی برتنوں میں محفوظ کر لیا جائے، انسان اس کا مالک ہو جاتا ہے، اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ ذاتی تالاب، کنویں کے زائد از ضرورت پانی کو بیچنا اور اس سے استفادہ کرنے والوں سے اس کی قیمت وصول کرنا بہتر نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۵/ ۱۸۴۔

(۲) منحة الخالق علی البحر: ۵/ ۲۹۰۔

(۳) "إن صاحب البئر لا یملك الماء ... هذا ما دام في البئر، أما إذا أخرجه منها بالاحتیال کما في السواني فلا شك في ملکه له کحیازته له في الکیزان ثم صبه في البرك بعد حیازته" (رد المحتار: ۷/ ۱۸۹، مطلب صاحب البئر لا یملك الماء) محشی۔

انٹرنیٹ سے کسب معاش

سوال:- {1606} انٹرنیٹ پر ہر روز ہزاروں لوگ اپنا پیغام دوسرے ممالک کے رشتہ داروں کو بھیجتے ہیں، اور اس سے دنوں کا کام منٹ بھر میں ہو جارہا ہے، جو قابل تعریف ہے اور دوسری طرف غلط ذہنوں کے لڑکے ایک گھنٹے میں بے انتہا عریاں شرمناک مناظر دیکھتے ہیں، جو ہر اعتبار سے حرام ہے، تو کیا ایسے انٹرنیٹ پر کمائی جانے والی کمائی جائز ہے؟

(محمد ریاض احمد، مسجد حسینی، دوجے نگر)

جواب:- انٹرنیٹ اصل میں بہت سی مفید اغراض اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، اس وقت عالمی سطح پر تجارت اور کاروبار کے لیے انٹرنیٹ بہت بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے، اس لیے یہ فی نفسہ جائز ہے، البتہ جہاں تک ممکن ہو اس کے غلط استعمال کا سد باب ہونا چاہئے، ایک تو انٹرنیٹ میں مالکان کی طرف سے اس کی ہدایت ہو، دوسرے ایسے پروگراموں کو لاک کردیا جائے، جو مخرب اخلاق ہوں، کیوں کہ اس کی وجہ سے اس کا اخلاقی نقصان وی، ڈی، یو اور ٹی، وی سے بھی بڑھ کر ہو جائے گا۔

بیڑی سگریٹ وغیرہ کی فروخت

سوال:- {1607} بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا وغیرہ کی دوکان لگانے کا کیا حکم ہے؟ (محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- خرید و فروخت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو چیز جائز ہو، اس کا بیچنا جائز ہے، جو چیز حرام ہو اس کا بیچنا حرام اور جو مکروہ ہو اس کا بیچنا بھی مکروہ ہے، پھر اس کے استعمال میں جس درجہ کی کراہت ہوگی، فروخت کرنے میں بھی اس درجہ کی کراہت ہوگی،

سگریٹ، بیڑی اور گٹکا صحت کے لئے مضر ہے، اس لئے کم سے کم کراہت سے خالی نہیں، پھر ان میں جو چیز جس درجہ مضر ہوگی، اس کو فروخت کرنے میں بمقابلہ بیڑی سگریٹ کے زیادہ کراہت ہوگی۔ واللہ اعلم۔(۱)

گٹکا فروخت کرنا

سوال:- {1808} حکومت مہاراشٹر نے گٹکے پر پابندی عائد کردی ہے، اس کے باوجود بہت سے دوکاندار فروخت کر رہے ہیں، اس خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

(محمد ماجد، کھوٹ)

جواب:- گٹکا صحت کے لئے بہت ہی نقصاندہ اور مضر ہے اور اس پر تمام اطباء کا اتفاق ہے، مضر چیزوں کا فروخت کرنا مضرت رسانی کا ذریعہ بنتا ہے اور ضرر پہنچانا گناہ ہے، پھر جب حکومت نے گٹکا نہ بیچنے کا قانون بنا دیا ہے اور اس قانون کا مقصد عوام کی صلاح وفلاح ہے، تو حکومت کے ایسے احکام کو ماننا واجب ہے؛ لہذا گٹکا فروخت کرنا کم سے کم مکروہ تحریمی ضرور ہے،(۲) اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے، مسلمانوں کے لئے نہ صرف قانونی بلکہ شرعی اعتبار سے بھی اس کی اہمیت ہے۔

تمباکو کی تجارت

سوال:- {1809} ہمارے والد صاحب نے جب سے تمباکو کی تجارت شروع کی ہے، تب سے پریشانی ہی

(۱) "إن ما قامت به المعصية بعينه يكره بعينه تحريما و إلا فتنزيها فليحفظ توفيقا" (الدر المختار على هامش رد المحتار:۵/۲۷۷) محشی۔
(۲) "و يمتنع بيع الدخان و شربه" (رد المحتار:۵/۲۹۵) محشی۔

پریشانی ہے، کیا تمباکو کی تجارت حرام ہے؟

(محمد فضل الدین، الندشریف)

جواب:- تمباکو کے سلسلہ میں معتدل اور درست رائے یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ ہے اور جو چیز خود مکروہ ہو اس کو فروخت کرنا بھی مکروہ ہے، اس لئے تمباکو فروشی حرام تو نہیں ہے، لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں ہے،(۱) رہ گیا گھر میں پریشانیوں کا آنا تو معصیت بھی بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے، لیکن یہ اس کا لازمی سبب نہیں ہے، بہر حال اپنے اعمال کا بھی محاسبہ کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہئے۔

پتنگوں اور پٹاخوں کی تجارت

سوال:- {1810} بے شمار مسلمان حضرات پتنگوں اور پٹاخوں کا کاروبار کرتے ہیں، کیا ایسے کاروبار کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

(محمد ریاض احمد، دبیر نگر کالونی)

جواب:- پتنگ اڑانے میں اگر جیت ہار کی شرط لگائی جائے، تو قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے،(۲) اگر شرط نہ ہو اور نمازیں پتنگ بازی میں انہماک کی وجہ سے فوت نہ ہوں تو گنجائش ہے،(۳) زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے، اسی طرح پٹاخے زیادہ قیمتی ہوں، تو اسراف کے دائرہ میں آجائیں گے، اگر معمولی قیمت کے ہوں اور اس طرح نہ چھوڑے جائیں

---

(۱) " و یمنع من بیع الدخان و شربه " (رد المحتار:۲۹۵/۵) محشی۔

(۲) " (إن شرط المال) في المسابقة (من جانب واحد و حرم لو شرط) فیها (من الجانبین) لأنه یصیر قمارا " (الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۵۷۷/۹) محشی۔

(۳) " أما السباق بلا جعل فیجوز في كل شيئ " (حوالہ سابق:۵۷۹/۹) محشی۔

کہ لوگوں کے لیے باعث تکلیف نہیں تو خلاف اولیٰ ہوں گے، نیز شریعت کے فروعی احکام کے مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ غیر مسلم اور ان اشیاء کو زیادہ تر غیر مسلم حضرات ہی خریدا کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کے لیے اس کاروبار کی گنجائش ہے لیکن بچنا بہتر ہے۔

کاروبار میں متعین نفع کی شرط

سوال:- {1811} دوسروں کے کاروبار میں سرمایہ (۲۵ ہزار، ۵۰ ہزار روپے نقد) مشغول کر کے کیا ہر ماہ اس سے فائدہ (ایک ہزار روپے، دو ہزار روپے) حاصل کرنا جائز ہے؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- سرمایہ کاری کی یہ صورت کہ نفع کی ایک مقدار متعین کردی جائے، جائز نہیں، اس لیے مذکورہ صورت درست نہیں۔(1)

تھیٹر کی کینٹین میں اشیاء خوردنی کی سپلائی

سوال:- {1812} زید کی ایک بیکری ہے، وہ زیادہ تر اپنی بیکری کی اشیاء تھیٹر کے کینٹین میں سپلائی کرتا ہے، اور فی الحال اسی پر اس کا معاش منحصر ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ (محمد عزیز، رشید کالونی)

جواب:- بیکری کی چیزیں کھانے پینے کی ہوتی ہیں، نہ خود اس سے معصیت کا ارتکاب

---

(1) " و من شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح ؛ لأن شرط ذلك يقطع الشركة بينهما و لا بد منها كما في عقد الشركة " (الهداية: ۳/ ۲۵۸) محشی۔

کیا جاتا ہے، اور نہ بذات خود یہ گناہ میں تعاون کا ذریعہ ہیں، اس لیے اسکی کینٹین یا ہوٹل میں بھی بیکری کے سامان سپلائی کرنے کی گنجائش ہے۔(۱)

تجارت میں کھلا ہوا دھوکہ

سوال:- (1813) تقریباً ایک ماہ قبل میرے ایک مخلص دوست کے والد صاحب سے میں نے کاروباری معاملہ کیا تھا، ہوا یوں کہ ان کی ایک دوکان ہے، جو سعید آباد میں STD اور اسٹیشنری کی ہے، اور میں تقریباً چار ماہ سے کوئی کام پر نہیں تھا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج کل تم کام پر نہیں ہو اور میں دوکان نہیں چلا رہا ہوں، میں مصروف ہوں اور بچے بھی مصروف ہیں، اس لئے اگر تم دوکان پر بیٹھ جاؤ تو اچھا رہے گا اور اگر اس کو خریدنا چاہتے ہو تو وہ بھی کر سکتے ہو، لہذا میں نے اپنے ماموں اور بڑے بھائی سے مشورہ کیا، طے ہوا کہ دوکان خرید لیں اور جو بھی رقم ہو وہ ادا کر دیں، اس کے بعد میں نے میرے دوست کے والد کے پاس جا کر ان کو تفصیل بتائی اور ان سے دوکان کی خریداری کی بات کی، تو انہوں نے کہا کہ اس دوکان میں جملہ سامان تقریباً ۸۰ تا ۸۵ ہزار کا ہے، اگر تم لینا چاہتے ہو تو اس میں کچھ کم کر دوں گا، کیونکہ تم ہمارے گھر کے

---

(۱) "(و) جاز (بيع عصير) عنب (ممن) يعلم أنه (يتخذ خمرًا) ؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره . (الدر المختار) قوله : (لا تقوم بعينه الخ) يؤخذ منه أن المراد بما لا تقوم المعصية بعينه ما يحدث له بعد البيع وصف آخر يكون فيه قيام المعصية ..." (رد المحتار :۹/۵۶۱-۵۶۰، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع) مرتب۔

فرد ہو لہذا اس، ماموں جان کو لے کر گیا تو انہوں نے ۲۵۰۰۰ کا حساب کیا، پھر میرے اور میرے ماموں جان کے کہنے سے ۲۵۰۰ روپے کم کئے اور پھر جملہ ۲۸۰۰۰ کا حساب بنا کر مجھے دیا، چنانچہ میں ان پر مکمل بھروسہ کر کے بڑے بھائی کے ساتھ یکمشت ۲۸۰۰۰ روپے لے جا کران کو دے دیا، رقم لینے کے پانچ روز بعد دکان کی چابی دی گئی، دوکان کھلنے کے بعد علم ہوا کہ انہوں نے پرانی اشیاء مستعملہ کی بہت زیادہ رقم مجھ سے لی ہے تو میں نے وہی اشیاء جو بالکل نئی ہیں، ان کی تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ نئی قیمت سے تین گنا رقم لی ہے اور یہ پرانی اشیاء کی قیمت سے پانچ گنا زیادہ ہے، معاملہ کے تین چار روز ہی میں یہ نقصان کا علم ہوا اور میں نے اس کی وضاحت بھی کر دی اور یہ بات بھی بتلا دی تھی کہ میں اس معاملہ کو ختم کرتا ہوں، یہ سن کر انہوں نے انکار کر دیا اور غصہ کرنے لگے اور پھر گاؤں چلے گئے، تقریباً بیس روز ہو گئے، ابھی تک نہیں آئے ہیں، جس کی وجہ سے میں بے حد فکر مند اور پریشان ہوں، آپ سے ادبا گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں آپ صحیح رہبری فرما کر میری پریشانی کو حل فرمائیں۔ (سید مجاہد حسین نقوی)

جواب:- کسی چیز کی اتنی زیادہ قیمت مقرر کرنا جو قیمت لگانے والوں کے دائرہ سے زائد ہو، اسے فقہ کی اصطلاح میں "غبن فاحش" کہتے ہیں، (۱) مثلاً ایک چیز کی قیمت پانچ تا سات روپے لگائی جاتی ہے اور فروخت کرنے والے نے اسے دس روپے میں فروخت کر دیا تو

---

(۱) "واعلم أنه لا رد بغبن فاحش هو ما لا يدخل تحت تقويم المقومين" (الدر المختار علی هامش الرد: ۱۶۳/۷، مطلب في الكلام علی الرد بالغبن الفاحش) محشی۔

یہ غبن فاحش ہے، اگر غبن فاحش کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی جائے تو اسے خریدار کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

"ایک یہ کہ واپس کرنے کا حق ان کو نہیں ہوگا، دوسرے یہ کہ مطلقاً واپس کرنے کا حق ہوگا اور تیسرے یہ کہ اگر فروخت کرنے والے نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے خریدار دھوکہ کھا سکتا ہو، تب اسے واپس لوٹانے کا حق ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے اس تیسرے قول کو ترجیح دیا ہے" (۱)

آپ نے جو صورت دریافت کی ہے اس میں مالک دوکان کا یہ کہنا کہ اس دوکان میں جملہ سامان اسی تا بچاسی ہزار روپے کا ہے، حالاں کہ آپ کے بقول یہ اصل قیمت سے تین گنا زیادہ ہے، دھوکہ دے کر غبن فاحش کے ساتھ بیچنے میں شمار ہوگا، اس لئے اس صورت میں خریدار کو حق حاصل ہے کہ وہ فروخت کنندہ کو یہ اشیاء واپس کردے۔ واللہ اعلم۔

بل میں جھوٹ اور دھوکہ

سوال:- [1814] لوگ ہمارے یہاں سے پچاس روپے کی چیز لیتے ہیں اور سو روپیہ وصول کرنا چاہتے ہیں، اور سو روپیہ کی رسید مانگتے ہیں، تو کیا زیادہ رقم کی رسید دینا جائز ہے؟ (یوسف، ملک پیٹ)

جواب:- یہ صورت جھوٹ کی بھی ہے اور دھوکہ میں تعاون کی بھی؛ کیوں کہ جو شخص اس طرح بل بنواتا ہے وہ دوسرے سے زیادہ پیسہ وصول کرنا چاہتا ہے، اور زیادہ رقم کا بل دے کر دھوکہ میں تعاون ہوتا ہے، اس لئے یہ صورت قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار و رد المحتار: ۷/ ۳۶۲-۳۶۳۔

(۲) ﴿و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان﴾ (المائدۃ: ۲) محشی۔

مال فروخت کرنے پر کمیشن

سوال:- {1815} ایک شخص کاروبار میں کسی کے مال کی بکری کرتا ہے، اور اس کی رقم میں سے کچھ فیصد اپنے پاس رکھ کر باقی رقم اس کو دے دیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(محمد نور الدین آفاقی، مشیر آباد)

جواب:- اس صورت کا جائز ہونا اور نہ ہونا باہمی معاہدہ پر موقوف ہے، اگر فروخت کرنے والا اس کا ملازم ہے، اور اس کے علم میں لائے بغیر کچھ فی صد رقم چھپالیتا ہے تو یہ ناجائز اور خیانت ہے، اگر صاحب مال سے اس کا یہی معاہدہ ہے کہ وہ جتنا مال فروخت کرے گا، اس پر اتنا فیصد اجرت ملے گا، تو اس کے لیے گنجائش ہے، کیوں کہ اگرچہ اس صورت میں اجرت ایک حد تک غیر متعین ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ سے نزاع پیدا نہیں ہوتی، اور یہ طریقہ آج کل متعارف اور مروج ہوچکا ہے۔

جہاں تک امامت کی بات ہے، تو وہ بھی اسی حکم سے متعلق ہے، پہلی صورت خیانت کی ہے، جو موجب فسق ہے، اس لیے ایسے شخص کی امامت مکروہ ہوگی، (۱) دوسری صورت جواز کی ہے، اس لیے ایسے شخص کی اقتداء کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

مصور لیبل کے ساتھ اشیاء فروخت کرنا

سوال:- {1816} الف کی دوکان ہے، جس میں اشیاء ضروریہ فروخت کی جاتی ہیں، اس میں بعض اشیاء میں تصاویر بھی ہیں، اگر ان کو الگ کردیا جائے تو گاہک سامان کو

(۱) "یکرہ تقدیم الفاسق" (الهداية ۱/۱۲۲، باب الإمامة) محشی۔

پھٹنے سے کترائیں گے، اور سامان عیب دار محسوس ہوگا، اسی
صورت میں کیا ان شیاء کی خرید وفروخت کی جاسکتی ہے؟

(محمد وثیق الرحمان، فلک نما)

جواب:- بدقسمتی کی بات ہے کہ آج کل ایسی چیزوں پر بھی تصویروں کا لیبل لگایا جاتا ہے، جن سے تصویر کا کوئی تعلق نہیں، اور جو لوگوں کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور چونکہ ان کا خریدنا اور فروخت کرنا ایک ضرورت ہے، لیبل کے کھرچ دینے سے سامان کا صحیح ہونا مشتبہ ہو جاتا ہے اور ان کو فروخت کرنے میں تصویر مقصود نہیں، بلکہ اصل شئے مقصود ہوتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں ان اشیاء کی خرید وفروخت درست ہوگی، (۱) البتہ مسلمان صنعت کاروں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی مصنوعات کو ایسے ناجائز ذریعوں سے پرکشش نہ بنائیں، بلکہ معیار اور صلاحیت کے ذریعہ لوگوں کے لئے توجہ کا مرکز بنائیں۔

تاجر اور گاہک سے دوہرا کمیشن

سوال:- {1817} ایک کمیشن ایجنٹ ہے جو بیچنے
والے سے بھی کمیشن لیتا ہے اور خریدنے والے سے بھی کمیشن
لیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(غلام جیلانی، سطا ملک پیٹ، ایم اکبر سعید آباد)

جواب:- ایجنٹ کی حیثیت اصل میں وکیل ودلال کی ہوتی ہے اور وکالت کی اجرت لی جاسکتی ہے، تو اگر وہ بیچنے والے کے لئے کام کر رہا تھا تو صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے، خریدار سے نہیں، ہاں اگر کوئی ایجنسی اس بات کے لئے قائم ہو کہ وہ تاجر اور گاہک دونوں کے لئے کام کرتی ہو، تو وہ دونوں ہی سے اجرت لے سکتی ہے، علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

---

(۱) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه و النظائر: ۱/ ۹۷) محشی۔

"... فتجب الدلالة على البائع و المشتري أو عليهما بحسب العرف" (۱)

کمیشن ایجنٹ کا لاری کے سامان کو فون پر فروخت کر دینا

سوال:- (1818) حدیث میں سامان کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنے کو منع کیا گیا ہے، مگر بڑے شہروں میں عام طور پر سامان لاریوں سے آتا ہے اور شہر کے باہر ہی لاری ٹھہرا دی جاتی ہے، نیز کمیشن ایجنٹ کو فون سے سامان کی اطلاع دی جاتی ہے، اب وہ ایجنٹ اپنے فون کے ذریعہ گاہک تلاش کرتا ہے اور فروخت کر دیتا ہے، سامان قبضہ میں نہیں لیتا اور سامان کے مالک کو اپنا نفع نکال کر رقم ادا کرتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

(محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ جو اشیاء منتقل کے لائق ہوں، ان کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا درست نہیں، (۲) لیکن اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کسی اور کو قبضہ کرنے کا وکیل بنا دے اور وہ قبضہ کر لے تو یہ اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا، (۳) لہذا اگر لاری کا کرایہ کمیشن ایجنٹ ادا کرتا ہے، تو

---

(۱) رد المحتار: ۴/۳۲۔

(۲) "أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه" و زاد اسمعيل: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" عن ابن عمر ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۱۳۶، باب بيع الطعام قبل أن يقبض، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۵، باب بطلان المبيع قبل القبض، مصنف عبد الرزاق: ۸/۳۸، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۰) محشی۔

(۳) "و يجوز الوكالة بالخصومة في سائر الحقوق و كذا بإيفائها و استيفائها" (الهداية: ۳/۱۷۷) محشی۔

لاری لانے والا اس کی طرف سے وکیل تصور کیا جائے گا، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر خریدار کے تھیلے میں بیچنے والا اس کی اجازت سے خریدا ہوا سامان رکھ دے تو یہ بھی خریدار کے قبضہ کے لئے کافی ہوگا۔(۱) لہذا جب خریدار لاری کا کرایہ ادا کر رہا ہے، تو اس میں رکھا جانے والا سامان گویا خریدار کے قبضہ میں آگیا، لہذا اب اگر کمیشن ایجنٹ کسی اور سے فروخت کرتا ہے تو گویا وہ اس مال کو اپنے قبضہ میں لے کر فروخت کر رہا ہے اور اگر لاری کا کرایہ فروخت کرنے والا ادا کر رہا ہے، تو اس کی حیثیت بیچنے والے کے وکیل کی ہے، اب ایسی صورت میں کمیشن ایجنٹ کا محض فون پر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبضہ سے پہلے بیچنا شمار ہوگا اور اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہوگی۔ (یہ اس حقیر کی رائے ہے، دوسرے اہل علم سے بھی اس سلسلہ میں دریافت کر لینا مناسب ہوگا)

کیا ٹنڈر میں حصہ لینا بولی پر بولی لگانا ہے؟

سوال:- {1819} حدیث میں مسلمان کی بولی پر بولی لگانے کو منع کیا گیا ہے، اس کے پیش نظر یہ معلوم کرنا ہے کہ کسی کام کے لئے ٹنڈر مانگا جائے تو اس میں کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ بولی لگانا کیسا ہے؟ (محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک شخص کسی قیمت میں بیچ رہا ہو، دوسرا شخص اس وقت اس سے کم قیمت کی پیش کش کر دے، یا ایک شخص کسی قیمت پر خرید کر رہا ہو، دوسرا شخص اس پر بازی لے جانے کے لئے زیادہ قیمت لگا دے،(۱) کہ اس سے باہم

---

(۱) " رجل اشترى كرا من صبرة و قال للبائع كله في جوالقي و دفع إليه الجوالق ففعل كان المشتري قابضاً " (الفتاوى الهندية:۳/۱۹) محشی۔

(۲) " نهى رسول الله ﷺ أن يبيع حاضر لباد و لا تناجشوا و لا يبيع الرجل على بيع أخيه " عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح البخاري، حديث نمبر:۲۱۴۰، باب : لا يبيع على بيع أخيه و لا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن أو يترك) محشی۔

مخاصمت پیدا ہوتی ہے، اور یہ جذبۂ شر کے بھی خلاف ہے، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب تاجر نے پیشکش کی اور گاہک اس قیمت میں خریدنے پر راغب ہو چکا ہو، یا خریدار نے جو قیمت بتائی فروخت کنندہ اس پیش کش کو قبول کرنے پر آمادہ ہو چکا ہو، اگر آمادگی اور رغبت کا اظہار نہ ہوا ہو، اور بھاؤ تاؤ کا مرحلہ ہو تو دوسرا شخص پیش کش کر سکتا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر کسی خرید و فروخت کی بنیاد ہی بولی پر رکھی جائے اور ڈاک لگائی جائے اور کہہ دیا جائے کہ جو زیادہ قیمت ادا کرے گا اس سے یہ چیز فروخت کی جائے گی، تو اس صورت میں بولی پر بولی لگانے کی ممانعت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود اس طرح کی ڈاک لگائی ہے،(۱) اور اس کو "بیع من یزید" کہا گیا ہے، لہٰذا اگر تجارتی نوعیت کا ہو تو اس صورت میں بھی ایک تو ایک بولی پر دوسری بولی بھاؤ تاؤ کے مرحلہ میں لگائی جاتی ہے اور بعض اوقات تو ایک شخص کو دوسرے شخص کے دیئے ہوئے ریٹ کی اطلاع بھی نہیں ہوتی، دوسرے یہ ڈاک اور ہراج کے قبیل سے ہے، جو استثنائی صورت ہے اور جس میں ایک کے بعد دوسری قیمت لگانے کی ممانعت نہیں ہے۔

کریڈٹ کارڈ قبول کرنا

سوال:- (1820) بحیثیت تاجر کیا ہم کریڈٹ کارڈ قبول کر سکتے ہیں؟ جب کہ ہمیں اس صورت میں دو فیصد بغرض سروس چارج (انتظامیہ) بینک کو دینا پڑتا ہے، اب جب کہ کریڈٹ کارڈ عام ہو چکا ہے، مسلمان تاجروں کو کیا کرنا چاہئے؟ (عبداللہ، بھیونڈی)

جواب:- کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سودی طریقہ پر سودا خرید کیا جائے، یہ ضروری نہیں،

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۶۴۱، باب تجوز فیه المسألة، بحکی۔

اگر رقم کی ادا شدہ مقدار میں اور مقررہ میعاد کے اندر ادائیگی کے ساتھ سامان خریدنے کا اہتمام کیا جائے تو سود سے بچا جا سکتا ہے، اس لئے شرعاً اس کی گنجائش ہے، اور بعض ممالک میں تو اس کا اتنا عموم اور پھیلاؤ ہو گیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے ضرورت کے درجہ میں آ گیا ہے، جہاں تک تاجروں سے اس پر دو فیصد سروس چارج کے نام سے لی جانے والی رقم ہے، تو اسے سروس چارج (اجرۃ الخدمۃ) پر محمول کیا جا سکتا ہے، چنانچہ گورنمنٹ جو ترقیاتی قرضے بے روزگار لوگوں کو دیتی ہے اور اس پر معمولی سی زائد رقم لیتی ہے، اسے مولانا مفتی نظام الدین صاحب دیوبندؒ نے اسی پر محمول کیا ہے۔(۱)

نفع کا تناسب

سوال:- (1821) اپنے مال میں کتنا فیصد نفع حاصل کر سکتے ہیں؟ (آصف، نولی چوکی)

جواب:- شریعت میں نفع کے لئے کوئی تناسب متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ تاجرین کے عرف و رواج اور فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اتنا نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں آ جائے، مکروہ ہے، غبن فاحش سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کی بازار میں زیادہ سے زیادہ جو قیمت لگائی جاتی ہو، اس سے بھی زیادہ قیمت لی جائے، جیسے ایک چیز پچاس سے بہتر روپیہ تک میں فروخت کی جاتی ہو، اب کوئی شخص اسے اسی روپیہ میں فروخت کرتا ہے تو یہ غبن فاحش ہے، خرید و فروخت درست ہو جائے گی، نفع بھی تاجر کے لئے حلال ہوگا، لیکن اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا اور اگر خریدار کو یقین دہانی کرائی ہو، کہ میں نے مناسب قیمت لگائی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو اس معاملہ کے ختم کر دینے کا حق بھی حاصل ہوگا۔

(۱) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۸۸-۳۸۹۔ محشی۔

اگر خریدار آرڈر دینے کے بعد سامان لینے سے انکار کر جائے؟

سوال:- {1822} اگر آرڈر کی تیاری سے پہلے ضمانت کے طور پر کچھ رقم لے لی جائے اور تیاری کے بعد ضامن یا خریدار اس مال کو لینے سے انکار کر جائے تو کیا رقم ضمانت واپس کرنی ہوگی؟ (اسحاق انور، مدینہ پلاز)

جواب:- جو سامان آرڈر پر بنا کر فروخت کئے جاتے ہیں، اگر ان کا آرڈر دیا گیا اور جو نمونہ دکھایا گیا تھا، اسی کے مطابق سامان تیار کیا گیا، تو بعد میں خریدار کا اس سے انکار کر جانا درست نہیں، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے،(۱) لہذا اب اس پر اس سامان کو لینا اور قیمت ادا کرنا واجب ہے، تاہم اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہو اور شرعی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے اس پر دباؤ اثر انداز بھی نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے، کہ اس کی رقم ضمانت میں بازار کے عام نرخ کے مطابق اس سامان کی جو مقدار مل سکتی ہو، وہ اسے دے دی جائے اور باقی کو کسی اور سے فروخت کرنے کی کوشش کی جائے۔

بیچنے والا مطلوبہ سامان منگا کر فراہم کر دے

سوال:- {1823} ہماری دکان پر ایک کمپنی کی چیز موجود ہے، لیکن خریدار دوسری کمپنی کی چیز مانگ رہا ہو، ہم اس سے پیسے لے کر مطلوبہ چیز منگا کر اس کو دے دیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ (حامد علی، ملکنڈہ)

جواب:- اگر آپ گاہک سے کہیں کہ مثلاً میں یہ سامان ایک گھنٹے کے بعد آپ کو فراہم

---

(۱) "إذا حصل الإيجاب و القبول لزم البيع و لا خيار لواحد منهما إلا من عيب أو عدم رؤية" (الهداية: ۳/ ۲۰، نیز دیکھئے: مجلة الأحكام العدلية: ص: ۷۶) محشی۔

کر سکتا ہوں، ایک گھنٹہ کے بعد وہ پیسے دے اور سامان لے لے تو یہ صورت جائز ہے، پہلے جو گفتگو ہوئی، اس کی حیثیت خرید فروخت کے وعدہ کی ہے، اور پیسے اور سامان کا جو لین دین ہوا، یہ اصل میں خرید فروخت ہے، لہذا جس وقت خرید و فروخت ہوئی اس وقت وہ سامان آپ کے قبضہ میں آچکا تھا، اور زیر قبضہ سامان کی خرید و فروخت درست ہے۔

نقد و ادھار قیمت میں فرق

سوال:- {1824} تجارت میں نقد اور ادھار کی فروخت میں قیمت کا فرق ہوتا ہے کیا یہ فرق سود کہلائے گا؟

(احمد مسعود، اکبر باغ)

جواب:- نقد اور ادھار قیمت میں فرق کرنا جائز ہے،(۱) البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی قیمت متعین ہو، اس کو سود نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ سود ایسے اضافہ کو کہتے ہیں، جو ایک ہی جنس کی اشیاء کے تبادلہ میں پایا جائے اور پہلے سے اس اضافہ کی شرط لگا دی گئی ہو، جب پیسہ سامان کے مقابلہ میں ہو نہ کہ خود پیسہ کے مقابلہ میں تو قیمت کم ہو یا زیادہ وہ سود کے دائرہ میں نہیں آتا۔

بددیانتی کے جواب میں بددیانتی

سوال:- {1825} مشترک تجارت میں اگر ایک پارٹنر مکمل بے ایمانی اور بددیانتی کرے تو کیا دوسرے پارٹنر کے لئے بھی ایسا ہی غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا اور اس کو "جیسے کو تیسا" سے تعبیر کرنا درست ہوگا؟

(محمد نور الدین، بی بی کا چشمہ)

جواب:- ایسے پارٹنر کی بددیانتی کو تحقیق کے ذریعہ ثابت کرنا اور حساب و کتاب کے

---

(۱) " لا مساواة بين النقد و النسيئة ؛ لأن العين خير من الدين و المعجل أكثر قيمة من المؤجل " (بدائع الصنائع : ۵/۱۸۷) محشی۔

دائرہ میں لا کر اسے قابل کرنا چاہئے، محض اس شبہ میں کہ دوسرا شخص بدیانتی کر رہا ہے، خیانت کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کسی شخص کے ذمہ آپ کی رقم باقی ہو، وہ رقم ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے اور کسی عنوان سے اس کی کوئی رقم آپ کے ہاتھوں میں آجائے تو آپ کے لئے اس میں سے اپنی رقم وصول کر لینا جائز ہے، اسے فقہ کی اصطلاح میں ''ظفر بالحق'' کہتے ہیں۔(۱)

خریدار کے ساتھ آنے والا تاجر سے کمیشن طلب کرے؟

سوال:- (1826) کوئی خریدار دکاندار کے پاس ایسے شخص کے ساتھ آئے جو خریدی جانے والی چیز کے بارے میں واقفیت رکھتا ہو، لیکن وہ شخص دکاندار سے بطور کمیشن کچھ رقم دینے کا مطالبہ کرتا ہے، کیوں کہ اس نے اس کے لئے گاہک فراہم کیا ہے، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ (ظفر علی، سعید آباد)

جواب:- اس شخص کا دکاندار سے کمیشن مانگنا جائز نہیں، یہ رشوت کے حکم میں ہے، ہاں اگر تاجر کسی سے کہے کہ وہ اس کے لئے گاہک تلاش کر کے لائے اور پھر وہ گاہک تلاش کر کے اس کی دکان تک پہونچائے، تو اس پر اجرت لینے کی گنجائش ہے۔(۲)

چرم فروخت کرنے کی اجرت لینا

سوال:- (1827) میں مشیر آباد کی چرم منڈی میں ایک گودام کرایہ پر لے کر رہتا ہوں، میرا کاروباری طریقہ یہ ہے کہ اضلاع سے چرم کے بیوپاری مال لے کر حیدرآباد آتے ہیں،

---

(۱) الأشباہ والنظائر، ص:۲۸۵، نیز دیکھئے: الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۹۲/۵۔ محشی

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۰۹۔ محشی۔

ان کے مال واجبی قیمت پر فروخت کر کے دیتا ہوں اور معاوضہ
کے طور پر تین فیصد کمیشن لیتا ہوں، بعض اوقات مال لانے
والوں کو ایڈوانس رقم بھی دینی پڑتی ہے، اور بعض دفعہ مال ادھار
فروخت ہو جاتا ہے، تو ہم تاجرین کو کمیشن کاٹ کر نقد رقم دے
دی جاتی ہے، کیا اس قسم کی تجارت درست ہے؟ اگر درست نہیں
ہے تو درست صورت کیا ہوگی؟ (محمد اختر علی، حشیرآباد)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ آپ اضلاع سے آنے والے مال کو فروخت کریں اور آپ ان سے اس کی اجرت لے لیں، اجرت تو متعین رقم ہونی چاہئے، لیکن اگر تین فیصد رقم متعین ہونے میں کوئی نزاع پیدا ہوتا نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ ایڈوانس رقم دینے یا ادھار فروخت کئے ہوئے مال کی قبل از وصولی قیمت ادا کر دینے کے عوض کے طور پر یہ کمیشن لیا جائے، تو جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہوگا، اس لئے ایڈوانس جو رقم دی جائے وہ بطور قرض دینی چاہئے، اسی طرح وصولی سے پہلے جو قیمت ادا کی جائے وہ بطور قرض دینا چاہئے، اور اس سے معاہدہ کر لینا چاہئے کہ جب تمہاری رقم میرے ہاتھ میں آئے گی تو میں اس سے اپنا قرض وصول کر لوں گا۔

اگر وقت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرے؟

سوال:- (1828) اگر کوئی خریدار مقررہ وقت پر قیمت
ادا نہ کرے تو ایسے شخص سے رقم وصول کرنے کی ہندوستان میں
کیا صورت ہوگی؟ (اسحاق انور، ریڈہلز)

جواب:- اگر کوئی سامان ادھار فروخت کیا جائے، تو قیمت کی وصولی کو یقینی بنانے کے لئے دو شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں: ایک یہ کہ کسی قابل اعتماد شخص کی ضمانت حاصل کی جائے، جو اس کی طرف سے قیمت ادا کرنے کا کفیل بن جائے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، جس کو فقہ کی

اصطلاح میں "کفالہ" اور "حوالہ" کہتے ہیں، اور کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فروخت کرتے وقت کوئی شی بطور رہن رکھوالی جائے اور خریدار خود فروخت کنندہ کو یا کسی تیسرے شخص کو اپنا وکیل نامزد کردے کہ مقررہ تاریخ پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ اس سامان کو فروخت کرکے قیمت ادا کردے، ایسی صورت میں اس سامان کو فروخت کرکے قیمت وصول کی جاسکتی ہے، البتہ تاخیر کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کردینا یا اس پر کوئی مالی جرمانہ عائد کردینا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے۔(۱)

قیمت کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ

سوال:- {1829} مال سپلائی کرنے کے بعد گاہک اس کی قیمت ادا کرنے میں تاخیر کرے تو خریدار پر جرمانہ عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (محمد عبدالمجید، اکبر باغ)

جواب:- قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ اپنی مجموعی نوعیت کے اعتبار سے سود کی شکل ہو جائے گی، اور ویسے بھی اکثر فقہاء کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں۔(۲)

ادھار سودے کی قیمت نقد ادا کرنے پر قیمت میں کمی

سوال:- {1830} کسی ادھار سامان کی قیمت مقررہ

---

(۱) "وکان ربوا الجاھلیة في الدیون أن یکون للرجل علی الرجل الدین فإذا حل قال له أتقضي أم تربي فإن قضاه أخذه و إلا زاده في الحق و زاده في الأجل" (المدونة الکبریٰ:۵/۱۸) محشی۔

(۲) "قوله لا بأخذ مال في المذھب ... و عن أبي یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال و عندھما و باقي الأئمة لا یجوز" (رد المحتار:۶/۱۰۲) محشی۔

وقت سے پہلے ادا کی جائے اور قبل از وقت ادا کرنے کی وجہ سے قیمت کم کرائی جائے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

(محمد عبد المجید، اکبر باغ)

جواب:- فقہ کی اصطلاح میں اس صورت کو "ضع وتعجل" کہا جاتا ہے، اگر خریدار نے یہ شرط لگائی ہو کہ آپ قیمت کم کردیں تو میں قبل از وقت پیسے ادا کردوں گا، یا فروخت کرنے والے ہی نے یہ بات کہی کہ آپ ابھی ادا کردیں تو ہم قیمت میں تخفیف کیے دیتے ہیں، تو یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ اس میں قیمت کی جلد ادائیگی کو پیسے کم کرنے کے لئے شرط کا درجہ دیا گیا ہے، گویا جو قیمت کم کی گئی ہے وہ مدت کا عوض ہے؛ اس لئے اہل علم کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔(۱) ہاں اگر اس کو شرط کا درجہ نہ دیا جائے، مثلاً: خریدار پہلے قیمت ادا کرنے کی پیشکش کرے اور فروخت کرنے والا بطور خود قیمت میں کمی کردے تو یہ صورت جائز ہے، یہ فروخت کرنے والے کی طرف سے قیمت میں رضا کارانہ کمی سمجھی جائے گی اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

اگر بیچنے والے بازار کے نرخ سے زیادہ بتائیں؟

سوال:- (1831) جائداد فروخت کرنے والے نے بوقت فروخت بازاری قیمت سے زیادہ قیمت بتلا کر معاہدہ کرلیا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ فروخت کنندہ نے غلط بیانی کر کے زائد قیمت بتائی ہے، تو ایسی صورت میں معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے؟

(محمد عبد المجید، اکبر باغ)

جواب:- اگر فروخت کرنے والے نے بیچتے وقت صراحتاً یہ بات کہی کہ مارکٹ میں

(۱) "ولا يصح الصلح عن ألف مؤجل على نصفه حالا : لأنه اعتياض عن المؤجل وهو حرام" (رد المحتار :۵۴۴/۴) محشی۔

اس وقت اس جائداد کی یہ قیمت چل رہی ہے اور صورت حال یہ ہو کہ مارکیٹ میں زیادہ سے زیادہ اس جائداد کی جو قیمت پائی جاتی ہو، یہ اس سے بھی زیادہ ہو، تو خریدار کو اس معاہدہ کے ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ بیچنے والے کی طرف سے دھوکہ دہی پائی گئی، اسی طرح اگر اس نے کہا کہ اس جائداد کی اس سے کم قیمت نہیں ہو سکتی، حالانکہ یہ بات غلط تھی، تو یہ بھی فروخت کرنے والے کی طرف سے دھوکہ دینے کی صورت ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی اسے جائداد کے واپس کرنے کا حق ہوگا، اگر بیچنے والے نے مارکیٹ قیمت کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اپنے طور پر ایک قیمت متعین کر کے بتائی، تو چاہے وہ قیمت مارکیٹ ویلیو سے زیادہ ہو، خریدار یک طرفہ طور پر اس معاملہ کو ختم نہیں کر سکتا ہے۔

قرض فراہم کرنے والی کریڈٹ سوسائٹی

سوال:- (1832) ایک کریڈٹ سوسائٹی ہے جو چھوٹے چھوٹے تاجروں کو قرض فراہم کرتی ہے اور قرض اقساط میں آسانی سے وصول کرتی ہے، اگر یہ قرض پر بغیر شرط کے زائد رقم لیتی ہو تو کیا یہ جائز ہے؟ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض قرض داروں کی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ قرض ادا کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں، لہٰذا سوسائٹی کو نفع و نقصان دونوں کا اندیشہ رہتا ہے، سوسائٹی کا مقصد فائدہ کمانا نہیں، بلکہ کم آمدنی والے کاروباری حضرات کو نفع پہنچانا ہے، اگر کچھ رقم بچ جاتی ہے تو تعلیم اور غریبوں کی شادی وغیرہ پر خرچ کر دیا جاتا ہے، ایسی سوسائٹی کا کیا حکم ہے؟ (حمید اللہ، حمایت نگر)

جواب:- کسی بات کے جائز ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ اس کام

کا مقصد بہتر ہو، دوسرا یہ کہ اس کے لئے بہتر طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ اس سوسائٹی کا مقصد یقیناً بہتر ہے لیکن طریقہ کار کو بھی سود اور شبہ سود سے پاک ہونا چاہئے، اگر سوسائٹی کی طرف سے زائد رقم کی متعینہ مقدار مشروط نہ ہو لیکن مطلقاً زائد مقدار کی شرط رکھی گئی ہو، یا لوگوں میں یہ معروف ہو کہ اگر زائد ادا نہ کی جائے تو آئندہ یہ سوسائٹی قرض نہیں دے گی، تو ایسی صورت میں یہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہے فقہاء کا اصول ہے کہ ''المعروف عرفا کالمشروط شرعا''(۱) ''جو چیز عرف ورواج کا درجہ حاصل کرلے، وہ بھی شرط ہی کے درجہ میں ہے، لہذا ایسی صورت میں بھی سوسائٹی کا طریقہ کار نا جائز ہوگا، ہاں اگر سوسائٹی کی جانب سے صراحت کردی جائے کہ مقروض حضرات سے زائد رقم کا کوئی مطالبہ نہیں ہے، ہاں اگر کوئی بطور خود اس کارِ خیر کے لئے تعاون کرنا چاہے تو کرسکتا ہے تو یہ صورت جائز ہوگی۔

منافع کی مقدار

سوال:- (1833) اسلام میں تجارتی اشیاء پر منافع کی مقدار اور حد کیا ہے؟ (قاری، ایم ایس خان، اکبر پاڑی)

جواب:- شریعت میں نفع کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے اور اس کو فطری اتار چڑھاؤ پر رکھا گیا ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت کے مختلف احکام میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ طلب اور رسد میں توازن قائم رہے، تا کہ قیمت میں بھی توازن برقرار رہے، البتہ کسی سامان پر اتنا زیادہ نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں آتا ہو، کراہت سے خالی نہیں، ''غبن فاحش'' سے اتنا نفع مراد ہے کہ جو سامان کی قیمت مقرر کرنے والوں کے دائرہ تخمین سے بھی زیادہ ہو، یعنی ایک سامان بازار میں دس سے پندرہ روپیہ میں ملتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی قیمت پندرہ روپیہ سے بھی زیادہ وصول کرلے تو یہ صورت غبن فاحش کی ہے اور اس کو فقہاء نے ناپسند قرار دیا ہے۔(۲)

(۱) القواعد الفقهية لابن قيم، ص:۳۶۲۔ محشی۔
(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۷۶/۷۔ محشی۔

بٹ اور بوٹی (اوجھ) کی خرید و فروخت

سوال:- {1834} ایک مقامی اخبار میں "بٹ اور بوٹی" کو حرام بتایا گیا ہے، جب کہ ہم اور ہمارے باپ دادا بٹ بوٹی فروخت کرتے آئے ہیں اور ہم بھی کر رہے ہیں، اگر واقعی شرعی حکم ایسا ہی ہو تو انشاء اللہ بندہ آئندہ تاحیات بٹ بوٹی فروخت کرنا بند کردے گا؟

(محمد ظہیر الدین قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- جس جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو اس کے سات اعضاء کا کھانا حرام ہے، اسی طرح رگوں کا بہتا ہوا خون ناپاک ہے(1) اس بناء پر اس کی خرید و فروخت درست نہیں، بٹ اور بوٹی نہ ناپاک ہے اور نہ حرام، اس لئے اس کی خرید و فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، آپ کا یہ عزم کہ اگر ان اعضاء کی خرید و فروخت حرام ہوگی تو ہم ہمیشہ کے لئے اس سے رک جائیں گے، نہایت ہی قابل تحسین بات ہے، ایک مسلمان تاجر کا یہی عزم ہونا چاہئے کہ ظاہری نفع و نقصان کا خیال کئے بغیر جو چیز حرام اور ناجائز ہو، اس سے اپنے آپ کو بچائے۔

تاخیر کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا

سوال:- {1835} ایک مسلمان گاہک نے ایک مسلمان تاجر سے ماہ جنوری میں مبلغ دو ہزار روپے کا سامان

---

(1) "وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان سبعة : الدم المسفوح ، و الذكر ، و الأنثيان ، و القبل ، والغدة ، والمثانة ، والمرارة . كذا في البدائع" (الفتاوى الهندية : ٥/٢٩٠ ، الباب الثالث في المتفرقات ، كتاب الذبائح) محرب۔

ادھار خریدا، اور ماہ مارچ میں اس کی رقم ادا کی، جب ماہ مارچ
میں قیمت ادا کرنے گیا تو دوکاندار نے ماہ مارچ کے مارکٹ
نرخ سے قیمت وصول کی، جو دو ہزار سے زیادہ ہے، دوکاندار
کا استدلال یہ ہے کہ دو ماہ تک میرے دو ہزار روپے رکے رہے،
اگر یہی رقم بینک میں جمع رہتی، تو مجھے اتنا اور اتنا سود ملتا،
دوکاندار کا اس طریقہ پر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(قاری ایم دانش خاں، اکبر پور)

جواب:- جب جنوری میں دو ہزار روپیہ قیمت طے پاچکی ہے، تو اب تاخیر کی وجہ سے مارچ میں زیادہ قیمت وصول کرنا جائز نہیں، یہ سود ہے،(۱) اگر یہ دو ہزار روپے دکاندار کے گھر میں رہتے تو کیا خود بہ خود ان روپوں میں اضافہ ہو جاتا؟ ظاہر ہے کہ روپیہ میں خود روپیہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، اور اگر وہ اس رقم کو تجارت میں ہی استعمال کرتا جب بھی کیا اس پر فائدہ کا حاصل ہونا یقینی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے دکاندار کا زیادہ پیسوں کا مطالبہ کرنا نہ شرعاً درست ہے اور نہ عقلاً صحیح ہے، یہ کھلا ہوا سود ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے، ہاں اگر کوئی شخص شروع ہی میں طے کر دے کہ میں دو مہینے کے بعد قیمت لوں گا اور قیمت ڈھائی ہزار ہوگی، حالانکہ جس وقت سامان فروخت کیا گیا اس وقت بازار کے نرخ کے اعتبار سے قیمت دو ہزار ہی ہونی چاہئے تھی، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ ہر شخص کو اپنے سامان کے بارے میں اختیار ہے کہ وہ جو قیمت اس کی مناسب سمجھے متعین کر دے، اور یہ بھی درست ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق رکھا جائے، اس لئے اگر ادھار معاملہ میں زیادہ پیسے لینے ہی ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ شروع ہی میں اس کا لحاظ کرتے ہوئے قیمت طے کر دے۔

---

(۱) " وكان ربوا الجاهلية في الدين أن يكون للرجل على الرجل الدين فإذا حل قال له أتقضي أم تربي فإن قضاه أخذه و إلا زاده في الحق و زاده في الأجل " (المدونة الكبرىٰ: ۵/ ۱۸) محشی۔

زیادہ قیمت اور اقساط کی سہولت

سوال:- {1836} آلو کے ٹائر اقساط پر زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کیے جاتے ہیں مثلاً ۵۷۵ روپے کے بجائے ۶۷۵ روپے لیتے ہیں تو کیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟ (محمد علی، قاضی پورہ)

جواب:- نقد ادا کرنے کے مقابلہ ادھار اور اقساط کی سہولت کی صورت میں زیادہ قیمت رکھی جائے تو یہ جائز ہے، اور فقہاء اہل سنت نے اس کی اجازت دی ہے،(۱) البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی قیمت طے ہو، مثلاً یوں کہا جائے کہ پانچ اقساط کی سہولت دی جائے گی اور ۶۷۵ روپے ادا کرنے ہوں گے اگر اس طرح معاملہ ہو کہ وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں مثلاً ایک ماہ میں پچاس روپے زیادہ کردیے جائیں گے تو یہ جائز نہیں۔ یہ تو سود میں داخل ہے۔

انٹرنیٹ بزنس

سوال:- {1837} کچھ لوگوں نے ایک اسکیم شروع کی ہے، جس کے ذریعہ ایک عدد کمپیوٹر جس کی قیمت ۴۷۰۰۰ ہے، اسی طرح ماروتی کار، ہیرو ہونڈا، چھک وغیرہ کو حاصل کرنے کے لیے پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) دے کر اس اسکیم کا ممبر بن جاتا ہے، کمپنی والے اس شخص کو چار عدد فارمس دیں گے، اب وہ شخص ان چار فارمس لے کر چار افراد کو ممبر بنائے گا اور وہ اس انداز میں کہ ہر شخص سے ۵۰۰۰ روپے وصول کرے گا تو پہلے والے شخص کو ۲۰۰۰ روپے ملیں گے، وہ ان میں سے

(۱) نیل الاوطار: ۳/۳۷۲۔

۸۰۰ فی کس کے حساب سے ۳۲۰۰ روپے کمپنی کو ادا کرے گا،
۱۲۵۰ فی کس کے حساب سے ۵۰۰۰ روپے خود رکھے گا اور
۲۹۵۰ فی کس کے حساب سے ۱۱۸۰۰ روپے کے ڈی ڈی بنا کر
کمپیوٹر کمپنی اپنے ہی پاس رکھ لے گی یا پھر اپنے قدیم ممبر کو جس
کی وجہ سے وہ ممبر بنا تھا اس کو ۱۱۸۰۰ روپے ادا کردے گی، پھر
وہ چار ممبرس ۱۶ لوگوں کو ممبرس بنائیں گے، تو ۱۶ لوگوں کے
۵۰۰۰ کے حساب سے ۸۰۰۰۰ روپے ہوتے، یہ ۸۰۰۰۰
روپے اس طرح تقسیم ہوں گے ۸۰۰ روپے کمپنی کی فیس ہوگی
تو ۱۲۸۰۰=۱۶x۸۰۰ کمپنی کو جملہ رقم پہنچے گی ۱۲۵۰ فی کس کے
حساب سے ۱۶ ممبرس اپنے اوپر والے کو دیں گے، تو گویا ہر
ایک کو ۵۰۰۰ روپے ملیں گے اور بقیہ ۲۹۵۰x۱۶=/۴۷۲۰۰
کمپیوٹر والے کے نام پر جائیں گے، چنانچہ اس رقم پر پہلے
والے شخص کو ۴۷۲۰۰ مالیت کا کمپیوٹر حاصل ہو جائیگا، تو اس
طرح ممبر بن کر ممبر بناتے ہوئے اپنے پانچ ہزار روپے واپس
ملیں گے اور کمپیوٹر بھی ملے گا، کمپیوٹر ملتے ہی اب کمپنی سے اس
کی ممبر شپ ختم ہو جائے گی، بعض دفعہ اشیاء کے بجائے رقم ہی
حاصل ہوتی ہے، اور پانچ ہزار کا ممبر بننے پر مال ایک لاکھ
روپے سے بھی زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح ممبر بن کر کمپیوٹر یا دیگر اشیاء یا
رقم حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ ممبر بنانے کی محنت چیز
کے حاصل ہونے تک ہر ایک کی رہنمائی اور ان کو سمجھانے کی
کوشش کرتے رہنا پڑے گا۔ (محمد مشتاق حسین، مادنا پیٹ)

جواب:- شریعت میں کسی بھی مال پر نفع حاصل کرنے کے دو طریقے متعین ہیں، ایک طریقہ مال کے عوض پیسے حاصل کرنے کا ہے، جیسے تجارت اور اجارہ، تجارت میں اصل شئی کو فروخت کرکے اس کے عوض مال حاصل ہوتا ہے، اور اجارہ میں مال کے نفع کے عوض مال حاصل ہوتا ہے، جیسے مکان اور سواری کے بدلے اس کا کرایہ، دوسری صورت محنت کے عوض مال کی ہے، ملازم اور مزدور محنت کرتا ہے اور اپنی محنت کی اجرت حاصل کرتا ہے، اس کو بھی اصطلاح میں اجارہ ہی کہتے ہیں، یہ صورت کہ ہم نے کوئی چیز فروخت کی، پھر اس نے جتنوں کو فروخت کی اور ان خریدنے والوں نے آئندہ جتنے لوگوں کو بیچا سب کے پیسے اور نفع میں اس کی شرکت ہوتی جائے، دنیوی معاملات میں شریعت کے اندر اس کی کوئی نظیر نہیں، ہاں آخرت کے اجر وثواب کے معاملہ میں اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم کا یہ نظام رکھا ہے کہ کسی شخص کی دعوت پر دوسرا آدمی نیک عمل کرے اور پھر اس دوسرے کی دعوت پر تیسرا اور تیسرے کی دعوت پر چوتھا، تو ان تمام لوگوں کے نیک اعمال کے اجر وثواب میں پہلا شخص بھی شریک ہوگا، یہی حال گناہوں کا بھی ہے، لیکن دنیوی معاملات میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

دوسرے اس نے صرف پانچ ہزار روپے دیے ہیں اور اس کے بدلہ میں اسے ۵۰۰۰ اور ایک کمپیوٹر ملا تو پانچ ہزار کے مقابلہ میں اور اس پر مستزاد کمپیوٹر یا کوئی سامان یا مزید پیسے، تو گویا ایک ہی جنس کے تبادلہ میں ایک طرف سے زیادہ ہے اور دوسری طرف سے کم اور یہ سود ہے، پھر جس وقت وہ پانچ ہزار روپے ادا کر رہا ہے نہیں معلوم کہ وہ دوسرے ممبرس بنا سکے گا یا نہیں اور بنا سکے گا تو کس قدر، اور اس کے نتیجے میں اس کو کیا حاصل ہوگا، ہوسکتا ہے کہ یہ پانچ ہزار بھی چلے جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت زیادہ کچھ آجائے، اسی کیفیت کو اصطلاح میں قمار اور جوا کہتے ہیں، تو گویا اس میں جوے کی کیفیت بھی ہے، لہذا انٹرنیٹ بزنس کی یہ صورت جائز نہیں۔

ایکسپورٹ امپورٹ

سوال:- (۱۵۷۸) موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں اقتصادی

سرگرمیوں اور تجارتی معاملات کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا ہے، تجارت کی ایسی پیچیدہ اور نت نئی شکلیں سامنے آ رہی ہیں جو پہلے زمانہ میں متعارف نہیں تھیں، ان کا شرعی حکم متعین کرنا ارباب فقہ و فتاویٰ کی مسئولیت اور ذمہ داری ہے، کیوں کہ یہ معاشرہ اور زندگی کی لازمی ضرورت بن چکی ہیں جن سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے، اب ایک مسلمان یا تو حرام و حلال کی پرواہ کئے بغیر ان تجارتی شکلوں کو اختیار کرتا ہے یا شرعی الجھنوں میں پڑ کر تجارت چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں اصولی طور پر نقصان دہ ہیں۔

اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ذمہ داران ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ "جدید مسائل تجارت" کو بحث و تحقیق کا عنوان بنا کر شرعی حکم دریافت کیا جائے اور تنقیح اور توضیح کرکے متفقہ حکم پیش کیا جائے، اس لئے امسال تیسرے فقہی اجتماع کا موضوع بحث ان مسائل کو رکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں علمی مواد کے مطالعہ کے ساتھ تجربہ کار صنعت کاروں اور تاجروں سے تبادلۂ خیالات کرکے چند نکات بحث کا تعین کیا گیا ہے جن کے حل ہونے سے کافی حد تک مسئلہ منقح ہو سکتا ہے۔

ملکی معیشت کی کامیابی، اقتصادی ترقی اور مالی استحکام کا سب سے اہم ذریعہ ایکسپورٹ، امپورٹ (مال تجارت کی درآمد برآمد) ہے جو ملک جتنی زیادہ مصنوعات عالمی منڈی میں بیچتا ہے ترقی پذیر شمار ہوتا ہے، ایکسپورٹ اور امپورٹ

کمپنی کا قانونا رجسٹرڈ کرانا اور حکومت سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہے اور کمپنی رجسٹرڈ کرانے کے لئے ایک متعینہ رقم کا کسی بینک میں فکس ڈپازٹ کرانا لازمی اور منظوری حاصل کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناگزیر ہے اسی طرح ابتدائی مراحل میں مال کی تیاری اور ترسیل ثمن ومبیع کے لئے بینک کا تعاون اور شرح سود پر قرض لینا ضروری ہے، اس کے بغیر تجارت کو باقی اور متحرک رکھنا مشکل ہے گرچہ تاجروں کے تبادلۂ خیالات میں یہ بات سامنے آئی کہ اگر کسی کے پاس وافر مقدار میں سرمایہ موجود ہو اور وہ حوصلہ مندی کے ساتھ تجارت کرے تو بینک کی سودی گرفت سے بچنا ناممکن نہیں ہے، اس وقت ملک کی بہت سی قومی کمپنیاں اپنے آپ کو بینکوں کے چنگل سے نکال چکی ہیں اور ابتدائی مراحل میں ہر ایک کے لئے بینک کا تعاون حاصل کرنا لازمی ہے، یہ واضح رہے کہ دور حاضر کے بہت سے معاملات سود سے پاک وصاف قرار دئے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں سود ان کا جزو لازم ہے، اس تمہید کے ساتھ اس سلسلہ کے بنیادی سوالات پیش خدمت ہیں، جن پر بحث کی ضرورت ہے، تاکہ ان کا شرعی حکم واضح ہوکر عام لوگوں کی رہنمائی کا سبب بن سکے۔ (وفقنا اللہ وایاکم الصراط المستقیم)

۱) ایکسپورٹ وامپورٹ کمپنی کو رجسٹرڈ کرانا قانونا ضروری ہے اور اس کے لئے ایک متعینہ رقم کا فکس ڈپازٹ کرانا لازم ہے تو کیا اس کے لئے بینک میں فکسڈ ڈپازٹ

کھانا کھلوانا شرعاً درست ہوگا؟

۲) کمپنی اور فرم کو منظور کرانے کے لئے افسران کو رشوت دینا ناگزیر ہوتا ہے، تو کیا اس کام کے لئے رشوت دینا درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳) ایکسپورٹ کے لئے بیرون ملک مال کے کچھ نمونے بھیجے جاتے ہیں جن میں سے خریدار منتخب کر کے آرڈر بھیجتا ہے، واضح رہے کہ ایکسپورٹر کے پاس ان نمونوں کے علاوہ مال عموماً کسی درجہ میں تیار نہیں رہتا ہے، بلکہ آرڈر کے مطابق مال تیار کر کے مشتری کے پاس روانہ کرتا ہے اور مشتری آرڈر کے ساتھ کوئی پیشگی ثمن ارسال نہیں کرتا ہے اس صورت میں:

(الف) کیا بیع وشراء کی یہ صورت درست ہے؟ حالانکہ اس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہیں۔

(ب) کیا آرڈر بھیجتے ہی بیع کا انعقاد ہو جاتا ہے؟ کہ اس کے بعد تراضی طرفین کے بغیر بیع توڑنے کی اجازت نہیں، یا یہ آرڈر صرف وعدۂ بیع کی حیثیت رکھتا ہے، اور بیع کا انعقاد بائع کی طرف سے مبیع کی ترسیل اور مشتری کی طرف سے اس کی وصولی کے بعد ہوتا ہے؟

(ج) کیا یہ "بیع استصناع" کی صورت ہو سکتی ہے؟

۴) مشتری کی طرف سے بینک میں ایک متعینہ مدت مثلاً: ایک ماہ دو ماہ کے لئے ایل سی یعنی لیٹر آف کریڈٹ

(اعتماد کی رسید) کھلوائی جاتی ہے، جو بینک کی طرف سے ثمن کی وصولیابی میں سہولت پیدا کرنے کی ایک صورت ہے، چوں کہ ترسیل مبیع کے بعد ثمن آنے میں کافی تاخیر ہوتی ہے، اس لئے ایکسپورٹر (بائع) کاروبار چلانے کے لئے ارسال کردہ مال کے کاغذات اس بینک میں رہن رکھ کر بقدر ضرورت رقم حاصل کرتا ہے، جو ثمن کی رقم کا ۷۵ رفیصد زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے، بینک ایل سی کی مدت کے اعتبار سے شرح سود کاٹ لیتا ہے، اگر اس طرح تاجر نہ کرے تو کاروبار کا جاری رکھنا بظاہر مشکل ہو جاتا ہے تو ایسی مجبوری میں:

(الف) بینک کی طرف سے وضع کردہ رقم پر سود کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

(ب) کیا مال مرسلہ کے کاغذات کو چیک کا درجہ دے کر وضع کردہ رقم کو بینک کا اجرۃ العمل قرار دیا جا سکتا ہے؟

۵) جن تاجروں کے لئے مشتری ایل سی نہیں کھولتا ان کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ مال کی ترسیل کے بعد اپنے کاغذات بینک میں رکھ کر پی سی یعنی پیکنگ کریڈٹ (تیاری کی مدار) کے بطور قرض حاصل کرلیں، مگر اس حاصل شدہ رقم میں مختلف مدتوں کے اعتبار سے مختلف شرح سود بینک کو دینی پڑتی ہے، عموماً متوسط طبقہ کے تاجروں کو حکومت کی اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے کہ تجارت کو جاری رکھنے کے لئے نہ تو اتنا بڑا قرضہ شخصی طور پر مل پاتا ہے اور نہ ہی ایسی مستحکم تنظیمیں ہیں جو تاجروں کو ایسا قرضہ

فراہم کر سکیں، تو

(الف) کیا بینک سے اس طرح کی سہولت حاصل کرنا اور سود دینا درست ہوگا؟

(ب) بینک سود کے نام سے جو رقم کاٹتا ہے کیا حقیقۃً سود ہے؟ یا اس کو اجرۃ المثل قرار دیا جا سکتا ہے؟

۲) ایکسپورٹر (بائع) کو کبھی ایسی صورت پیش آتی ہے کہ وہ اپنے ارسال کردہ مال کے کاغذات کو کلیۃً بینک کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، یعنی براہ راست مشتری سے ثمن حاصل کرنے کا حق بینک کو دے دیتا ہے اور بینک سے بیع و شراء کا یہ معاملہ کاغذات میں لکھی ہوئی مال کی قیمت سے کم میں ہوتا ہے، مثلاً: پچاس ہزار روپے مال ارسال کیا ہے تو ۴۸ ہزار روپے میں اس کے کاغذات کو بینک سے بیچ دیا جاتا ہے، تو کیا یہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو یہ کاغذات کی بیع ہے؟ یا اس مال کی جو مشتری کے پاس ارسال کی گئی ہے، پہلی صورت میں یہ کاغذات بذات خود مقصود بالبیع ہیں؟ یا چیک کے حکم میں ہیں؟ دوسری صورت میں ثمن سے کم کی گئی رقم کا کیا حکم ہے؟ کیا سود تو نہیں، اگر ہے تو کیوں کر؟ نیز بینک سے ثمن حاصل کرنا کس حیثیت سے ہے؟ وکالت یا کفالت کے طور پر؟

۷) امپورٹ شدہ اشیاء کی ایکسپورٹ میں یعنی بیرون ملک سے درآمد شدہ خام اشیاء کو تیار کر کے برآمد کرنے کے لئے حکومت ایکسپورٹر کو کچھ رقم ڈرا بیک (نقصان کی تلافی) کے نام سے واپس لوٹاتی ہے، ضابطے کے مطابق روپے کمانے

کے لئے کافی وقت لگتا ہے، اس لئے اسے بھی بسا اوقات اصل رقم سے کم میں بھنانا پڑتا ہے تو کیا اس طرح اسے بھنانا درست ہوگا؟ کیا یہ میعادی چیک کے درجہ میں ہے؟

۸) بیع کی قیمت فارن کرنسی (ڈالروں) میں طے کی جاتی ہے، جس کی قیمت ملکی سکے کی بہ نسبت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، تو ادائیگی ثمن کی تاخیر کے وقت روپے کی جو زیادتی یا کمی قانون حکومت کے مطابق بائع کے ذمہ میں آتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ زیادتی کس کا حق ہے اور کمی کس کے ذمہ؟ یا ڈالروں کی تعداد کا اعتبار ہوگا؟ (حضرت مولانا سید اسعد مدنی ، ادارۃ المباحث الفقہیہ ، جمعیۃ العلماء ہند)

جواب:- شریعت کے کچھ احکام وہ ہیں، جو اصولی حیثیت رکھتے ہیں اور مستقل احکام کے درجہ میں ہیں، فقہ کی اصطلاح میں وہ "عزیمت" کہلاتے ہیں، وہ مستقل اور اصل ہیں، وہ دین کے اصل مزاج و مذاق کے مظہر ہیں، اور شریعت کے حقیقی مقاصد اور مصالح کا تحفظ کرتے ہیں، ان کے مقابلہ میں جو احکام "رخصت" کہلاتے ہیں، اور مشکل حالات میں یسر و تخفیف کے نقطۂ نظر سے دیئے جاتے ہیں، ان کی حیثیت عبوری احکام کی ہوتی ہے، جوں ہی یہ دقت دور ہوگی اور مشکلات ختم ہوں گی، اصل احکام لوٹ آئیں گے، یہ عبوری احکام دو طرح کے ہوسکتے ہیں: ایک تو وہ ہیں جو دار الاسلام میں رہتے ہوئے پیش آتے ہیں، ان کے لئے کسی خاص علاقے اور مقام کی قید نہیں، اصول فقہ کی اصطلاح میں ان کو "عوارض" کہا جاتا ہے، کچھ عوارض تو فطری ہوتے ہیں، جیسے بیماری، دماغی عدم توازن، نابالغی وغیرہ، ----- کچھ وہ ہوتے ہیں جس میں فعل انسانی کو دخل ہوتا ہے، جیسے نشہ، اکراہ، اصول فقہ کی کتابوں میں ان کے متعلق وافی اور شافی تفصیلات موجود ہیں کہ ان اعذار اور مجبوریوں کا کیا اثر پڑے گا؟ اور کس درجہ کے اعذار سے

شریعت کے احکام میں کس درجہ کی سہولت پیدا ہوگی؟

لیکن ضروری ہے کہ عبوری احکام میں ایک مستقل حیثیت اس بات کی مانی جائے کہ جب مسلمان دار الکفر میں ہوں، اسلامی حکومت موجود نہ ہو، ملک کی معیشت، سیاست، اور قانون پر نظام کفر کا کنٹرول ہو، مسلمان اس موقف میں نہ ہوں کہ وہ اپنے منشأ و مزاج اور فکر وعقیدہ کے مطابق اپنے لئے کوئی نظام بنا سکیں، تو وہاں بھی احتیاط کے ساتھ شریعت کی تعلیمات اور اس کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے بعض صورتوں میں مستقل حکم شرعی کی جگہ عبوری احکام کو گوارا کیا جائے، پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں کی اور مدنی زندگی میں خود احکام شرعیہ کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، وہ محتاج اظہار نہیں، کتنی ہی باتیں جو مدینہ کی زندگی میں حرام پائیں، وہ مکہ کی زندگی میں حلال تھیں، اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ آج بھی دیار کفر میں وہ تمام چیزیں حلال ہوں، جو مکہ میں حلال تھیں، اس طرح کی بات کہنا انتہائی درجہ کی مکروہ بات ہوگی، کیوں کہ مکہ میں اس وقت تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، اور اب شریعت مکمل ہو چکی ہے، جس نے کسی کمی بیشی اور فسخ وتبدیل کے لئے گنجائش باقی نہیں رکھی، لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دیار کفر میں زندگی بسر کرنے والے بعض دفعہ ایسے حالات سے دوچار ہوتے ہیں، جن میں وہ لوگ مبتلا نہیں ہوتے جو اسلامی مملکت میں اور خالص اسلامی ماحول میں زندگی بسر کرتے ہوں، خود فقہاء کے یہاں بھی اس کی بعض مثالیں موجود ہیں، دار الحرب میں رہنے والوں کے لئے بعض احکام شرعیہ کی ناواقفیت کو عذر تسلیم کیا گیا ہے، حالانکہ دار الاسلام میں رہتے ہوئے اگر کوئی شخص اس سے ناواقفیت کا دعوی کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، علامہ ابن نجیم مصریؒ کہتے ہیں:

"والثالث الجهل في دار الحرب من مسلم لم يهاجر وانه يكون عذرًا" (۱)

---

(۱) الأشباه والنظائر، ص: ۱۶۸، الفن الثالث۔

اختلاف دارے بحض اور احکام بھی فقہاء نے متعلق کئے ہیں، جو اہل علم کے لئے محتاج اظہار نہیں۔

نصوص میں گو صراحت اور قطعیت کے ساتھ دار النظر میں رخصت و سہولت کے حدود متعین نہیں کئے گئے ہیں، لیکن ایسے اصولی اشارے کئے گئے ہیں، جن سے اس سلسلہ میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، اور ایسا کیا جانا ضروری بھی تھا کہ مختلف ملکوں، علاقوں اور وہاں کے ماحول کے اعتبار سے کسی ایک حکم کی تعیین ممکن نہ تھی، اور اگر ایسا کیا جاتا تو مختلف ملکوں، علاقوں اور معاشروں میں یکساں عمل آوری ممکن نہیں تھی، شریعت کی وہ نصوص جو اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں، اس طرح ہیں:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾(۱)

﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾(۲)

"أحب الدين إلى الله تعالى الحنيفية السمحة"(۳)

"لا ضرر و لا ضرار" (۴)

قرآن و حدیث کی ان نصوص کو سامنے رکھ کر فقہاء نے کچھ فقہی قواعد مقرر کئے ہیں، ان قواعد کے ذریعہ ایک طرف احکام شریعت میں یسر و سہولت کے اصول بتائے گئے ہیں، اور دوسری طرف اس کی ایسی تحدید کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اباحیت کا دروازہ نہ کھل جائے اور ضرورت کے نام پر ہر نا کردنی کے لئے اہل ہوس سند جواز نہ بنالیں، یہ قواعد اس طرح ہیں:

"المشقة تجلب التيسير" (۵)

---

(۱) البقرة: ۱۸۵۔ محشی۔

(۲) الحج: ۷۸۔ محشی۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۳۹، باب: الدين يسر۔ محشی۔

(۴) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۳۴۰، باب من بنى في ما يضر بجاره۔ محشی۔

(۵) الأشباه والنظائر: ۱/۲۲۵۔ محشی۔

"الضرر یزال" (۱)

"من ابتلی ببلیتین یختار أهونهما" (۲)

"الضرورات تبیح المحظورات" (۳)

"ما أبیح للضرورة یتقدر بقدرها" (۴)

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں زمام اقتدار ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے اور خصوصیت سے معاشی نظام کی تشکیل اور قانون سازی میں اقلیت یا اکثریت کے مذہبی اصول کی رعایت کئے جانے کی کوئی ضمانت دستور میں نہیں دی گئی ہے، ضروری ہوگا کہ احکام پر غور کرتے ہوئے اہم شارع کی ان ہدایات اور فقہاء کے ان اصول واجتہادات کو سامنے رکھیں اور معاملہ کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، اس پہلو کو بھی کہ حرج اور مشقت سے بچانا شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اور اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ شارع کی صریح محرمات کے دروازہ پر بہرحال دستک دینے سے بچا جائے۔

اس تمہید کے بعد اب اصل سوالنامہ پر بحث کی جاتی ہے۔

۱)...... ایکسپورٹ اور امپورٹ تجارت کو انفرادی اعتبار سے ضرورت کا درجہ نہیں رکھتی جس کی وجہ سے ناجائز چیزوں کی اجازت دی جائے، لیکن مسلمانان ہند کے لئے اجتماعی اعتبار سے یہ ضرورت حاجت کا درجہ رکھتی ہے، اور فقہاء کے یہاں قریب قریب مسلمات میں سے ہے کہ

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة" (۵)

---

(۱) الأشباه والنظائر، ص: ۲۷۴

(۲) حوالہ سابق، ص: ۲۸۹

(۳) حوالہ سابق، ص: ۲۷۵

(۴) حوالہ سابق، ص: ۲۷۶

(۵) شرح القواعد الفقهية لشيخ أحمد بن محمد الزرقا، ق ۲۱، ص: ۲۵۹، شرح مجلہ (اردو) اسلام آباد پاکستان، ص: ۹۹۔

اس قاعدہ کے تحت فقہاء نے کتنی ہی چیزوں کو خلاف قیاس، جائز ومباح قرار دیا ہے، وہ اہل علم سے مخفی نہیں، صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے قریب قریب بند ہیں، آزادی کے وقت بہت مسلمان زمیندار تھے، لیکن خاص منصوبہ کے تحت ان کو اراضی سے محروم کیا گیا، تجارت میں بھی مسلمانوں کا تناسب بہت معمولی ہے، بعض چھوٹی صنعتیں جو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں، ان کی شاہ کلید بھی غیر مسلموں کے قبضہ میں ہے، صنعتوں میں ہم اور بھی زیادہ پسماندہ ہیں، ان حالات میں تجارت اور صنعت کے بعض محدود مواقع کو بھی مسلمانوں پر بند کر دیا جائے تو ان کی معاشی پسماندگی اور بڑھتی چلی جائے گی، اور تی زمانہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قوم کا معاشی طور پر اچھوت بن جانے سے نہ صرف دینی بلکہ اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے بھی اس میں پستی اور دناءت پیدا ہو جاتی ہے، ہمیں واقعات کو ملحوظ رکھنا ہوگا، اور بے دینی کے ان حالات کو قرون خیر پر قیاس کرنا واقعات سے انکار اور توقعات و امکانات پر اعتماد نہ کرنے کے مترادف ہوگا، لہذا جب یہ تجارت ایک اجتماعی حاجت کا درجہ رکھتی ہے اور حکومت اس کے لئے لکس پرمٹ کو لازم قرار دیتی ہے تو لکس پرمٹ مذکورہ صورت میں ایک آگئی حاجت کے درجہ میں جائز ہوگا، البتہ اصل جمع شدہ رقم حلال وطیب ہوگی، اور زائد رقم فقراء کے درمیان واجب التصدق۔

۲)..... رشوت دینا تو اصلا گناہ اور ناجائز ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنے کی سعی ضروری ہے، لیکن اگر اس کے سوا چارہ نہ ہو تو اس مقصد کے لئے رشوت دینے کی گنجائش ہوگی، یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ رشوت لینا تو ''حرام لعینہ'' ہے اور رشوت دینا ''حرام لغیرہ'' ہے، اس لئے فقہاء نے دفع ظلم یا اپنے جائز حق کی وصولی کے لئے رشوت دینے کی اجازت دی ہے، مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"الرشوة ما يعطى لابطال حق أو لاحقاق باطل

أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق أو ليدفع به

عن نفسه ظلما فلا بأس به " (۱)

قانون کی شرطوں کی تکمیل کے بعد ایکسپورٹ، امپورٹ تجارت ظاہر ہے ہر شہری کا حق ہے، اور اس میں رشوت دینا اپنے جائز حق کی وصول کے لئے رشوت دینا ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی۔

۳)..... ایکسپورٹر کو جو مال ملتا ہے اس کی حیثیت " بیع استصناع " کی ہے، استصناع کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ پیشگی ثمن ادا کیا جائے، علامہ ابن ہمام کا بیان ہے:

" الاستصناع طلب الصنعة و هو أن يقول لصانع خف أو مكعب أو اوان الصفير اصنع لي خفا طوله كذا ، أو وسعته كذا أو دستا أي برمة تسع كذا وزنها كذا على هيئة كذا بكذا ويعطي الثمن المسمى أو لا يعطي شيئا فيعقد الأخر معه جاز استحسانا تبعا للعين " (۲)

صاحب عنایہ نے مزید اس کو واضح کر دیا ہے:

" الاستصناع هو أن يجيئ إنسان إلى صانع فيقول اصنع لي شيئا صورته كذا وقدره كذا بكذا درهما و يسلم إليه جميع الدراهم أو بعضها أو لا يسلم " (۳)

علامہ حصکفی بھی تاتارخانیہ سے ناقل ہیں:

" و في التاتار خانية : لا يجبر المستصنع على

(۱) إعلاء السنن : ۱۵/۶۰۔

(۲) فتح القدير : ۶/۲۴۱۔

(۳) العناية على هامش فتح القدير : ۶/۲۴۱۔

اعطاء الدراہم" (۱)

فقہاء نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے یا وعدۂ بیع کی؟ حاکم شہیدؒ اور بعض دوسرے مشائخ اسے وعدۂ بیع مانتے ہیں، اور خریدار کے لئے اس کے لینے کو ضروری قرار نہیں دیتے، بیع اس وقت ہوتی ہے جس وقت صانع اور خریدار کے درمیان لین دین ہو۔(۲) لیکن اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ استصناع کی حیثیت بیع کی ہے، مجمع الانہر میں ہے:

"لکن الصحیح من المذهب جوازه بیعا ؛ لأن محمدا ذکر فیه القیاس و الاستحسان وهما لا یجریان فی المواعدة" (۳)

فتاویٰ عالمگیری میں استصناع کو اپنی ابتداء کے اعتبار سے اجارہ اور نہایت اور انجام کے اعتبار سے بیع قرار دیا ہے:

"الاستصناع ینعقد إجارة ابتداء و یصیر بیعا انتهاء قبل التسلیم بساعة هو الصحیح" (۴)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس معاملہ کے طے پاجانے کے بعد طرفین کے حق میں یہ معاملہ لازم ہوجائے، ہر چند کہ فقہاء کے یہاں بیع اور وعدۂ بیع کے اختلاف نے اس مسئلہ میں بھی اختلاف رائے پیدا کردیا ہے کہ صانع "عمل" پر اور آرڈر دینے والا اس کی "وصولی" پر مجبور ہوگا یا نہیں؟ لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ طرفین اس پر مجبور ہوں گے۔(۵) خلافت عثمانیہ ترکیہ کے "مجلة الأحکام" میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی ہے کہ اگر آرڈر کے مطابق صانع نے

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار :۴/۲۱۳۔
(۲) عنایة علی هامش فتح القدیر :۷/۱۱۴۔
(۳) مجمع الأنهر :۳/۱۰۶۔
(۴) الفتاوی الهندیة:۳/۲۰۷۔
(۵) تفصیل کے لئے دیکھئے:الدر المختار و رد المحتار:۴/۲۱۲-۲۱۳۔

اشیاء تیار کی ہیں، تو فریقین کے لئے معاملہ پر قائم رہنا ضروری ہوگا۔

"إذا انعقد الاستصناع فليس لأحد العاقدين الرجوع ، وإذالم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا" (۱)

اس کے علاوہ اگر بالفرض اس کو وعدۂ بیع مان بھی لیا جائے تو بعض دفعہ مواعید بھی حاجت انسانی کے تحت لازم قرار دئے جاتے ہیں:

"لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس" (۲)

واضح ہے کہ بینک اس رقم پر جو شرح سود کاٹتا ہے، اس کو اجرت العمل قرار دینا صحیح نظر نہیں آتا، اجرت کے لئے متعین ہونا ضروری ہے، اور یہاں کوئی رقم متعین نہیں ہوتی، بلکہ رقم کی وصولی میں عجلت اور تاخیر کے لحاظ سے اس کی مقدار کم وبیش ہوا کرتی ہے۔ رقم کم ہو یا زیادہ، حساب وکتاب کرنے والوں کا عمل برابر ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں رقم کے تناسب سے وضع شدہ رقم میں کمی بیشی بھی واقع ہوتی رہتی ہے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ بینک کی کاٹی ہوئی رقم سود ہے، البتہ کاروباری حاجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی دوسرا متبادل فراہم نہ ہونے کی صورت میں اس طرح بینک سے رقم حاصل کرنا جائز ہوگا۔

۵)..... یہی جواب اس سوال کا بھی ہے، بینک کی کاٹی ہوئی رقم اجرۃ العمل تو نہیں کہلا سکتی، البتہ کاروباری حاجت کے تحت اس کی بھی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۶)..... زیادہ رقم، مثلاً: پچاس ہزار روپے کی رسید کو اڑتالیس ہزار روپے میں نقصان کے ساتھ بیچنا سود ہی پر مبنی معاملہ ہے، خریدنے اور بیچنے والے کی نگاہ میں نفس کاغذ کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے "الأمور بمقاصدها" (۳) کے تحت اس کو بیع کاغذ قرار دینا کسی طرح صحیح نظر

---

(۱) مجلة الأحكام العدلية،ص:۷۶۔
(۲) الدر المختار على هامش الرد:۴/۲۴۷، نیز ملاحظہ ہو: الجامع الصغير:۲/۱۹۸۔
(۳) الأشباه و النظائر مع حاشية حموى،ص:۵۳-الفن الأول-مرتب۔

نہیں آتا، یہ مشتری کے پاس ترسیل شدہ مال کا ثمن بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ اس طرح معاملہ کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ یہ بائع کی طرف سے رضا کارانہ قیمت میں کمی تصور کی جائے، اس لئے کہ عقدِ بیع بیرونِ ملک کی کمپنی سے طے پایا ہے نہ کہ بینک سے۔

۷)..... حکومت نقصان کی تلافی کے لئے جو رقم دیتی ہے اس کو کم رقم میں بیچنا ایسی "بیع صرف" ہے جس میں تفاضل اور نساء دونوں کا اجتماع ہے، اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں، اور چیک کے ہی حکم میں ہے۔

۸)..... جس ملک کی کرنسی میں معاملہ طے پایا ہے وہی کرنسی اصل قرار پائے گی، اور ادائیگی کے وقت اسی کرنسی کا اعتبار ہوگا، ملکی سکے کی قیمت کم ہو یا زیادہ، اس کا اعتبار نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ شارع نے دینار کے ذریعہ "دیت" مقرر کی ہے، لیکن جب درہم کے ذریعہ "دیت" کی ادائیگی کا مسئلہ سامنے آیا تو ابتداءً دس ہزار درہم کو "دیت" قرار دیا گیا، پھر جب دینار کی ترخ میں اضافہ ہو گیا تو دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار درہم "دیت" مقرر کی گئی، گویا دینار کو اصل ٹھہرایا گیا، اور اس کی قیمت کو ملحوظ رکھا گیا۔(۱) واللہ اعلم

رشوت — تحفہ کے نام پر

سوال: **(1839)** ایک بہت بڑی کمپنی ہے، جیسے کہ ہندوستان میں ٹاٹا برلا، ایسی بڑی کمپنی میں کوئی ایک شخص مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ بہت سے لوگ اس میں شیئر بنتے ہیں، (گویا کہ اس کے بہت سارے مالک ہیں)

اس کمپنی میں ایک خریداری کا محکمہ ہے جس میں کہ تقریباً چالیس آدمی خریداری کرتے ہیں، (یعنی ان کا کام کمپنی کے

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۵۴۲، باب الدیة کم هي ؟ ـ محشی۔

لئے سامان خریدتا ہے) یہاں یہ بات بھی لکھنا مناسب ہے کہ یہ خریداری محکمہ جس میں کہ تقریباً چالیس آدمی کام کرتے ہیں، کمپنی ان کو تنخواہ دیتی ہے، ان چالیس خریداروں کے اوپر ظاہر ہے کہ دو چار بڑے افسر رہیں گے، ہوسکتا ہے ان بڑے افسروں کا کچھ شیئر ہو اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ شیئر نہ ہو، اگر شیئر ہوگا تو 1/10 فیصد ہوگا یا اس سے بھی کم ہوگا۔

خریدار محکمہ سے ہمارے تعلقات ہیں، لیکن ان کے بڑے افسروں سے نہیں، بلکہ جو خود خریداری کرتے ہیں، نیچے کے لوگ ان سے ہمارے تعلقات ہیں اور وہ تعلق اس درجہ کا ہے کہ ہم ان کو لیتے دیتے ہیں، مثال کے طور پر کبھی برف کیس دے دیا اور کبھی روپیہ دے دیا، غرض کہ ان کو (یعنی اپنی خریداروں کو خوش رکھنے کے لئے) ہم بزنس میں تمام کے تمام چاہے وہ لینا چاہئے یا نہ چاہے کچھ نہ کچھ لیتے دیتے رہتے ہیں، تاکہ وہ سامان ہم سے خریدیں، آپ واضح الفاظ میں بتائیں کہ یہ ہمارا لین دین کہاں تک صحیح ہے، اور کہاں تک غلط ہے؟ اور ساتھ میں یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ قوم کا تعصب بھی چلتا ہے۔ (علی، شاہ علی جنڈہ)

جواب:- کمپنی کی طرف سے خریداری کا محکمہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ کسی خاص شخص سے خریداری کو ترجیح دینے کے بجائے گرانی اور ارزانی کی بناء پر ترجیح دے، آپ کا یہ تحفہ دراصل محکمہ کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ بجائے کمپنی کے مفاد کے، آپ کے شخصی مفاد کا پاس ولحاظ کرے اور اصولی طور پر کوئی شخص آپ سے زیادہ اس سودے کی قیمت ادا کرے، تو اسے محروم کردے، اسی کا نام اسلام میں رشوت ہے، رشوت وہ مال ہے جو کسی دوسرے کو نقصان پہونچانے

یا حق شرعی کے بغیر کوئی چیز حاصل کرنے کی غرض سے دی جائے:

"ما یعطی لابطال حق أو لاحقاق باطل" (۱)

خرید وفروخت کی ایک خاص صورت

سوال:- {1840} جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ بہت بڑی کمپنی ہے، اوپر جیسے تمام حالات میں اس کمپنی نے ہم سے کچھ کاغذات کے دام مانگے (یعنی قیمت) کہ کتنی قیمت میں آپ اپنا کاغذ دیں گے، ہاں یہاں ایک بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ دام کی قیمت جو ہم بزنس میں خریدار محکمہ کو دیتے ہیں وہ تحریری ہوتا ہے (یعنی کاغذ پر دام لکھ کر اور اس کے نیچے دستخط کر کے تب خریدار محکمہ کو دیتے ہیں) ہم نے جہاں تک اس کاغذ کی خرید وفروخت کی ہے وہ سیٹ کے ذریعہ اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ ہوتے ہیں، ہم نے اس کمپنی کو ایک سیٹ کا دام (یعنی پانچ کاغذ کا دام 6-50/ تحریری روانہ کر دیا، نیز کمپنی (خریدار محکمہ) اور دوسرے لوگوں سے بھی دام مانگا تھا، ان دوسرے لوگوں نے کمپنی کو کچھ دام دیئے، یہاں بھی ہمیں علم نہیں کہ دوسرے لوگوں نے کتنا دام دیا جب کہ میں نے ایک سیٹ کا دام 6-80/ دیا تھا، اور وہ بھی اس لئے کہ خریدار محکمہ نے جو کاغذ کا سمپل ہم کو دیا تھا، اس کو ہم خود -/6 روپیہ میں خریدتے ایک سیٹ 6-50/ میں ہمیں کو ایک سیٹ دیتے، لیکن ایک سمپل ہمارے پاس تھا، جو کہ بذات خود ہمارا تھا، ہمارا والا سمپل ہماری

---

(۱) کتاب التعریفات للجرجانی: ص ۱۴۸۔

نظر میں اچھا تھا، خریداری محکمہ کی نظر میں اچھا تھا، اور استعمال جو محکمہ کرتا اس کی نظر میں بھی اچھا تھا، لیکن ہمارا سمپل سب کی نظر میں اچھا ہوتے ہوئے بھی قیمت بہت کم تھی، ہمارا سمپل ہم کو 10-/1 ایک روپیہ دس پیسہ میں مل جاتا ہے — بہرکیف ہم نے 50-/6 دام اس لئے لگایا تھا کہ اگر استعمال کرنے والے محکمہ کو وہی کاغذ چاہئے جو انہوں نے ہم کو سمپل کے طور پر دیا ہے، تو اس کی بھی ہم ان کو دے سکتے ہیں، اور اگر ہمارا سمپل بھی وہ استعمال کر سکتے ہیں، تو اس کو بھی ہم ان کو دے سکتے ہیں، جب کہ وہ کاغذ جو انہوں نے ہم کو سمپل کے طور پر دیا ہے وہ بہت مہنگا ہے اور ہمارا بہت سستا ہے۔

جب ہم نے اپنا سمپل دکھایا استعمال کرنے والے محکمہ کو تو اس نے کہا یہ اور اچھا ہے، تو مہنگا بھی ہوگا، ہم نے کہا اسی دام میں اس کو بھی دے دیں گے تو استعمال کرنے والے محکمہ نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اس کو لے لیں گے۔

اب میں نے اپنے سمپل کے متعلق بات چیت شروع کی اور ان کا سمپل بھی کمپنی کا اس کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ہمارا سمپل جو ہے اس کو ہم سیٹھ 10-/1 میں خرید یں گے اور چھ روپیہ بچا اس پیسہ میں کمپنی کو دیں گے۔

لیکن خریدار محکمہ نے ہم سے کہ دوسرا سپلائر -/3 روپیہ دام دیا ہے، تو تم ایسا کرو کہ اپنا دام 50-/6 سے کم کر کے 90-/2 کر دو، ہم تم سے مال لے لیں گے تو ہم نے کم کر کے 90-/2 کر دیا، کیوں کہ استعمال کرنے والا محکمہ ہمارا سمپل پر

تیار تھا جو کہ ہم کو بہت سستا مل رہا تھا، یہاں ایک بات لازم تحریر کرنا چاہوں وہ یہ کہ خریدار محکمہ نے سپلائر کا دام ہم کو بتا دیا کہ کون سپلائر 3/- روپیہ میں دے رہا ہے، جیسا کہ اوپر تحریر کر چکا ہوں، ہم نے دام کم کر دیا، اور قریب قریب ہماری سب سیٹ بکی اور ہی تھی، خریدار نے دام بتا کر اور کم کروا کے سامان ہم سے لینے کے لئے تیار ہو گئے، اگر استعمال کرنے والے لوگ ہمارے سمپل پر نہ راضی ہوتے تو ہم دام کم نہیں کرتے۔

یہاں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارا دام جو تھا 6-50/ وہ ایک سیٹ یعنی پانچ کاغذ کے لئے اور دوسرے سپلائر کا دام 3/- روپیہ جب کہ ہمیں نہیں معلوم کہ دوسروں کا کاغذ کتنا ہوگا، لیکن جب میں دام کم کر کے 2-90/ کر دیا اس وقت بھی ایک سیٹ ہی کا خیال تھا نہ کہ ایک کاغذ، کیوں کہ ہم نے اس سے پہلے اور لوگوں کو اسی طرح فروخت کیا تھا، لیکن خریدار کے ذہن میں ایک کاغذ کا دام 2-90/ تھا، جو میں نے 6-50/ کو کم کر کے 2-90/ کیا تھا، کاغذ سب پانچ ہزار چاہئے تھا ایک کاغذ کہ پانچ ہزار سیٹ، جب بات پکی ہو گئی تو خریدار نے ہم کو فون کیا کہ پانچ ہزار کاغذ کا دام 14500/ (چودہ ہزار پانچ سو) ہوا، ہم بالکل گھبرا گئے کہ اتنا سب روپیہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا ایک کاغذ کا دام 2-90/ تو ایک سیٹ کا دام 14-50/ ہوا تو ہم نے فون ہی پر بتایا کہ ہمارا ٹوٹل 2900/ دو ہزار نو سو روپیہ ہوتا ہے، جب کہ ہم نے پہلے جو تحریری دام بھیجا تھا اس پر بالکل صاف تحریر تھا کہ ایک سیٹ کا

دام 6-50/اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ ہوں گے، لیکن خریدار نے جب کم کرایا اور جب میں 2-90/والا دام دیا تو اس پر لکھا تھا، دام 2-90/اور ایک سیٹ میں پانچ کاغذ بہرحال ہم شروع سے آخر تک ایک سیٹ کی بات کرتے رہے اور ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ خریدار صرف ایک کاغذ کی بات کر رہا ہے، اسی وجہ سے خریدار نے مجھ سے دام کم کروایا تھا، کیوں کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ ایک کاغذ 6-50/بہت مہنگا ہے اگر وہ ہمارا تحریری دام خوب غور سے پڑھتا تو اس کی سمجھ میں آ جاتا کہ یہ تو ایک سیٹ یعنی پانچ کاغذ 6-50/میں ہے اور دوسرا پہلا صرف ایک کاغذ -3/روپیہ میں دے رہا ہے، تو ہو سکتا ہے خریدار مجھ سے دام کم نہ کرواتا 6-50/روالا، لیکن معاملہ آخر میں آ کر الجھا ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خریدار دھوکہ میں تھا کہ ایک کاغذ کا دام ہے اور اسی خیال میں وہ بات چیت کرتا رہا، اور دام کم کرواتا رہا، اور میں دام کم کرتا رہا یہ سوچ کر کہ ایک سیٹ کا دام کم کر رہا ہوں۔

بہرحال جب معاملہ کے تہہ تک دونوں آدمی پہونچے تو خریدار نے کہا کہ آپ دوسرا تحریری دام دے دیجئے جس میں 2-90/کے بجائے 2-50/لکھ دیجئے اور یہ بھی ساتھ میں لکھ دیں کہ ایک کاغذ 2-50/میں نہ کہ ایک سیٹ 2-50/میں تو ہم نے ایسا ہی لکھ کر تیسرا دام دے دیا، اس پر ہم کو کام مل گیا، اب ہمارا ایک سیٹ 12-50/میں پڑ گیا ہے، جب کہ ہم نے پہلا دام ایک سیٹ کا 6-50/دیا تھا، پھر 2-90/

گیا، Kg/ 2-50/ کیا۔

ہمارا خیال ہے کہ خریدار نے 2-50/ کا دام ایک کاغذ کا اس لئے رکھوایا کہ اس سے پہلے دوسرے سپلائر سے 3/- روپیہ کا ایک کاغذ خریدا تھا اور اس لحاظ سے ایک سیٹ اس نے 15/ روپیہ میں خریدا تھا، اگر اس بار وہ 50-6/ یا 90-2/ دونوں میں سے ایک سیٹ خرید لیتے تو خریدار سے اس کے بڑے افسر پوچھ تاچھ کرتے کہ اس سے پہلے تم نے اتنا مہنگا کاغذ خریدا تھا اور اس مرتبہ اتنا سستا اس کی وجہ کیا ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اوپر والے بڑے افسر خریدار کو ڈانٹیں اور بولیں، اس لئے خریدار اس سب سے بچنے کے لئے دام کہاں کا کہاں پہونچا دیا، جب کہ دیکھا جائے تو کمپنی کے ساتھ نمک حرامی ہے، کمپنی ان کو اس کی تنخواہ دیتی ہے اور وہ کمپنی کا نقصان کرتے ہیں، ڈانٹ اور بول سننے کے ڈر سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ 5000/ (پانچ ہزار) روپے کا کاغذ ایک ہزار سیٹ ہوا اور ایک ہزار سٹ کا کام 12500/ (بارہ ہزار پانچ سو) روپے ہوتا ہے تو کیا یہ بارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہمارے لیے جائز ہے جبکہ ہمارا پہلا دام 50-6/ پر سیٹ تھا اور اب خریدار نے اس کو 50-12/ پر سیٹ کروایا ہے جو کہ کمپنی کے ساتھ دیکھا جائے تو خریدار دھوکہ دے رہا ہے، ہمارے لیے 50-6/ والا دام جائز ہے یا یہ کہ ہمارے لیے 50-12/ والا دام جائز ہے یا یہ کہ ہمارے لئے 90-2/Kg دام جائز ہے، اور آخری دام جو 50-2/ والا ہے ہر سیٹ پر تو ہر حالات میں

جائز ہی ہے۔

لیکن میں آپ سے واضح الفاظ میں مسئلہ پوچھتا ہوں اس کے متعلق بالکل واضح تحریر کریں عین نوازش ہوگی۔

اس بات کو ہر حالات میں مدنظر رکھا جائے کہ خریدار دوسرے سپلائنر کا دام بتادیتا ہے اور ہم دوسرے سپلائنر سے دام کم کر کے دیتے ہیں۔

اور اس بات کو بھی خیال میں رکھنا چاہئے کہ جب ہمارا دام بہت کم ہوتا ہے تو اس وقت خریدار ہمیں کہتا ہے کہ آپ کا دام بہت کم ہے، اور دوسرے سپلائنروں کا بہت زیادہ ہے، آپ دام بڑھادیں، آپ کو کام دے دیں گے، جیسا کہ اوپر والے مسئلہ میں پیش آیا ہے تو کیا وہ روپیہ جو خریدار نے ہم سے کہہ کر بڑھوایا ہے کہ آپ کا دام بہت کم ہے اتنا اور بڑھا دیجئے تو کیا خریدار کا بڑھایا ہوا روپیہ ہمارے لئے جائز ہے؟

ایک بات اور یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر پہلے خریدار سمجھ گیا ہوتا، ہماری بات کہ 16-50/ ایک سیٹ یعنی پانچ کاغذ دے رہے ہیں تو خریدار ہم سے دام کم کرواتا، اور ہمارا فائدہ ہوتا، لیکن خریدار کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم دام کم کرتے چلے گئے اور یہاں تک کہ 12-50/ پر آگئے، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اگر خریدار سمجھ گیا ہوتا کہ 16-50/ میں ایک سیٹ پانچ کاغذ کا ہے تو وہ پھر بھی دام بڑھواتا اور ایک سیٹ 12-50/ میں لیتا، کیوں کہ اس سے پہلے خریدار کو دوسرے سپلائنر سے اس دام سے لے چکا تھا، اور اس بات سے وہ ڈرتے ہیں کہ

بڑے افسروں کے سوال وجواب سے گزرنا پڑے گا۔

اگر خریدار پہلے سمجھ جاتا 6-50/ تو ہمارا دام تھا جو یہ ہمارے لئے ہر حالت میں جائز ہوتا اور فرق صرف 6/- میں ہوتا جو خریدار ہم سے کہہ کر بڑھواتا بول سستے ہونے کی وجہ سے اور اس سے پہلے دوسرے سپلائرز سے 3/- روپیہ پر کاغذ لینے کی وجہ سے۔ (فیضان احمد فلاحی)

جواب:- اس مسئلہ کا ایک پہلو ''قانون'' اور دوسرا پہلو ''دیانت'' کا ہے۔

قانونی پہلو یہ ہے کہ فقہاء نے خرید وفروخت کے معاملہ میں ''وکیل'' کو اصل کے قائم مقام مانا ہے اور زیر بحث مسئلہ میں محکمۂ خریداری کمپنی کا وکیل ہے اور اس لئے آپ کے مقابلہ میں اس کی حیثیت اصل خریدار کی ہے، فروخت کنندہ اور خریدار قانونی اعتبار سے باہمی طور پر جو قیمت چاہے طے کرسکتا ہے، بلکہ طے شدہ قیمت میں بیچنے والا ایک طرفہ طور پر کمی اور خریدار قیمت میں ایک طرفہ طور پر اضافہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اس طرح اگر محکمۂ خریداری نے 6-50/ کی جگہ خود ہی اس کی قیمت 2-50/ کررہا ہے، تو آپ کے اور اس کے درمیان خرید وفروخت کا معاملہ جائز بھی ہوجائے گا، اور نافذ بھی ہوگا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ محکمۂ خریداری کا یہ عمل دھوکہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے سراسر گناہ ہے، اور اکثر اوقات وہ اس گناہ کا ارتکاب فروخت کنندوں سے رشوت حاصل کرکے ہی کرتا ہوگا، اس طرح دوسرا گناہ خود محکمہ یا اس کے متعلقہ شخص نے رشوت کا کیا، --- فروخت کنندہ نے ایک طرف رشوت دے کر سامان فروخت کیا اور دوسری طرف اس کی دھوکہ دہی سے واقف ہوکر معاملہ کیا، بلکہ بڑی حد تک اس نے دھوکہ دہی میں تعاون بھی کیا، اس لئے خود خریدار کا دامن بھی دوہرے گناہ سے آلودہ ہے، --- پس گو قانونی اعتبار سے خرید وفروخت کا یہ معاملہ نافذ ہوجائے گا، اور اس کے لئے یہ رقم کراہت کے ساتھ حلال وجائز بھی ہوگی، لیکن احتیاط اور دیانت وتقوی کا تقاضا یہ ہے کہ

/6-00 کی یا اضافی رقم متعلقہ کمپنی کھاتے میں غیر مخصوص طور پر جمع کرا دے تاکہ اصل مالک تک پہنچ جائے یا عطیہ کے نام سے دینا ممکن ہو تو دیدے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو صدقہ کر دے اور آئندہ اس سے اجتناب برتے۔(۱)ھذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

خریدار کو انعام

سوال:- {1841} کچھ دکانیں خریداروں کو متوجہ کرنے کے لئے خریدی ہوئی چیز کے ساتھ انعام بھی دیتی ہیں، کیا ان انعامات کا لینا درست ہے؟ (احمد غوث الدین قدیر، سلطان پوری)

جواب:- اگر خریدی ہوئی چیزوں کے ساتھ ہر خریدار کو انعام کے طور پر مزید کوئی چیز دی جاتی ہے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ فروخت کرنے والے کی طرف سے ایک طرح کا اضافہ ہے اور فقہاء نے مبیع میں اضافہ کو جائز قرار دیا ہے، اور چوں کہ خریدار کو اپنے پیسے کی چیز مل جاتی ہے، اس لئے یہ صورت جوے کے دائرہ میں نہیں آتی؛ لیکن اب خریدنے والے کی نیت پر منحصر ہے، اگر خریدنے والے کا مقصود سامان خریدنا تھا، اس کے ساتھ انعامی کوپن مل گیا اور اتفاق سے کوپن میں اس کا نام نکل آیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اگر اصل مقصود انعامی کوپن حاصل کرنا تھا، اور اسی مقصد کے لئے سامان خرید کیا تھا تو یہ صورت جائز نہ ہوگی،(۲) بلکہ یہ جوا کے حکم میں ہوگا۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال:- {1842} محترم و مکرم جناب مولانا خالد

---

(۱) الهداية: ۲/۱۱۵، مجتبائی۔

(۲) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه والنظائر، ص:۹۷)

سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عرض یہ ہے کہ کچھ مسائل کے سلسلہ میں زحمت دینی پڑ رہی ہے، معافی چاہتا ہوں۔

(الف) ہمارے یہاں ایک اسکیم آئی ہے وہ یہ کہ Bajaj Chatek موٹر سیکل اقساط پر دی جارہی ہے، ماہانہ 500/00 روپے جمع کرنے ہوں گے، 36 ماہ میں یہ رقم ادا کرنا پڑے گا، جو کہ گاڑی کی اصل قیمت سے 2000/00 زیادہ ہوتے ہیں، کیا زائد رقم سود کی تعریف میں آئے گی یا اسے لیا جاسکتا ہے؟

(ب) اسی قسم سے کپڑے وغیرہ بھی ادھار میں لے کر اقساط میں پیسے ادا کئے جاتے ہیں، کیا وہ بھی سود ہے، مولانا عاقل صاحب مدظلہ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تھا انہوں نے بتایا کہ اگر نقد اور ادھار اقساط کے لئے ایک ہی قیمت مقرر کرلو تب سود نہ ہوگا، اگر نقد میں کم اور ادھار میں زیادہ لوگے تو سود ہوگا۔

(ج) ہمارے ہاں کمپنی میں Co-op-Credit Souity ہے جو سودی کاروبار رکھتی ہے، اس میں بھی گاڑیاں اور دوسری چیزیں دلوائی جاتی ہیں، اور بازاری قیمت سے زیادہ قیمت اقساط میں ادا کرنا ہوتا ہے، کیا یہ بھی سود ہے؟ جب کہ وہ لوگ اسے سود ہی کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

جواب:- بالا اقساط سامان کی خرید وفروخت درست ہے، اسی طرح ایک دکاندار نقد لینے والے گاہکوں کو کم قیمت میں اور ادھار خریدنے والوں کو نسبتاً زیادہ قیمت میں سامان فروخت

کرے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔(۱) پس اگر شروع ہی میں یہ بات طے پا جائے کہ اتنی قسطوں میں قیمت ادا کرنی ہوگی اور جملہ اقساط لے کر اتنی قیمت ہوگی تو یہ سود نہیں ہے، بلکہ اپنا سامان بازار سے گراں قیمت میں فروخت کرنا ہے اور اصولی طور پر تاجر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مختلف گاہکوں کو الگ الگ قیمتوں میں سامان فروخت کرے۔

ایک ہی سامان کی قیمتوں میں فرق

سوال:- (1643) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل سے متعلق:

دو شخص ہیں زید و بکر ان کی مچھلی کی تجارت ہے یعنی یہ کسی کمپنی کی مچھلی فروخت کرتے ہیں، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ زید کمپنی سے A.J لیتا ہے، مچھلی فروخت کرنے سے پہلے اس کے مقابل بکر A.J نہیں لیتا، تو A.J لینے اور نہ لینے کی صورت میں دونوں کی قیمت میں فرق ہے، یعنی زید کی قیمت میں کمی واقع ہوگی، مثلاً زید نے کمپنی سے ۱۰۰۰۰ روپے A.J لے لیا اب A.J لینے کی صورت میں کمپنی ایک کلو پر پانچ روپے کم دے رہی ہے، دوراں حالیکہ بکر کو زید سے پانچ روپے زیادہ مل رہے ہیں، تو پھر زید سے جو کمپنی پانچ روپے لے رہی ہے تو کیا یہ پانچ روپے کمپنی کے حق میں صحیح ہوں گے؟

جب کہ ایک کلو پر جو پانچ روپے کاٹے جاتے ہیں A.J

(۱) دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کر لیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار؟ اگر اس نے نقد لینے کو کہا تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سوا روپے ٹھہرائے یہ جائز ہے۔ کذا فی عالمگیری (امداد الفتاوی:۳/۲۰)

میں پکڑے نہیں جاتے، کمپنی کو نقد کے بجائے مزید نقصان ہورہا ہے، بہ نسبت بکر کے تو اس پیسے کے متعلق شریعت کیا حکم دے رہی ہے؟ براہ کرام بتلائے۔ (ملیبا اعظمی، مئو، یوپی)

جواب:- انسان کو شرعاً اس بات کا اختیار ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف خریداروں سے الگ الگ قیمتوں پر فروخت کرے، نیز کسی گاہک سے اس کی قیمت لے جو ثمن فاحش کے دائرہ میں آتی ہو، تو مکروہ نہیں، "ثمن فاحش" سے مراد ایسی قیمت ہے جو کسی چیز کی زیادہ سے زیادہ قیمت سے بھی بڑھ کر ہو،(۱) البتہ چوں کہ زید کمپنی کا مقروض ہے، اس لحاظ سے پانچ روپیہ زیادہ لینے میں قرض دار سے نفع اٹھانے کا شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے یہ صورت خلاف اولی ضرور ہے، اور احتیاط برتنی بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

شراب نوشی میں استعمال ہونے والی پیالیوں کی تجارت

سوال:- (1844) زید پرانی پیالیوں کا کاروبار کرتا ہے، اور زید کے کاروبار کا تعلق غیر مسلموں سے ہے، زید کو اس کا یقین کامل ہے کہ ان پیالیوں میں (جو میں فروخت کر رہا ہوں) گاہک کو شراب پیش کی جاتی ہے — مندرجہ بالا صورت میں کیا زید کا یہ کاروبار شرعی حیثیت سے درست ہے؟ (شفیع الرحمن، بنگلور)

جواب:- پیالیاں بنانا اور اس کا فروخت کرنا چوں کہ فی نفسہ گناہ اور معصیت نہیں ہے، اس لئے اس کاروبار میں مضائقہ نہیں۔

"لا یکرہ بیع ما لم تقم المعصیة بہ کبیع

(۱) الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۷/۳۷۶، بحث ثمن۔

الجارية المغنية و الكبش النطوح و الحمامة الطيارة و العصير و الخشب ممن يتخذ منه المعازف " (۱)

تاہم احتیاطاً اس کاروبار سے بچنے میں ہے۔

سینما ہال کے سامنے سموسے فروخت کرنا

سوال:-{1845} کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

زید تکونے سموسے بناتا ہے، اور سینما ہال کے سامنے فروخت کرتا ہے، شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا ایسی جگہ زید کا طلب معاش کے لئے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(مولوی عبدالحلیم، حیدرآباد)

جواب:- معصیت اور گناہ کے کاموں میں تعاون اور مدد بھی گناہ ہے، اور فقہاء کے نزدیک حرام ہے، لیکن معصیت میں تعاون سے مراد ایسی شئ ہے کہ جس سے بعینہ معصیت کا ارتکاب کیا جاتا ہو، اسی لئے فقہاء نے اہل فتنہ سے اسلحہ فروخت کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کھانے پینے کی اشیاء کا چوں کہ اصلاً سینما سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے اس کی فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

" ويكره بيع السلاح في ايام الفتنة و لا بأس بيع العصير بمن يعلم أنه يتخذ خمرًا ؛ لأن المعصية لا تقام بعينه " (۲)

---

(۱) رد المحتار: ۵/۲۵۰۔

(۲) الهداية: ۳/۲۵۹، مطبوعہ رشیدیہ دہلی۔

بیع باطل اور بیع فاسد

واسطہ در واسطہ ممبر سازی

سوال:- (1846) جاپان کی ایک کمپنی ہے جو مقناطیس پر مشتمل گدے بناتی ہے، یہ گدے بعض امراض میں مفید ہیں، گدے کی قیمت پچانوے ہزار دو سو روپے ہیں، اس رقم کے ادا کرنے پر نہ صرف اسے گدا ملتا ہے، بلکہ وہ گدے فروخت کرنے کے لئے کمپنی کا نمائندہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے، کیوں کہ کمپنی اپنے نمائندہ کے واسطے سے ہی گدا فروخت کرتی ہے، عام مارکٹ میں یہ گدے فروخت نہیں ہوتے، اس لئے اس کے یہ نمائندگی کی ایک خاص اہمیت ہے، اب اس کے ذریعہ جو لوگ گدے خرید کریں گے، اسے ان کی رقم میں سے دس فیصد بطور اجرت ملے گا، اس درجہ کے ممبر کو B.D کہا جاتا ہے، تین ممبر بنانے پر وہ A.D کہلائے گا، اور اسے ۲۳/

فیصد رقم ملے گی، اگر بالواسطہ یا بلاواسطہ اس نے نو ممبر بنادئے
تو اسے M.C.D کہتے ہیں، اور اس کو ۱۷ رفیصد رقم ملتی ہے،
اگر تعداد ستائیس ہو جائے تو اس کو D.D کہا جاتا ہے، اور
اسے ۳۷ رفیصد رقم ملتی ہے، اس سے اونچا عہدہ M.D کا ہے،
جس میں ممبروں کی تعداد اکیاسی (81) ہونی چاہئے، اس
صورت میں آخری عہدہ S.M.D ہے، جسے بہت سے اختیار
ات ہوتے ہیں، یہ مختلف شعبوں کا نگراں ہوتا ہے، گویا یہ کمپنی
کے بنیادی ارکان ہوتے ہیں، ان کو ممبروں سے ملی ہوئی رقم کا
۴۹ رفیصد ملتا ہے، واضح ہو کہ منافع کا یہ تناسب اس وقت ہے
جب کہ مذکورہ عہدیداران نے بلاواسطہ ممبران بنائے ہوں،
اگر نیچے والے ممبران نے ممبر سازی کی ہو تو پیچھے والے جو براہ
راست ممبر بناتے ہیں تو ان کو ۱۰ رفیصد ملتا ہے، اور اوپر والے
(جو بالواسطہ ممبر سازیاں) کو مندرجہ ذیل تفصیل سے منافع
ملیں گے:

B.D. کو ۱۰ رفیصد، A.D. کو ۱۳ رفیصد، M.C.D.
۴ رفیصد، D.D. کو ۱۰ رفیصد، M.D. کو ۵ رفیصد اور اس کے
بعد O.D.I. کو ۱/۲-۲ رفیصد ملے گا۔

اس طرح مجموعی منافع ۴۹.۱۰ رفیصد ہو جاتے ہیں، جو
مختلف عہدیداران میں مذکورہ تناسب کے اعتبار سے منقسم
ہو جاتے ہیں، اس کمپنی کے سلسلہ میں چند باتیں خاص طور پر
قابل ذکر ہیں۔

۱- جو لوگ جس عہدہ پر ہوں، ان کو اپنے عہدہ کے لحاظ

سے روزانہ یا ہفتہ میں چند دن باضابطہ آفس کرنا ہوتا ہے،
آفس میں ان کو مقررہ یونیفارم کے ساتھ جانا پڑتا ہے، اور
جو لوگ گدہ خریدنے یا اس کے بارے میں معلومات حاصل
کرنے کے لیے آتے ہیں، ان کو کمپنی کی نوعیت اور اس کے
سامان کے بارے میں وضاحت کرنی ہوتی ہے، وہ اپنے نیچے
کے زنجیری سلسلہ کے لائے ہوئے متوقع گاہکوں کو سمجھاتے
اور مطمئن کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی عہدیدار اپنے
مفوضہ ذمہ داری کو انجام نہ دے تو اسے معزول بھی
کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ کمپنی کے الگ سے ملازمین نہیں ہوتے، بلکہ یہی
عہدیداران اس کے تمام کاموں کو انجام دیتے ہیں، اور ہر
عہدیدار کو واسطہ در واسطہ بننے والے گاہکوں کو پورا تعاون
کرنا پڑتا ہے۔

۴- کمپنی نے خود پہلے یہ شرط رکھی تھی کہ جو اس گدے
کا خریدار ہوگا، وہ خود ہی اس کا استعمال کرے گا، اس کو اس
بات کا حق حاصل نہیں ہوگا کہ یہ گدا کسی اور شخص کو فروخت
کردے، یا دوسرے کو اس کے استعمال کرنے کی اجازت
دے، کمپنی نے یہ شرط اس لیے لگائی تھی کہ بعض مخصوص حالتوں
میں یہ مقناطیسی گدے مریض کے لیے نقصان دہ بھی ہوسکتے
ہیں، بعض خریداروں نے اس فرق کو سمجھے بغیر دوسروں کو یہ گدا
منتقل کردیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس مریض کے لیے سخت
نقصان دہ ثابت ہوا، تاہم جب کمپنی سے یہ بات کہی گئی کہ اس

قید کی وجہ سے یہ معاملہ "بیع بالشرط" کے دائرہ میں آجاتا ہے، جو اسلام میں جائز نہیں ہے تو کمپنی نے اجازت دے دی کہ وہ ممبر طریقہ استعمال بتا کر دوسرے کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے سکتا ہے، لیکن کمپنی نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ گدا دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، اگر اس نے فروخت کردیا تو اس کی ممبر شپ ختم ہو جائے گی۔

۳- کمپنی ایسے ہی لوگوں کو ممبر بناتی ہے جس میں معاملہ فہمی اور ممبر سازی کی صلاحیت ہو۔

۴- کمپنی ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ گدا فروخت کرتی ہے، جو قانونی اعتبار سے جائز رقم ادا کریں، بلیک منی قبول نہیں کی جاتی۔

۵- کمپنی ایسے گاہکوں کو قبول کرتی ہے جنھوں نے یا تو پیسے غیر سودی طریقہ سے حاصل کئے ہوں یا زیادہ سے زیادہ تین فیصد سود پر۔

۶- کمپنی کے یونیفارم میں ٹائی بھی داخل ہے، جو کمپنی میں جا کر اپنے فرائض ادا کرتے وقت ممبران کو پہننا ہوتا ہے۔

۷- کمپنی جب گاہکوں کو اپنا پروگرام سمجھانا چاہتی ہے تو اس کو شروع کرنے سے پہلے تین چار منٹ تک میوزک چلتی ہے، اگر بعض ممبران کمپنی کو اس سے منع کرنا چاہیں تو کمپنی میوزک چلانے سے احتراز بھی کر سکتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی کمپنی کا ممبر بننا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (محمد مشتاق احمد رکن الدین، بھٹکل)

جواب:- معاملہ کی جو صورت آپ نے تحریر کی ہے اس سلسلہ میں پہلے یہ باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔

۱)..... اس صورت میں قمار یا غرر نہیں پایا جاتا، کیوں کہ ہر خریدار جو پیسے ادا کرتا ہے اس کے بدلہ میں گدا یعنی مبیع اسے حاصل ہو جاتی ہے، اس پیسہ کے رائیگاں چلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔

۲)..... اس صورت میں سود بھی نہیں پایا جاتا، کیوں کہ جو پیسہ وہ ادا کرتا ہے، اس کے بدلہ میں اسے ایک سامان یعنی گدا ملتا ہے، گویا پیسے کا تبادلہ پیسے سے نہیں، بلکہ سامان سے ہے، اور سود کا تحقق ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں ہوا کرتا ہے۔(۱)

۳)..... اس معاملہ میں کوئی جبر و اکراہ بھی نہیں ہے، کیوں کہ گدا خرید کرنے والا دوسروں کو خریدار بنانے پر مجبور نہیں کرتا ہے، یہ اس کی مرضی پر ہے کہ چاہے تو خریدار بنائے یا نہ بنائے۔

۴)..... شریعت میں نفع حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تجارت اور دوسرا اجارہ —— تجارت میں مال کے مقابلہ میں نفع حاصل ہوتا ہے، اور اجارہ میں محنت کے مقابلہ میں نفع یا عوض حاصل کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی گاہک بنانے کی محنت اور کمپنی کے اصول کے مطابق وقت لگانے پر اسے معاوضہ مل رہا ہے، اس لئے یہ قواعد شرع کے دائرہ ہی میں ہے —— ہاں یہ صورت کہ ایک شخص نے چند ممبر بنا دیئے، اب آگے اس پر کوئی ذمہ داری باقی نہ رہی، واسطہ در واسطہ جو بھی ممبر بنتا رہے خود بخود اس میں اس کو نفع ملتا رہے، یہ صورت درست نہیں؛ کیونکہ اس میں اس کی براہ راست محنت کا کوئی دخل نہیں، گویا اجرت ہے، لیکن اس کے مقابل کوئی عمل نہیں، شریعت میں نفع اور عوض کے سلسلہ میں جو عمومی قواعد ہیں، یہ اس کے خلاف ہے۔

---

(۱) "الربوا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلا "(الهداية: ۳/۷۰) محشی۔

۵)...... ٹائی چونکہ مذہبی شعار نہیں بلکہ ایک زمانے میں عیسائیوں کا قومی شعار تھا، اور اب اس کا اس درجہ شیوع وعموم ہوگیا ہے کہ کسی خاص قوم کا لباس باقی نہ رہا، اس لئے اب اس میں معمولی درجہ کی کراہت ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے کوٹ اور پتلون کے بارے میں لکھا ہے،(۱) بہر حال مسلمان کارکنوں کو چاہئے کہ حکومت کے ساتھ کمپنی کو اس کا قائل کریں کہ اس کو لازم نہ قرار دیا جائے، اسی طرح میک اپ نا جائز ہے، اور مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کیفیت کو ختم کرائیں، لیکن نفس معاملہ کے جواز اور عدم جواز کا تعلق اس سے نہیں۔

۶)...... البتہ دو باتیں اہم ہیں: ایک یہ کہ اجرت متعین نہیں ہوتی، بلکہ متوقع آمدنی کا تناسب متعین کیا جاتا ہے، لیکن معاملات میں جہالت اور عدم تعیین اس وقت مضر ہے جب کہ وہ فریقین کے درمیان وجہ نزاع بنتی ہوں اور اصل مقصود اسباب نزاع کا سد باب ہے، آج کل مختلف کاروبار میں اس طرح کمیشن مقرر کیا جاتا ہے، اور یہ تعیین فریقین کے درمیان نزاع کا باعث نہیں بنتی ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

دوسری بات یہ کہ کمپنی خریدار پر یہ شرط لگا دیتی ہے کہ وہ اسے کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتا، اس شرط کی وجہ سے اس معاملہ کو فاسد اور غیر معتبر ہونا چاہئے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شرط بیچنے اور خریدنے والے کی ذات سے متعلق نہ ہو، بلکہ خود مبیع یعنی بیچی جانے والی شئ سے متعلق ہو تو غلام اور باندی کی صورت کے علاوہ صورت میں ایسی شرطوں کے ساتھ خرید وفروخت درست ہو جاتی ہے، البتہ وہ شرط معتبر نہیں ہوتی ہے، اور خریدار کے لئے اس کی مخالفت جائز ہوتی ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"وأما فيما سوى الرقيق إذا باع ثوبا على أن
لا يبيعه المشتري أو لا يهبه أو دابة على أن لا
يبيعها أو يهبها أو طعاما على أن يأكله و لا

(۱) امداد الفتاویٰ ۴/۲۶۸، ط: ادارہ تالیفات ۔ مرتب۔

بیعہ، ذکر فی المزارعة ما یدل علی جواز البیع" (۱)

"جہاں تک غلام کے ماسوا دوسری بیع کی بات ہے تو اگر کوئی شخص کپڑا اس شرط پر بیچے کہ خریدار اسے فروخت نہیں کرے گا، یا ہبہ نہیں کرے گا یا جانور اس شرط پر فروخت کرے کہ نہ اس کو بیچے گا اور نہ کسی کو ہبہ کرے گا، یا کھانا اس شرط پر بیچے کہ اسے خود کھائے گا، فروخت نہیں کرے گا، تو مزارعت میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بیع جائز ہوگی"

آگے علامہ کاسانی نے نقل کیا ہے کہ "حسن بن زیاد" نے کتاب المجرد میں امام ابوحنیفہ سے یہی قول نقل کیا ہے، اور فتاوی عالمگیری میں اس قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے "و هو الظاهر فی المذهب كذا فی الهداية" (۲)

پس یہ صورت شرط کے ساتھ بیع کی ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتی — دوسرے کمپنی کے مذکورہ قواعد سے ظاہر ہے کہ یہ بیع کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ ممبر شپ کی برقراری کے لئے شرط ہے لہذا یہ بیع بالشرط کی صورت ہے ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو تفصیلات لکھی گئی ہیں، اگر یہ درست ہیں تو معاملہ کی یہ صورت جائز ہے۔ واللہ اعلم (بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں دوسرے اہل علم اور ارباب افتاء سے بھی استفسار کرلیا جائے۔)

(۱) بدائع الصنائع ۳/ ۳۷۸۔

(۲) الفتاوی الهندية: ۳/ ۱۳۵۔

پھٹے ہوئے نوٹوں کا معاملہ

سوال:- [1847] ریزرو بینک آف انڈیا ایسی نوٹوں کو جو پھٹ گئی ہیں یا کسی وجہ سے بہت زیادہ مسخ ہوگئی ہیں کچھ شرطوں کے ساتھ قبول کرتی ہے اور اس کی قیمت اچھی رقم کے ذریعہ ادا کرتا ہے، ایسی نوٹوں کو جمع کرنے کے لئے ایجنٹ حضرات جن کو ریزرو بینک نے اجازت دے رکھی ہے اور رجسٹرڈ ہیں، مختلف جگہوں سے وہ پھٹے ہوئے نوٹوں کو جمع کرتے ہیں جس میں سفر کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے نیز چونکہ نوٹ پھٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کو جوڑنے کے لئے آفس بوائز کو معاوضہ دینا پڑتا ہے غرض ان تمام کاموں میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے پھر اس رقم کو یہ لوگ اور لوگوں کو کمیشن پر فروخت کرتے ہیں اور خریدنے والے اس رقم کو بینک میں داخل کردیتے ہیں بینک کے افراد اس رقم کی جانچ کرکے پاس کرتے ہیں، اور کچھ رقم ریجکٹ بھی ہوتی ہے اس طرح کوئی ۱-۲ ماہ کے عرصہ میں اس رقم کا چیک جمع کرنے والے کے نام آتا ہے کیا یہ لین دین جائز ہے یہ نوٹ کم داموں میں خریدے جاتے ہیں بعد میں یہ رقم ایجنٹ حضرات ایسے حضرات کو جو پیسہ لگا سکتے ہوں ان کو فروخت کرتے ہیں، مثلا ایجنٹ نے ایک رقم پھٹے ہوئے نوٹوں کی جو پانچ ہزار کی تھی چار ہزار روپیہ میں خریدی اور جوڑ جاڑ کے ۴۵۰۰ روپیہ میں دوسرے کے ہاتھ فروخت کی اور پھر اس

نے اس امید پر کہ بینک سے پانچ سو یا اس سے کچھ رقم ملے گی
بینک میں جمع کر دیا اور دو ڈھائی مہینہ انتظار کے بعد کچھ رقم پاس
ہوئی کچھ رجکٹ اور ۴۹۰۰ روپیہ ملے تو کیا یہ صورت جائز
ہوگی؟ (عبدالرحمن کاظمی، ادب نگر کالونی)

جواب:- اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے یہ اصول سمجھ لینا چاہئے کہ رقوم کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑا نازک ہے، رقوم (جو اس وقت ثمن ہی کا درجہ رکھتی ہیں) میں اس طرح کا لین دین کہ ایک طرف زیادہ ہو دوسری طرف سے کم ہو حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے مثلاً زید کسی کو دو سو روپیہ دے اور اس کے بدل میں ۲۵۰ روپیہ لے تو یہ صریح اور کھلا ہوا سود ہوگا، ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر ایک طرف سے بہتر رقم ہو اور دوسری طرف سے خستہ نوٹ ہو تو اس عمدگی کی وجہ سے اگر اس کے بدلے میں کچھ زیادہ لے لے تو جائز ہونا چاہئے، مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے جن چیزوں میں سود پیدا ہو جاتا ہو اس میں وصف اور عمدگی اور خستگی کا اعتبار نہیں ہوتا

"ولا یجوز بیع الجید بالردی مما فیه الربوا الا مثلا بمثل لا هدار التفاوت فی الوصف"(۱)

۱)..... البتہ جو صورت آپ نے دریافت کی ہے اس میں صرف نوٹوں کی خرید و فروخت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے لئے مختلف لوگوں سے مل کر نوٹ حاصل کرنا ہوتا ہے جس کے لئے سفر وغیرہ کے خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے بہتر روپیوں کے بنڈل بھی بنوانے پڑتے ہیں اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی اپنا ایک قابل لحاظ وقت صرف کرے اور اس میں بھی یہ احتمال ہوتا ہے کہ بعض نوٹ ریزرو بینک سے رد کر دیے جائیں، اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ ۵۰۰۰ کے بدلے میں ۴۵۰۰ روپے والوں کو دیے جائیں اور بقیہ ۵۰۰ روپے خود اس کی اخراجات اور تنخواہ تسلیم کر لی جائے اس لئے میرا خیال ہے کہ موجودہ صورت میں یہ شکل جائز ہوگی۔

---

(۱) الهدایة:۳/۶۳۔

۲)..... آپ نے یہ تحریر کیا کہ پھر ایجنٹ حضرات اس رقم کو اس آدمی کو فروخت کردیتے ہیں جو پیسہ لگا سکتے ہوں یہ صورت جائز نظر نہیں آتی اس لئے کہ اس صورت میں صریح سود پایا جاتا ہے، البتہ اگر دونوں اس طرح شرکت کرلیں کہ مشترک طور سے ایسے پھٹے نوٹ مہیا کریں پھر باہمی اعانت سے اس کو درست کریں اور بینک کے لئے قابل قبول بنائیں اور اس میں جو کچھ خرچ ہو وہ بھی مل کر پورا کریں اور بینک سے بھنانے کے بعد جو کچھ نفع آئے گا اسے آپس میں اجرت محنت کے طور پر تقسیم کرلیں تو یہ صورت درست ہوگی (تاہم مناسب ہوگا کہ تحقیق کے لئے ملک کے دوسرے مشہور دارالافتاء سے بھی رجوع کرلیا جائے)

غیر ملکی کرنسیوں کا تبادلہ

سوال:- {1848} براہ کرم حسب ذیل سوالات کا دلائل کے ساتھ فتوی عنایت فرمائیں:

پہلا سوال: بعض اشخاص جو سعودیہ عربیہ اور دیگر خلیجی ریاستوں میں ملازم ہیں اپنی کمائی اپنے گھروں (انڈیا) کو حسب ذیل طریقوں سے روانہ کرتے ہیں:

اول یہ کہ اپنے کمائے ہوئے ریال، درہم، دینار، ڈالر کو وہاں کے بینک میں دیں تو بینک والے اس کا جو سرکاری شرح تبادلہ انڈین کرنسی کا ہے، اس کا ڈرافٹ بناتے ہیں، ایسی صورت میں مثلاً ایک ریال کو انڈین کرنسی چار روپیہ ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ کہ انڈیا آنے والوں کے ذریعہ ریال یا ڈالر کسٹم سے چھپا کر (چونکہ انڈیا کے قانون کے لحاظ سے دوسرے ملک کی کرنسی بینک کے توسط کے بغیر نہیں لائی جاسکتی) لاتے ہیں، ایسی صورت میں پہلے طریقہ کے مقابلہ میں زیادہ

شرح مبادلہ ملتا ہے مثلاً بینک کے توسط سے ایک ریال کے انڈین کرنسی چار روپیہ ملتا ہے تو اس طریقہ سے انڈین پانچ روپیہ فی ریال ملتے ہیں، چونکہ انڈیا میں ایسے کاروباری لوگ ہیں جو ریال لیکر انڈین کرنسی دیتے ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہاں اور یہاں بعض لوگ ہیں جو ہنڈی کا کاروبار کرتے ہیں، اگر وہاں ان کو ایک ریال دیا جائے تو یہاں اس (ایک ریال کو چار روپیہ بینک کے سرکاری نرخ کے مقابلہ میں) ایک ریال کے پانچ روپیہ یا ساڑھے پانچ روپیہ دیتے ہیں، یہاں اس طریقہ کو ہنڈی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا طریقوں کے متعلق ریٹم وردی جناب والا کا فتوی مطلوب ہے۔

پہلا طریقہ بالکل درست ہے اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔

دوسرے طریقہ کے متعلق ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس طرح ریال یا ڈالر انڈیا بھیجنا یا لانا درست ہے؟ اور وہ لوگ جن کے پاس یہ ریال و ڈالر بھیجے گئے ہیں کیش کروا کر وہ زائد وصول شدہ رقم استعمال کرسکتے ہیں، خصوصاً زائد وصول شدہ رقم کے استعمال میں شرعی حکم کیا ہے؟

تیسرا طریقہ جسے ہنڈی کہتے ہیں وہ شرعاً کیسا ہے؟ کہ اس طرح وصول شدہ رقم انڈیا میں رہنے والوں کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیا جملہ وصول شدہ رقم یا اس کا کوئی حصہ؟ براہ کرم باحوالہ جواب عنایت فرمایا

جائے۔

دوسرا سوال: مندرجہ بالا پہلے سوال کے دوسرے و تیسرے طریقہ کاروبار کرنا کیسا ہے؟ یعنی ریال و ڈالر بیکر انڈین کرنسی زائد شرح سے دینا اور ہنڈی کے تحت رقم دینا اور لینا ہر دو کے متعلق بحوالہ فرمایا جائے کہ ایسا کاروبار شرعاً کیسا ہے؟ (محمد غوث الدین سوار وڈ فکلی، مغلپورہ، حیدرآباد)

جواب:- ہمارے زمانہ میں مختلف ملکوں میں جو سکے رواج پذیر ہیں، میری رائے میں ان کی جنس جداگانہ ہے جیسا کہ فقہاء نے دراہم، دینار اور فلوس جو ان کے زمانہ میں مروج تھے، ان کی جنس کو الگ الگ مانا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ دو الگ جنس کی چیزوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کیا جائے تو اس تبادلہ میں طرفین کے لئے کسی مقدار کی تحدید اور تعیین نہیں ہے، بلکہ باہمی رضامندی سے وہ جس تناسب اور مقدار کے تبادلہ پر راضی ہو جائیں، تبادلہ کر سکتے ہیں، البتہ اگر یہ دونوں ثمن یعنی زر ہوں تو ضروری ہے کہ ایک مجلس میں تبادلہ عمل میں آجائے، ایک کی طرف سے نقد اور دوسرے کی طرف سے ادھار نہ ہو، لہذا سوال میں دریافت کی گئی دوسری صورت جائز ہے۔

ہنڈی کی صورت میں بیرون ملک جو رقم حاصل کرتا ہے، اس پر وہ رقم قرض ہے، ہندوستان میں جو شخص یہ رقم ادا کرتا ہے وہ اس مقروض کی طرف سے وکیل ہے اور بحیثیت وکیل قرض ادا کر رہا ہے، اور یہاں جو لوگ ہیں وہ قرض دہندہ کے وکیل کی طرف سے یہ قرض وصول کرتے ہیں، لہذا اس میں مضائقہ نہیں۔(۱) البتہ ملکی قانون کی رعایت اخلاقاً واجب ہے، اسی کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے "جدید فقہی مسائل حصہ اول" دیکھا جائے۔

مورتیوں کی صنعت و تجارت

سوال:- {1849} آج کل پرانے شہر میں نوادرات کی قبیل سے الونیم کے مختلف قسم کے پتلے ڈھالے جارہے ہیں، بالخصوص مسجد چوک کے عقبی حصے میں یہ کام بہت ہورہا ہے، بادشاہوں، اہل ہنود کے دیوی دیوتاؤں کے پتلے اور جانوروں کے پتلے ڈھالے جارہے ہیں، اور یہ کام زیادہ تر مسلمان ہی کررہے ہیں، اور مسلمان ہی شوروس رکھ کر فروخت کررہے ہیں اور دیگر مقامات کو بھی بھجائے جارہے ہیں اس کام سے بہت سے افراد کا روزگار جڑا ہوا ہے، اور ان کے معاشی مسائل حل ہورہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ کام مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ کیا یہ آزری نہیں ہے؟ فی الحقیقت یہ ناجائز اور حرام ہے تو کیا اس صنعت سے ہمارے شہر بالخصوص پرانے شہر کے علماء واقف ہیں، براہ مہربانی اس کی شرعی حیثیت سے واقف کروائیں، تاکہ لوگوں کے سامنے بات واضح ہوجائے۔

(لیاقت علی، حسینی علم)

جواب:- مجسموں اور مورتیوں کے بنانے کی حرمت پر تمام فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے،(1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن صورت بنانے والے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق ہوں گے:

---

(1) فتح الباري شرح البخاري :۱۰/۳۸۰، نیز تفصیل کے لیے دیکھئے: جواہر الفقہ، جلد ۳، التصوير لأحكام التصوير۔ محشی۔

"ان اشد الناس عذابا عند الله یوم القیامة المصورون"(۱)

اس لئے مجسمہ سازی تو یوں بھی سخت گناہ ہے، اور اس کی خرید و فروخت حرام ہے، پھر دیوی اور دیوتاؤں کے پتلے بیچنا تو گناہ بالائے گناہ ہے، کیونکہ یہ براہ راست شرک میں تعاون ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ توحید کا داعی اور شرک کا ماحی ہونے کی بجائے شرک کا خادم بن جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے، سوال کنندہ کے جذبات سے اتفاق کرتے ہوئے راقم الحروف بھی اس کو ذریعہ معاش بنانے والے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سنگین گناہ سے باز آئیں اور کوئی حلال ذریعہ معاش تلاش کریں، اللہ تعالیٰ رزاق ہے، یقیناً ان کے لئے کوئی جائز اور بہتر صورت نکل آئے گی۔

شوروم میں مجسمے

سوال:- {1850} مسلم تاجر پر چاہئے شوروم میں مجسمے سنوار کر گاہک کو لبھانے کے لئے رکھتے ہیں، کیا ایسی تجارت جائز ہے؟ (محمد غوث الدین، سلاخ پوری، کریم نگر)

جواب:- جیسا کہ اس سے پہلے سوال کے جواب سے ظاہر ہے، اس طرح کے مجسمے نہ بیچنا جائز ہے اور نہ رکھنا، کپڑے کی طرف راغب کرنے کے لئے دوسرے طریقہ کار بھی موجود ہیں، ان کا استعمال کرنا چاہئے، اور اپنی صداقت اور دیانت کا ایسا ریکارڈ قائم کرنا چاہئے کہ لوگ آپ کی دوکان پر اعتماد و اعتبار کر کے آئیں، نہ کہ اس کے لئے غیر شرعی طریقہ پر تشہیر و آرائش کا طریقہ اختیار کیا جائے، البتہ جو سامان اس نے بیچا اور اس پر نفع حاصل کیا ہے وہ حلال ہے۔(۲)

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۵۰۔
(۲) دیکھئے رد المحتار: ۵/۲۵۰، نیز ملتقی۔

کیونکہ اصل تجارت میں کوئی خلاف شرع بات نہیں ہوئی ہے، بلکہ معصیت طریقۂ تشہیر میں واقع ہوئی ہے۔

مسجد کی ملکی میں مورتیوں کی تجارت

سوال:- (1651) ایک مسلمان بھائی کا روزگار طور اور پیتل کی مورتیاں بنا کر اور ان پر پالش کر کے بیچنا ہے، کیا ایسا کاروبار درست ہے؟ نیز مسجد کی ملکی میں اس کی دکان لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (شیخ احمد نواب صاحب کٹور)

جواب:- مورتیاں بنانا اور ان کا بیچنا دونوں ہی حرام ہیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی ناجائز،(۱) یہ تو اپنی ذاتی ملکی میں بھی جائز نہیں، مسجد کی ملکی میں یہ کاروبار مسجد کی اہانت کے مترادف اور گناہ بالائے گناہ کا ارتکاب ہے۔

کمیشن پر دلال کے ذریعہ سامان فروخت کرنا

سوال:- (1652) کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

عبد اللہ (ایجنٹ) نے ایک ہمارا پلاٹ اس شرط پر فروخت کروانے کی بات کی کہ جو رقم بطور کمیشن آپ مجھے دیں وہ خریدار کو معلوم نہیں ہونی چاہئے، خریدار عبد الرحیم نے اس زمین کی جملہ رقم میں سے ایک چوتھائی رقم مبلغ پانچ لاکھ روپے

---

(۱) "لا يحل عمل شيئ من هذه الصور و لا يجوز بيعها و لا التجارة لها و الواجب أن يمنعوا من ذلك" (بلوغ القصد و المرام معزیا للهيثمی بحوالہ جواہر الفقہ :۳/۲۳۹) محشی۔

عبداللہ کے توسط سے مجھے ادا کردیے، عبداللہ (ایجنٹ) نے کچھ اپنی مجبوریاں بتلا کے مکمل کمیشن کی رقم پیشگی ۵۸ ہزار روپے اسی پانچ لاکھ سے منہا کرکے باقی رقم چار لاکھ بیالیس ہزار مجھے دیدیے جبکہ ایجنٹ معاملہ کی تکمیل کے بعد ہی کمیشن کی رقم کا حقدار ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے معاملہ طے نہ ہوسکے تو کمیشن اسے نہیں ملتا، البتہ اس کی دوڑ دھوپ کے اخراجات کی معمولی رقم اسے دے دی جاتی ہے، لیکن کچھ قانونی مجبوریوں کی وجہ سے وہ معاملہ فسخ کرنا پڑا، ہم نے خریدار عبدالرحیم کی جملہ رقم پانچ لاکھ روپے فوراً واپس کردیے، اور عبداللہ (ایجنٹ) سے جب کمیشن کی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو اولاً انہوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کرنے سے انکار کردیا کہ "میں نے اس معاملہ میں بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے"

میں ان سے کہا کہ بھائی محنتانہ کے طور پر دس ہزار آپ لے لیجئے باقی ۴۸؍ ہزار مجھے دیدیجئے، انہوں نے اس پر دس ہزار روپے واپس کردیے اور کہا کہ کچھ اور رقم میں جلد واپس کر دوں گا۔

لیکن اب تک معاملہ کو فسخ ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے، کئی دفعہ مطالبہ کے باوجود انہوں نے پیسے واپس نہیں کیے، سوال یہ ہے کہ آیا وہ فسخ معاملہ کے باوجود کمیشن کی رقم کے حقدار ہیں؟ یا نہیں؟ اگر ہیں تو کتنی رقم کے؟ اگر کچھ حقدار کے حقدار ہیں تو باقی رقم استطاعت رکھتے ہوئے فوراً ادا کردینی چاہئے یا بلا وجہ تاخیر اور ٹال مٹول کے ذریعہ ہمیں پریشان

کرنے کا حق ان کو ہوسکتا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی
روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں بلوازش ہوگی۔ والسلام۔
(جواد علی رشید علی۔ اے سی گارڈ، حیدرآباد)

جواب:- کمیشن پر دلال کے ذریعہ سامان فروخت کرنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے،(۱) کہ کسی متعین کام پر اجرت مقرر کی جائے کہ اگر وہ شخص اس کام کو کرادے تو اجرت دی جائے گی ورنہ نہیں، اس کو فقہ مالکی کی اصطلاح میں "جعالہ" کہتے ہیں، ایسی صورت میں اگر وہ شخص اس کام کو پورا نہ کرائے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، پس معاملہ کی جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اصل میں تو یہ معاملہ ہی درست نہیں ہے، اب رفع نزاع کے لئے یہی صورت ہوسکتی ہے کہ ان صاحب کو ان کی دوڑ دھوپ کے ضروری اخراجات ادا کردیے جائیں، اور بقیہ پوری رقم واپس کردی جائے۔

شدید عذر ومجبوری کے بغیر کسی کا دین ادا نہ کرنا اور ٹال مٹول سے کام لینا سخت گناہ اور عنداللہ جواب دہی کی بات ہے، اس لئے جن صاحب کے ذمہ یہ رقم باقی ہے انھیں فوراً ادا کردینا چاہئے۔

غیر ساتر ملبوسات کی فروخت

سوال:- (1853) آج کل فیشن کے طور پر ایسے ملبوسات پہنے جاتے ہیں جن سے خواتین کا پورا بدن ڈھکتا ہی نہیں ہے، کیا ایسی ملبوسات کو فروخت کرنا درست ہوگا؟
(سید حبیب اللہ، ایرہ گنڈا)

جواب:- خواتین کے لئے پردہ کے اعتبار سے تین درجات ہیں: اجنبی اور غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ، محرم رشتہ داروں اور شوہر سے پردہ، اس طرح کے ملبوسات کا غیر محرم کے

(۱) الفقه الاسلامی و أدلته: ۴/۷۸۶، بحثی۔

سامنے استعمال کرنا تو جائز نہیں، لیکن بعض ملبوسات جن میں آستین پوری نہیں ہوتی محرم کے سامنے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اور شوہر کے ساتھ تو خلوت میں ہر طرح کا لباس استعمال کیا جاسکتا ہے، لہذا چونکہ فروخت کنندہ ایسے مقصد یا نیت کے ساتھ نہیں فروخت کرتا کہ غیر محرموں کے سامنے بے حجابی روا رکھتے ہوئے ان کا استعمال کیا جائے اور فی الجملہ بعض حالات میں خواتین کے لئے ان کے استعمال کی گنجائش ہے، اس لئے اس کا اس طرح کے ملبوسات فروخت کرنا جائز ہوگا، البتہ نادرست ارادہ سے خرید کرنے والے اور خرید کر استعمال کرنے والے گنہگار ہوں گے۔(۱)

انسانی عضو کی فروختگی

سوال:- (1854) کوئی مسلمان بوجہ غربت و افلاس و قرض اپنا ایک گردہ بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اسلام میں اعضاء انسانی کی تجارت جائز ہے؟ (ایم ملک خان، اکبر پاڑہ)

جواب:- انسان اپنے جسم اور اعضاء کا مالک نہیں، اس لیے خود اپنا عضو فروخت کرنا یا انسانی اعضاء و اجزاء کی تجارت کرنا درست نہیں۔(۲)

---

(۱) "الأمور بمقاصدها" (الأشباه والنظائر لابن نجيم :۱/۹۷) بخاری شریف کی یہ روایت ہے: "عن عبد الله بن عمر ﷺ عن أبيه قال : أرسل النبي ﷺ إلى عمر ﷺ بحلة حرير أو سيراء فرآها عليه ، فقال : إني لم أرسل بها إليك لتلبسها ، إنما يلبسها من لا خلاق له ، إنما بعثت إليك لتستمتع بها يعني تبيعها" (صحيح البخاري حديث نمبر:۲۱۰۴، باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال و النساء) محشی۔

(۲) "مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي و كلها أو قال اقطع مني قطعة فكلها لا يسعه أن يفعل ذلك و لا يصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل" (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية:۳/۴۰۵ كتاب الحظر و الإباحة) محشی۔

کیا ناپاک اشیاء کی خرید و فروخت درست ہے؟

سوال:- (1855) آج کل گوبر کھاد کے لئے فروخت کیا جاتا ہے، اب تو بیت الخلاء کے حوض سے نکالا جانے والا انسانی فضلہ بھی بیچا جاتا ہے اور اس کو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ ناپاک ہے، کیا ایسی چیزوں کو خریدنا اور بیچنا درست ہے؟ (عبد المجید، گولکنڈہ)

جواب:- ایسی چیزیں جو ناپاک ہوں، لیکن ان سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، انہیں خریدنا اور بیچنا درست ہے، اسی لئے فقہاء نے خالص گوبر کو اور لید فروخت کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ جانور فضلہ سے آمیز ہوں تب بھی ان سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے، خالص انسانی فضلہ قابل انتفاع نہیں ہوتا، لیکن اگر مٹی کے ساتھ ملا ہوا ہو تو کھاد کے کام آتا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مٹی غالب ہو تو اس کا خریدنا اور بیچنا درست ہوگا:

"کما بطل بیع ... رجیع آدمی لم یغلب علیه التراب ، فلو مغلوبا به جاز ، کسرقین و بعر و اکتفی فی البحر خلطه بتراب" (۱)

بیت الخلاء کے حوض میں مٹی فضلات کو بڑی حد تک تحلیل کردیتی ہے، اس طرح مٹی غالب ہوتی ہے اور فضلہ مغلوب، اس لحاظ سے جو فقہاء فضلہ کے مغلوب اور مٹی کے غالب ہونے کی صورت میں خرید و فروخت کی اجازت دیتے ہیں، ان کی خرید و فروخت ان کے نزدیک بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۱۷۹/۷، باب بیع الفاسد ۔ محشی۔

تعمیر سے پہلے فلیٹس کی فروخت

سوال:- {1856} آج کل فلیٹس کے فروخت کرنے کی یہ صورت مروج ہوگئی ہے کہ پہلے پورے پراجکٹ کا نقشہ بنالیا جاتا ہے اور اکثر تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی ، زیادہ تر حصے فروخت کر دیئے جاتے ہیں : کیا اس طرح مکانات فروخت کرنا درست ہے؟ (محی الدین، حیدر گوڑہ)

جواب:- جب تک ایک چیز وجود میں نہ آجائے ، اس کو بیچنا درست نہیں ، (۱) لیکن اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے ، جس کو " استصناع " کہتے ہیں ، یعنی ایسی چیزیں جن کو آرڈر پر تیار کرنے کا رواج ہو ، جیسے جوتا وغیرہ ، آج کل فلیٹس اسی انداز پر بنائے جاتے ہیں ، فلیٹس کے نقشے ، اس کی مکانیت ، تعمیری معیار اور پوری تفصیلات پہلے واضح کردی جاتی ہیں ، محل وقوع دیکھنے کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کا فلیٹ کس منزل پر ہوگا ، یہ بھی واضح کر دیا جاتا ہے ، جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ختم یا بہت کم ہو جاتا ہے ، اس لئے جو لوگ فلیٹس تعمیر کر کے بیچتے ہیں ، ان کے لئے اس طرح خرید و فروخت کی گنجائش ہے ۔

جو فلیٹ نامکمل ہو ، اس کو فروخت کرنا

سوال:- {1857} الف نے فلیٹ خرید ، لیکن ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی ، پیسے کی ضرورت کی بنا پر دوسرے کو بیچنا چاہتا ہے ، کیا یہ صورت درست ہے؟ (محی الدین، حیدر گوڑہ)

---

(۱) عن حكيم بن حزام ﷺ قال : قلت يا رسول الله ﷺ ! الرجل ليسألني البيع و ليس عندي ، أفأبيعه ؟ قال : لا تبع ما ليس عندك " (سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۲۱۸۷ ، باب النهي عن بيع ماليس عندك) محشی ۔

جواب:- اگر ابھی بلڈنگ تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے تو خریدنے والے شخص سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے،(۱) کیونکہ جو چیز بیچی جائے اس کا فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر اس کی چھت پڑ چکی ہو اور اس کے خریدے ہوئے فلیٹس کی جو سطح ہوگی، خواہ زمین ہو یا کوئی چھت، وہ موجود ہو، دیواریں اور مکان سے متعلق دوسری ضروریات موجود نہ ہوں تو بحالت موجودہ اس کی جو قیمت مقرر ہو، اس کے لحاظ سے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس حد تک مکان وجود میں آچکا ہے۔

مختلف ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ سے حاصل ہونے والا نفع

سوال:- (1858) مختلف ملکوں کی کرنسیوں کی خرید وفروخت سے حاصل ہونے والا نفع جائز ہے یا نہیں؟

(انور شریف، قاضی پورہ)

جواب:- اس دور کے اہل علم کی رائے ہے کہ مختلف ملکوں کی کرنسیاں الگ الگ جنس ہیں،(۲) اس لئے ان کے باہمی تبادلہ میں کسی خاص قیمت کی پابندی ضروری نہیں، گورنمنٹ یا بینک کے مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ پر بھی باہمی رضامندی سے خرید وفروخت ہوسکتی ہے، اس طرح جو نفع حاصل ہو وہ مباح اور جائز ہوگا، البتہ یہ بات ضروری ہوگی کہ دونوں طرف سے نقد لین دین ہو، ایک طرف سے نقد ہو، دوسری طرف سے ادھار، یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ فقہ کی اصطلاح میں "بیع صرف" ہے(۳) اس لئے معاملہ کی اس صورت میں دونوں طرف سے نقد تبادلہ ضروری ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ،حدیث نمبر:۲۱۸۷،باب النهي عن بيع ماليس عندك ۔ محشی ۔
(۲) جدید فقہی مسائل:۱/۲۹۲ ۔ محشی ۔
(۳) الهداية :۳/۱۰۴ ۔ محشی ۔

زندہ جانور کے چمڑے کی فروخت

سوال:- (1859) جانور زندہ ہو اور ذبح ہونے سے پہلے ہی اس کے چرم کی قیمت لگا دی جائے، کیا شرعاً یہ درست ہوگا؟ (حافظ محمد حبیب الدین، مشیر آباد)

جواب:- ذبح کرنے اور چرم نکالنے سے پہلے اس کو بیچنا درست نہیں، کیوں کہ شرعی طریقہ پر ذبح کرنے یا دباغت دینے کے بعد ہی چمڑے کی خرید و فروخت درست ہے، زندہ جانور کا کوئی حصہ فروخت نہیں کیا جا سکتا، ہاں اگر جانور کے مالکان وعدہ کریں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کا چمڑا آپ کے ہاتھ اتنے روپے میں فروخت کردوں گا، پھر ذبح کے بعد چمڑے اور قیمت کا تبادلہ ہو جائے، تو یہ صورت جائز ہے، البتہ ذبح ہونے سے پہلے جو گفتگو ہوئی، اس کی حیثیت خرید و فروخت کی نہیں، بلکہ خرید و فروخت کے وعدہ کی ہے، اس لئے فریقین قانوناً اپنے اس ارادہ میں یک طرفہ طور پر تبدیلی لا سکتے ہیں، اور اس کی قیمت میں باہمی رضامندی سے کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے؛ لیکن دیانۃً وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر خریدار بعد میں بیچنے سے انکار کردے تو گنہگار ہوگا۔

خنزیر کے بالوں کے برش

سوال:- (1860) دیواروں کو پینٹ کرنے کے لئے خنزیر کے بالوں سے برش بنائے جاتے ہیں، ان کا فروخت کرنا کیسا ہے؟ (محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- خنزیر چوں کہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ناپاک اور ناقابل تطہیر ہے، نیز دیواروں کو پینٹ کرنے کے لئے پلاسٹک وغیرہ کے برش بھی دستیاب ہیں، اس لئے یہ کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ناپاک شئی کا استعمال جس طرح جائز نہیں اسی طرح اس

کو فروخت کرنا بھی درست نہیں، البتہ خنزیر کے بالوں کے برش نہ فروخت کرنا درست ہے، نہ خریدنا اور نہ استعمال کرنا۔

دباغت کے بعد خنزیر کے چمڑوں کی خرید وفروخت

سوال:- {1861} دباغت کے بعد خنزیر کے چمڑے کی خرید وفروخت کرنا کیا درست ہے؟ (حمید الدین، باکارم)

جواب:- خنزیر کا پورا وجود ناپاک ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''نجس العین'' کہتے ہیں، (۱) اس کا کوئی جزء کسی صورت میں پاک نہیں ہو سکتا، (۲) اس لئے اس کا چمڑا دباغت کے بعد بھی ناپاک ہی رہتا ہے، اور اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ (۳)

حرام عضو کی خرید وفروخت

سوال:- {1862} میرا تعلق قریش برادری سے ہے، یعنی گوشت کا کاروبار کرتا ہوں، برادری کے بعض احباب بیل کی شرم گاہ، جس کو عام طور پر ہم لوگ ''نرو'' کہتے ہیں، جمع کرکے ایکسپورٹ اور خرید وفروخت کر رہے ہیں، کیا یہ کاروبار شرعی حیثیت سے جائز ہے یا ناجائز؟

(شیخ جمعہ قریشی، پوٹن پوری، مہاراشٹر)

جواب:- جانور کے سات اعضاء وہ ہیں جن کا کھانا حرام ہے: بہتا ہوا خون، نر، و...

---

(۱) الهداية: ۱/۴۱، محشی۔

(۲) حوالۂ سابق: ۱/۴۰، محشی۔

(۳) "لا يباع جلد ميتة قبل الدباغ و بعده أي بعد الدبغ يباع إلا جلد انسان و خنزير" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۹۵/۷، مطلب في البيع الفاسد) محشی۔

جانور کی شرم گاہ، مثانہ، پت، خصیہ، فرج اور غدہ (گرہ لگا ہوا گوشت)۔(۱) اگر مذکورہ شی کھانے کے لئے فروخت کی جاتی ہیں تو ان کا فروخت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ جس شی کا کھانا حرام ہے اس کا کھلانا بھی حرام ہے، لیکن کسی اور مقصد کے لئے ان کی خرید وفروخت کا ممنوع ہونا ضروری نہیں۔

مورتیاں بنانا اور فروخت کرنا

سوال:- {1863} ہمارے شہر میں خاص طور پر چوک مرغیاں میں بنی ہوئی مورتیوں کی دوکانیں ہیں، جو مسلمان حضرات چلاتے ہیں، یہ مورتیاں دیوی دیوتاؤں کی ہوتی ہیں، اور مسلمان ان کی تجارت کرتے ہیں، بلکہ ان کو بنانے والے بھی مسلمان ہیں، کیا مسلمانوں کے لئے یہ تجارت جائز ہے، اور اس کے ذریعہ جو رزق حاصل کیا جارہا ہے وہ حلال ہے؟

(عبید اللہ حمد)

جواب:- مورتیاں بنانا بھی حرام ہے اور ان کو بیچنا بھی حرام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ عذاب مصور ہوں گے"۔(۲)

اس حدیث میں مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ کے بقول مجسمے اسٹیچو اور یہی مورتیاں مراد ہیں: "و المراد بالصور هنا التماثيل"(۳) اس لئے مورتیاں بنانا سخت گناہ ہے، حدیث

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۰۔

(۲) "إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون" (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۹۵۰) مرتب۔

(۳) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۲۲۵، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح و مايكره من ذلك، بحق۔

میں اس کی خرید وفروخت سے بھی شدت کے ساتھ اور صراحتاً منع کیا گیا ہے،(۱) اور اسے بیچ کر جو پیسے حاصل ہوں وہ بھی حرام ہیں، خاص کر ایسی مورتیاں جن کی دوسری قومیں پرستش کرتی ہوں، ان کا بنانا گناہ بالائے گناہ ہے، کیوں کہ یہ شرک میں براہ راست کھلا ہوا تعاون ہے، اور کسی بھی درجہ میں کسی صاحب ایمان کے لئے اس طرح کے گناہ کا ارتکاب شایان شان نہیں۔

بلاک سے راشن کا سامان خریدنا

سوال:- (1864) راشن کی دکان سے چاول، گیہوں، تیل وغیرہ بلاک میں خریدنا اور اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اس کا نماز، روزہ وغیرہ پر تو اثر نہیں پڑے گا؟

(محمد سیف اللہ، حافظ بابا نگر)

جواب:- راشن کی دکان میں اشیاء کی قیمت کم اس لیے ہوتی ہے کہ حکومت کچھ نقصان برداشت کر کے کم قیمت پر سامان فراہم کرتی ہے، اور ڈیلر کو اصولی طور پر اس بات کا پابند بناتی ہے، کہ راشن کارڈ کے حاملین کو سامان فراہم کیا جائے۔ لہذا راشن دکان کے مالکان پر بھی اس کی رعایت کرنا واجب ہے، اور جو لوگ واقف ہوں، کہ یہ دکان دار غریبوں کا حق مار کر ان کے ہاتھ بلاک میں بیچ رہا ہے، ان کے لیے اس کا خریدنا مکروہ ہے،(۲) البتہ چونکہ وہ قیمت دے کر سامان خرید کر رہا ہے، اور بیچنے والا اپنے سامان کی قیمت کم بھی رکھ سکتا ہے، اور زیادہ بھی، اس لیے جن لوگوں نے بلاک سے لے کر اس غلہ کو کھایا اور پیا، ان کو حرام کھانے والا نہیں سمجھا جائے گا، اس کو دھوکہ کا گناہ تو ہوگا، لیکن حرام کھانے کا گناہ نہیں ہوگا، اور اس کی نماز روزہ پر بھی اس کی وجہ سے ان شاء اللہ کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۴۷۰، محشی۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۸۵، محشی۔

باتصویر اخبار کی خرید و فروخت

سوال:- {1865} گھر میں تصویر رکھنا یا لگانا ناجائز کہا جاتا ہے، جس گھر میں تصویر ہو، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، لیکن روزانہ گھر پر اخبار آتا ہے، اس میں بہت سے انسانوں کی تصاویر ہوتی ہیں، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(م ،ع فاروقی ،جھمرا معصوم)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ گھر میں تصویر کا رکھنا جائز نہیں، اور تصویر لگانے میں اور بھی شدید گناہ، کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم واحترام کا اظہار ہوتا ہے، (۱) لیکن اخبارات کا لینا جائز ہے، کیونکہ اس میں مقصود خبریں ہوتی ہیں نہ کہ تصویریں، تصویروں کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے، اگر کوئی تصویروں ہی کا رسالہ ہے، اور تصاویر ہی کے لیے ان کو لیا جاتا ہے، جیسا کہ فلمی رسائل، تو ان کا خریدنا اور فروخت کرنا ناجائز ہوگا۔

مالک کی اجازت کے بغیر زمین کی فروختگی اور اس پر مسجد کی تعمیر

سوال:- {1866} زید نے ایک پلاٹ خریدا جس میں سے کچھ قیمت ادا کردی اور کچھ قیمت آئندہ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور یہ پلاٹ بکر کے حوالہ کرکے گیا کہ وہ اس کی نگرانی اور حفاظت کرے بکر نے جو زمین کی فروختگی کا کاروبار کرتا ہے، اس کے گرد و پیش زمین خرید کر پلاٹ بنا کر فروخت کردیا اور عام پلاٹس کے مقابلہ نسبتاً کم قیمت پر زید کا مذکورہ پلاٹ بھی اس کی اطلاع اور اجازت کے بغیر از خود فروخت کردیا، پھر زید

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۳۰۰، ط: مصر، ملخصاً۔

کی ادا کردہ رقم اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر والوں کے
حوالہ کردی ——— اب کیا زید کی اجازت کے بغیر بکر کا اس کا
فروخت کرنا درست ہوا؟ اور کیا اس زمین پر خریدار حضرات
مسجد تعمیر کرسکتے ہیں؟ (علی بن سفیان، کرناٹک)

جواب:- شرعاً کسی آدمی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ کسی کی زمین اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردے اور نہ اس کے فروخت کرنے کا کوئی اعتبار ہے، اس لئے کہ کسی چیز کو وہی بیچ سکتا ہے جو اس کا مالک بھی ہو۔ (۱) ہاں اگر سامان کا اصل مالک اس کی اجازت دیدے اور اس معاملہ کو قبول کرلے تو اب یہ خرید و فروخت درست ہوجائے گی۔

" إذا باع الرجل مال الغير عندنا يتوقف البيع على إجازة المالك " (۲)

اس لئے مذکورہ صورت میں بکر کا زید کی زمین اس کی اجازت کے بغیر بیچ دینا شرعاً جائز نہیں، اور نہ ہی یہ خرید و فروخت درست ہوئی، اس کو چاہئے کہ خریداروں کا روپیہ ان کے حوالہ کردے اور زمین زید کو دیدے، ابھی جن لوگوں نے اس زمین کو مسجد کے لئے لیا ہے، ان کے حق میں یہ زمین مغصوبہ سمجھی جائے گی اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا اور مسجد بنانا گناہ ہے، (۳) اس لئے زید کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ویڈیو گیم کی آمدنی

سوال:- (1867) آج کل ویڈیو گیم کا کاروبار بہت
چل رہا ہے، گلی گلی میں ویڈیو گیم کی دکانیں ہیں، یہ کاروبار

(۱) " أن يكون مملوكا في نفسه " (الفتاوى الهندية : ۳/۲) محشی۔
(۲) الهداية : ۳/۵۳۔ محشی۔
(۳) رد المحتار : ۱/۲۸۰۔ محشی۔

حلال ہے یا حرام؟ (حبیب محمد، پارکس)

جواب:- ویڈیو گیم میں وقت کا ضیاع ہے، انسان اس کھیل میں لگ کر اپنے دین اور دنیوی فرائض سے غافل ہوجاتا ہے، اور گھنٹوں اس میں برباد کردیتا ہے، اس لیے ویڈیو گیم اگر پیسوں کی شرط کے بغیر ہو جب بھی مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ فقہاء نے شطرنج کو مکروہ قرار دیا ہے۔ "و کرہ تحریما اللعب بالنرد و کذا الشطرنج "(۱) اور اگر پیسوں کی شرط بھی لگائی جائے تب تو قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

یہ تو ویڈیو گیم کھیلنے کا حکم ہے، اور جہاں تک ویڈیو گیم کے کاروبار کی بات ہے تو یہ کاروبار گناہ میں تعاون کی وجہ سے گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾ (۲) لیکن چوں کہ یہ پیسہ ویڈیو سیٹ کے استعمال کا کرایہ ہے اور اس سیٹ کا استعمال جائز مقاصد کے لیے بھی ہوسکتا ہے، اس لیے آمدنی حلال ہوگی، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک فعل تو گناہ ہو، لیکن اس کے استعمال سے جو چیز حاصل ہو وہ حلال ہو، جیسے غصب کی ہوئی چھری سے جانور ذبح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ذبح کردیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوجائے گا۔

بیع الوفاء

سوال:- (1868) زید اپنا مکان بعوض چار ہزار روپے اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ وہ ایک سال میں چار ہزار کی رقم واکردے گا اور پھر یہ مکان بائع کو واپس ہوجائے گا، کیا یہ بیع درست ہے؟ (محمد عبدالرؤف، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- یہاں بیع کی جو صورت بیان کی گئی ہے، فقہاء کے یہاں اس کو "بیع الوفاء" سے تعبیر کیا گیا ہے، شریعت کا اصول یہ ہے کہ بیع کے معاملہ کے ساتھ اگر کوئی ایسی شرط لگادی گئی،

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۹/۴۸۱۔ محشی۔
(۲) المائدة: ۲۔ محشی۔

جو تقاضۂ عقد کے خلاف ہو تو بیع درست نہیں ہوگی، (۱) چوں کہ اس معاملہ کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی گئی ہے کہ ایک مدت کے بعد وہ شئی واپس کردینی ہوگی، اور یہ بیع کے اصول اور تقاضوں کے خلاف ہے، اس لئے بیع درست نہیں ہے — البتہ عملاً اس بیع کی صورت بالکل رہن کی ہے، اور فقہاء نے بھی ایک طرف اس کے غیر معمولی تعامل اور دوسری طرف فقہی قباحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو رہن کی حیثیت سے جائز رکھا ہے، اب اس معاملہ کو رہن قرار دینے کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص جو خریدار ہے، اس کا مالک نہیں ہوگا، اصل مالک بائع ہی ہے، اس طرح خریدار کے لئے زمین یا مکان وغیرہ فروخت ہو تو شفعہ اصل مالک ہی کو ہوگا، اس خریدار کو جس کی حیثیت دراصل رہن رکھے گئے مال کے امین کی ہے اور جسے فقہ کی اصطلاح میں "مرتہن" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے استفادہ کا کوئی حق نہیں ہوگا، شامی میں ہے:

"البيع الذي تعارفه أهل زماننا احتيالا للربا وسموه بالوفاء فهو رهن في الحقيقة لا يملكه ولا ينتفع به إلا بإذن مالكه وهو ضامن لما أكل من ثمره الخ" (۲)

''وہ جس کا آج کل ہمارے زمانہ میں سود سے بچنے کے لئے حیلہ کیا جاتا ہے اور اسے "بیع وفاء" کہا جاتا ہے، درحقیقت رہن ہے، جس کا خریدنے والا نہ مالک ہوتا ہے اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، البتہ مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے، اگر (بلا اجازت استفادہ کرلیا تو) وہ ضامن ہوگا''

---

(۱) "أما شرائط الانعقاد ... منها الخلو عن الشرط الفاسد" (الفتاوى الهندية: ۳/۳) محشی۔

(۲) رد المحتار: ۴/۳۳۶۔

اسٹار کنکشن کا بزنس

سوال:- {1859} آج کل اسٹار ٹی وی کا چلن ہر گھر میں عام ہو چکا ہے، بعض لوگ اسٹار کنکشن دینے کا بزنس کر رہے ہیں، ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ اس بزنس میں لگا کر ہر ماہ دس ہزار تا پندرہ ہزار روپیہ کما رہے ہیں، آیا اس کی کمائی جائز ہے یا نہیں اور اس کی کمائی کی رقم سے حج وعمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ کلر ٹی وی اور وی سی آر اور فلمی کیسٹ کرایہ پر دیتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کا بزنس بنا ہوا ہے، ہر چوبیس گھنٹے میں یہ لوگ ۲۰۰ روپیہ کما رہے ہیں یہ کمائی کس حد تک درست ہے، جواب سے آگاہ کریں؟

(مرزا یونس بیگ، بھیسہ)

جواب:- ایک تو ٹی وی ہی کیا کم آفت تھی اور اسٹار ٹی وی نے تو اس آفت کو کئی چند کر دیا ہے، اس کی وجہ سے جو اخلاقی مفاسد پیدا ہو رہے ہیں اور نوجوانوں میں بے راہ روی کا جو رجحان بڑھ رہا ہے وہ محتاج اظہار نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ٹی وی اور بالخصوص اسٹار ٹی وی اس دور میں ام الفواحش یعنی بے حیائیوں کی جڑ ہے، اس لئے اسٹار کنکشن کا بزنس لوگوں کو گناہ اور برائی کی طرف دعوت دینے اور بے شرمی کی تبلیغ کرنے کے مترادف ہے، پس یہ سخت گناہ ہے، اور یہ ذریعۂ معاش قطعاً جائز نہیں، اس کی آمدنی کا حج وعمرہ میں استعمال بھی جائز نہیں، حج وعمرہ میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حرام پیسے لگانے سے بچتے تھے، کسی مسلمان کے لئے یہ بات کیسے روا ہو سکتی ہے؟ ٹی وی، فحش وی سی آر اور فلمی کیسٹ کرایہ پر لگانے کا بھی یہی حکم ہے، یہ سب گناہ میں تعاون ہے، اور شرعاً اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ (۱)

---

(۱) ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲) محشی۔

مضاربت وشرکت

نقصان کو قبول کئے بغیر مضاربت

سوال:- {1870} میں کسی خانگی ادارہ میں -/1500 روپے ماہانہ پر ملازمت کرتا ہوں اسی میں بیوی بال بچے کے اخرجات کو کسی طرح پورا کرتا ہوں، معاشی حالت کچھ بہتر کرنے کے لئے میں نے -/10,000 قرض لئے اور اسے دواؤں کی ایجنسی میں مشغول کردیا، جہاں سے -/600 روپے ماہانہ نفع حاصل ہو رہا ہے، مجھے نقصان سے کوئی مطلب نہیں ہے، واضح رہے کہ یہ منافع میرے سرمایہ کا تیس سے چالیس فیصد کے درمیان ہے، تو کیا اس طرح نفع حاصل کرنا درست ہے؟ (احمد علی، چنچل گوڑہ)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے، اسے فقہ کی اصطلاح میں "مضاربت" کہتے ہیں، یعنی ایک شخص کا سرمایہ ہو اور دوسرے شخص کی محنت، اور نفع میں دونوں شریک ہوں، شریعت

نے اصولی طور پر اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، تاکہ صاحب سرمایہ اور عامل دونوں ایک دوسرے کی صلاحیت سے استفادہ کرسکیں، البتہ اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ فریقین کے درمیان نفع کا تناسب متعین ہو، جیسے پچاس فیصد، پچیس فیصد وغیرہ، نہ کہ نفع کی قطعی مقدار، جیسے پانچ سو، چھ سو، نیز نفع میں جس تناسب سے حصہ داری ہو اسی تناسب سے نقصان میں بھی دونوں شریک ہوں، آپ نے جو صورت لکھی ہے، اس میں یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں، نفع کی ایک مقدار یعنی ۶۰۰/ روپے متعین ہے اور نقصان میں آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں، اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔ البتہ اس کی جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہر ماہ دس ہزار روپے کی متعین دوائیں آپ کے وکیل کی حیثیت سے یہ صاحب خرید کریں، اور دس ہزار چھ سو میں یہ دوائیں آپ ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں، البتہ اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ یا تو آپ خود ان کے ساتھ جاکر 10000 کی دوا خرید کریں، یا کم سے کم جب وہ دوا خرید کر لائیں، تو ایک لمحہ کے لیے ہی، آپ ان دواؤں کو اپنے قبضہ میں لے لیں، کیونکہ جب تک کسی چیز پر خریدار قبضہ نہ کرلے، اس کے لیے اس کو فروخت کرنا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے کسی شی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔(۱) اور جو چیز آدمی کے ضمان میں نہ آئی ہو اس کے نفع کو نادرست قرار دیا ہے۔(۲)

مضاربت اور مشارکت میں فرق

سوال:- {1671} مضاربت اور مشارکت میں کیا فرق ہے؟ (یوسف شریف، نامپلی)

---

(۱) "أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه " و زاد إسمعيل: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه " عن ابن عمر ؓ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۱۳۳، باب بيع الطعام قبل أن يقبض، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۵، باب بطلان البيع قبل القبض، مصنف عبد الرزاق: ۳۸/۸، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۰) محشی۔

(۲) حوالہ سابق

جواب :- یہ دونوں اشتراک کے ساتھ کاروبار کی صورتیں ہیں ، فرق یہ ہے کہ مضاربت میں ایک شخص کا صرف سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرے شخص کی طرف سے صرف محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں ۔

مشارکت (جس کو اصل میں فقہاء " شرکت " سے تعبیر کرتے ہیں) میں دونوں افراد کا مال یا دونوں کی محنت شامل ہوتی ہے اور نفع میں بھی دونوں شریک ہوتے ہیں ، یہ دونوں ہی صورتیں شریعت میں جائز ہیں اور اسلام میں سرمایہ کاری کی بنیاد ان ہی دونوں معاملات پر ہے ۔

کاروبار کی ایک صورت اور اس کا جائز متبادل

سوال :- {1872} ایک صاحب کے پاس کچھ رقم ہے ، انھوں نے اس رقم کو کمپنی میں لگا دیا اور کمپنی کے مالک کو اجازت دی کہ وہ اس رقم کو اپنے کاروبار میں شامل کر کے جو منافع آئے ہمیں دے دے ، کمپنی کے مالک نے اس رقم کو لے کر مارکٹ میں نقد خریدی کی اور جو سامان خریدا اس پر فی فرد پانچ روپیہ لگا کر اس شخص کو نفع دے دیا ، کیا یہ طریقہ درست ہے ؟　(سی ، عبدالرحمن ، مشیر آباد)

جواب :- ایک شخص محنت کرے اور دوسرا شخص سرمایہ لگائے ، اس کو " مضاربت " کہتے ہیں ، یہ اسی صورت میں جائز ہے ، جبکہ نفع و نقصان میں دونوں شریک ہوں اور اس کا تناسب متعین کرلیا جائے ، مثلاً دونوں فریق پچاس فیصد نفع کے حقدار ہوں گے اور اسی نسبت سے نقصان بھی برداشت کریں گے ، اس لئے جو صورت آپ نے بتائی ہے ، یہ اپنی موجودہ شکل میں جائز نہیں ، البتہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ جائز ہو سکتی ہے ، اور وہ اس طرح کہ سرمایہ لگانے والے شخص سے اجازت لے لے کہ میں اس سے تمہارے لئے فلاں مخصوص سامان جو مجھے کاروبار میں

مطلوب ہیں خرید لیتا ہوں، پھر جب اس سامان کو خریدے تو خریدنے کے وقت اسے ساتھ لے جائے یا خریدنے کے بعد اسے لاکر دکھادے، تاکہ اس شخص کا قبضہ ثابت ہو جائے، پھر فی عدد پانچ روپے کے اضافہ کے ساتھ وہ اس شخص سے خرید کرلے، یہ صورت جائز ہوگی، اور اس کو فقہ میں "مرابحہ" کہتے ہیں۔

سودی کاروبار کرنے والے غیر مسلم کے ساتھ پارٹنرشپ

سوال:- (1873) غیر مسلموں کے ساتھ پارٹنرشپ کا کیا حکم ہے؟ جب کہ وہ سودی کاروبار میں شامل ہو اور اس سے ہم کاروبار میں شرکت کے لئے پیسہ لیں۔

(عبداللہ، چار مینار)

جواب:- غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار اور پارٹنرشپ جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور سائب وغیرہ کے ساتھ کاروباری شرکت کی ہے، جب کہ ابھی وہ دامن اسلام میں نہیں آئے تھے، (۱) جو شخص ابھی مسلمان نہ ہوا ہو وہ احکام شریعت کی تفصیلات کے ابھی مخاطب نہیں ہیں، (۲) اس لئے ان کے مال کو کاروبار میں شریک کرنے کی گنجائش ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار میں شرکت

سوال:- (1874) ایک ہندو بھائی کا جنرل اسٹور ہے، جس میں پانٹر کی حیثیت سے مجھے بھی شامل کرلیا گیا ہے، میں

---

(۱) "السائب ابن أبي السائب ، أنه كان شريك النبي ﷺ في أول الإسلام في التجارة ..." (المستدرك للحاكم ۲/۶۹، كتاب البيوع) – محشی۔

(۲) فتح الملهم ۱/۱۸۷ – محشی۔

برابر کا حصہ دار رہوں، محنت بھی برابر کرتا ہوں لیکن چونکہ دکان کے مالک وہ تھے میں بعد میں شریک ہوا، ان کی دکان میں رام، لکشمن وغیرہ کی تصویریں ہیں صبح وشام پوجا وغیرہ بھی کی جاتی ہے، کیا میرا ان کے ساتھ کاروبار کرنا اور نفع لینا جائز ہے؟

(احمد علی، خلوت)

جواب: - عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی اور عیسائی کے ساتھ کاروباری شرکت سے منع فرمایا ہے، سوائے اس کے کہ خرید وفروخت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔(۱)

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ

"یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ وہ سودی کاروبار کرتے ہوں اور شراب وسور بیچتے ہوں" (۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"کسی عیسائی یا یہودی یا مجوسی کے ساتھ کاروبار میں شریک نہ ہو، کیوں کہ وہ سودی لین دین کرتے ہیں، اور سود حلال نہیں" (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم کا کاروبار حرام ذریعہ معاش پر مبنی ہو تو مسلمان کے لئے اس میں شرکت جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو مسلمان کی اس کاروبار میں شرکت جائز ہے، رہ گئی یہ بات کہ دکان میں پہلے مورتیاں رکھی ہوئی ہیں، تو چونکہ ان مورتیوں کے رکھنے اور نہ رکھنے کا تعلق

---

(۱) المغنی: ۷/۱۱۰۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) مصنف ابن أبی شیبۃ: ۶/۸، باب مشارکۃ الیھودی والنصرانی۔

دکان کے مالک سے ہے، نہ کہ آپ سے، اسی طرح مالک دکان کا پوجا کرنا اس کا اپنا فعل ہے نہ کہ آپ کا، اس لئے اس سلسلہ میں انشاء اللہ آپ گنہگار نہ ہوں گے، کاروبار میں آپ کی شرکت بھی جائز ہے اور نفع بھی آپ کے لئے حلال ہے۔

شرکت کے کاروبار میں نقصان کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

سوال:- (1875) نفع ونقصان کا معاہدہ کئے بغیر دو افراد نے شرکت کی اور کاروبار میں نقصان ہو گیا، تو کیا اس نقصان میں دونوں شریک ہوں گے؟ اور خاص کر غیر سرمایہ کار پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی؟ (محمد عبدالمجید، ملک پیٹ)

جواب:- شریعت میں شرکت کا معاملہ اسی وقت معتبر ہے جب نفع ونقصان میں سرمایہ کار اور ورکنگ پارٹنر دونوں شریک ہوں، لہٰذا اگر معاملہ کرتے وقت صرف شرکت کی بات کی گئی ہو اور نفع ونقصان میں دونوں فریق کے شامل ہونے کی صراحت نہ ہوئی ہو، لیکن اصول شرع کے مطابق نفع کے ساتھ نقصان میں بھی دونوں کو شریک ہونا پڑے گا، نقصان میں شرکت کی صورت یہ ہے کہ معاملہ کی مقررہ مدت میں جو نفع ہوا، پہلے اس سے نقصان کی تلافی کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ اس نفع میں دونوں شریک ہیں، اسی طرح نقصان کا بوجھ دونوں پر آیا، پھر اصل سرمایہ میں سے نقصان پورا کیا جائے گا، جو سرمایہ کار کی ملکیت ہے،(۱) مثلاً دو سال کے لئے شرکت کا معاہدہ ہوا، اصل سرمایہ ایک لاکھ کا ہے، پہلے سال اس کا پچاس ہزار نفع ہوا اور دوسرے سال ساٹھ ہزار کا نقصان ہو گیا تو پہلے سال کے نفع سے پورا کیا جائے گا، پھر دس ہزار اصل سرمایہ میں سے وضع ہو جائے گا اور سرمایہ کار کو نوے ہزار ہی واپس ملے گا۔

---

(۱) رد المحتار : ۶/۴۷۵، کتاب الشرکۃ ، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع : ۵/۸۳، کتاب الشرکۃ۔ محشی۔

سرمایہ کاری سے متعلق ایک صورت

سوال:- (1876) مکرمی ومحترمی جناب مفتی صاحب!
سلام مسنون، براہ کرم مندرجہ ذیل مسئلہ کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرما کر اجر جزیل حاصل فرمائیں!
''اسٹیٹ بینک آف انڈیا'' نے چھوٹے سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کا موقع فراہم کرنے کے لئے پانچ سو روپے کے حصص مقرر کئے ہیں جتنے حصص چاہے خریدے جا سکتے ہیں، اس طرح سارے ملک سے جمع شدہ حصص کی رقم سے جو سرمایہ فراہم ہوگا اسے مناسب و محفوظ طریقہ پر تجربہ کار استعمال کیا جائے گا، تا کہ سرمایہ کاری کا مقصد یعنی آمدنی میں اضافہ کی صورت وجود میں آسکے، حصص کی رقم پر ۱۰.۲/ فیصد منافع کے علاوہ مزید معقول منافع کا امکان ہے، نیز سرمایہ کاری کی حفاظت کی ضمانت بھی۔ (محمد عبد القدوس، حیدرآباد)

جواب:- شرعی اصول کے مطابق اگر نفع ونقصان کی بنیاد پر شرکت ہو اور نفع کی تقسیم تناسب سے ہو، کوئی ایک مقدار متعین نہ کی جائے تو ایسی شرکت کا کاروبار درست ہے، (۱) اگر کسی کاروبار میں متعین نفع پر شرکت نہ ہو، (۲) البتہ کاروبار کی نوعیت اور کاروبار کرنے والوں کے تجربات سے غالب گمان ہو کہ یہ تجارت بہر حال نفع خیز ہوگی، اور نقصان نہ ہوگا تو ایسی شرکت

---

(۱) ''الأول: وهو شركة بالأموال فهو أن يشترك اثنان في رأس مال فيقولان: اشتركنا فيه على أن نشتري و نبيع معاً أو شئ أو أطلقا على أن ما رزق الله عز و جل من ربح فهو بيننا على شرط كذا'' (بدائع الصنائع ۶/۵۶)

(۲) ''أن يكون الربح جزءاً شائعاً في الجملة لا معيناً'' (بدائع الصنائع ۶/۵۹)

بھی شرعا درست ہے، نیز یہ بات بھی جائز ہے کہ متوقع نفع کے لحاظ سے ماہانہ کچھ رقم دیا جاتا رہے اور ایک مدت کے بعد حسابات کی مکمل تنقیح کے بعد نفع کی پوری تقسیم عمل میں آئے، مذکورہ صورت میں غالبا یہی صورت حال ہے، اس لئے شرعا ایسے کاروبار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق درست ہوں گے۔

حسب مرضی نفع پر مضاربت

سوال:- {1677} ایک صاحب زید سے بزنس کے لئے پیسے دیئے اور طے ہوا کہ آپ اپنی مرضی سے جو نفع دیں گے قبول ہوگا، دونوں فریق اس پر راضی بھی ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (محمد یعقوب خاں، کاغذ نگر)

جواب:- اس طرح کے معاملہ کو شریعت کی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں، یعنی ایک شخص کا سرمایہ ہو دوسرے شخص کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں، لیکن اس معاملہ کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ نفع کا تناسب بھی متعین ہو، مثلاً: یوں بات ہو کہ جو نفع ہوگا اس کا ۶۰ رفیصد میں لوں گا اور چالیس فیصد آپ کو دوں گا، یہ صورت کہ اپنی مرضی سے جو بھی نفع چاہوں گا دے دوں گا درست نہیں۔(۱)

شیئرز (حصص) کے ذریعہ کمپنیوں میں سرمایہ کاری:

سوال:- {1678} شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری کا نظام آج انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے اور اس ترقی یافتہ عہد میں تجارت کی سب سے رائج اور مقبول صورت ہے اور عالمی پیمانہ

---

(۱) " و من شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح " (الهداية:۳/۲۵۸) محشی۔

پراس میں عام ابتلاء ہوگیا ہے، اس لئے اس کے طریقہ کار کی تنقیح کرکے حل طلب مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، اس لئے اولاً کمپنی کے نظام کو ذکر کرکے چند حل طلب سوالات پیش کئے جاتے ہیں۔

مشترک تجارت کا نام دے کر ایک کمپنی قائم کی جاتی ہے کہ ابتداءً چند سرمایہ کار (جو ترقی دینے والے حصہ دار کہلاتے ہیں) ایک اسکیم مرتب کرکے اور قواعد وضوابط متعین کرکے رجسٹرار آف کمپنیز کے یہاں رجسٹریشن کراتے ہیں، جو قانونا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح کسی معتبر بینک سے یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے کہ اگر پیش کردہ حصص پر سرمایہ فراہم نہ ہو سکے تو بینک اسے اپنے حصے خریدنے کو تیار رہے۔

رجسٹریشن کے بعد کمپنی اپنی مصنوعات یا مال تجارت متعین کرکے اشتہار دیتی ہے، جس میں لاگت سرمایہ مصارف اور قیمت کے تخمینہ کے ساتھ متوقع نفع کی صراحت ہوتی ہے۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ کمپنی میں بذریعہ شیئرز (حصص) شرکت کی کھلی اور عمومی پیشکش کی جاتی ہے اور اس سے وسیع پیمانے پر تجارت کے لئے سرمایہ کی فراہمی مقصود ہوتی ہے۔ اور کبھی پہلے سے موجود کمپنی بھی اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے عوام کو سرمایہ کاری کے لئے کھلی پیش کش کرتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لاگت اور سرمایہ کو (جس کا تخمینہ لگایا جاتا ہے) عموماً دس روپے اور بعض دفعہ سو روپے کے مساوی اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے، جس میں سے ہر جزء کو ایک حصہ تجارت

کہا جاتا ہے، پھر خواہش مند لوگ اپنی اپنی قوت اور منشا کے مطابق حصے کم اور زیادہ خریدتے ہیں، اس پیشکش کو قبول کرکے حصص کی خریداری کے ذریعہ سرمایہ لگانے پر حق شرکت کے مالک ہوجاتے ہیں اور اس شرکت کی بناء پر ان کو کمپنی کے تجارتی امور میں رائے دہندگی کا حق حاصل ہوتا ہے، اور نفع و نقصان میں بقدر حصص شرکت ہوتی ہے، لیکن کمپنی کے املاک اور اثاثہ میں نہ تو وہ خریدار ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کسی تصرف کے مالک اور کمپنی کے اسکیم مرتب کرنے میں بھی ان کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

اور عموماً کمپنیوں کو ان حصص کے ذریعہ مکمل سرمایہ کی فراہمی ممکن نہیں ہوتی، اس لئے پھر اسی کے بقدر کم یا زیادہ ایسے حصص کی پیشکش کرتی ہیں، جن کی حیثیت سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرض کی بھی ہوتی ہے، ان حصص کے بدلے وثیقہ یا سند دی جاتی ہے، ایسی سندات کو "بانڈز" اور ایسے حصص قرض کو "ڈبنچرز" کہا جاتا ہے۔

حصص قرض کے ذریعہ شریک ہونے والے مالکانہ حقوق نہیں رکھتے، ان کو رائے دہندگی کا حق بھی نہیں ہوتا، ان کو سود کے علاوہ نفع بھی دیا جاتا ہے، اور نقصان یا اتلاف کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضمانت دی جاتی ہے، اور اس کو "پریفرنس شیئرز" (ترجیحی حصص) بھی کہا جاتا ہے۔

حصص قرض کو حصص تجارت میں تحویل کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی اپنے حصص کو واپس لے کر شرکت کو ختم کرلینا

چاہے تو وہ براہ راست کمپنی سے سرمایہ کو واپس نہیں لے سکتا، بلکہ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے حصص کو کسی اور شخص کے نام منتقل کر دے اور اس کے حق میں حق شرکت سے دستبردار ہو جائے، اس کے عوض وہ حصص کی بازاری قیمت لیتا ہے، جو ابتدائی کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کمی کم یا زیادہ ہوتی ہے۔

جوں جوں کمپنی کے مال تجارت اور اثاثوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، حصص کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے، جو کمپنی مسلسل نفع بناتے بازار میں اس کے حصص اونچی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

کمپنی ہر سال حساب کر کے منافع کو حصص پر تقسیم کرتی ہے، اس کا ایک جز وقت ضرورت کے لئے اپنے پاس جمع کر لیتی ہے، بقیہ حصہ داروں کو پہنچا دیتی ہے، جمع شدہ رقم حصہ کی قیمت سے بڑھ جائے تو اسے اصل سرمایہ میں شامل کر لیا جاتا ہے، اس طرح حصص میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حصص تجارت اور حصص قرض کی ایک متعین قیمت ہوتی ہے، جو ان کے جاری ہونے کے بعد متعین کی جاتی ہے اور ایک مارکیٹ کی قیمت ہوتی ہے جو ملک کی سیاسی، اقتصادی حالات ان کی مانگ اور دوسرے عوامل کے نتیجہ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

بازار حصص میں خرید و فروخت بروکروں (دلالوں) کے ذریعہ ہوتی ہے، جو کمپنیوں کے بدلتے ہوئے حالات پر آ گہی

رکھتے ہیں، باقاعدہ رجسٹریشن اور قواعد وضوابط کے ساتھ
اسٹاک ایکسچینج (بازار حصص) قائم کر کے اس کے ممبر بن جاتے
ہیں، اور حصص کے خرید وفروخت کے لئے افراد اور کمپنیاں
بازار حصص کی طرف رجوع کرتی ہیں، بازار حصص کے اتار
چڑھاؤ کا ملکی معیشت پر گہرا اثر پڑتا ہے، اب بازار حصص میں
خود ان حصص تجارت اور حصص قرض کی خرید وفروخت شروع
ہوگئی ہے، ان بنیادی تصریحات کے بعد چند حل طلب
سوالات پیش خدمت ہیں، اس سلسلہ کے مزید سوالات آپ
کے ذہن میں ہوں تو اس کو بھی شامل جواب کرلیا جائے، چوں
کہ موجودہ زمانہ میں عالمی تجارت کا اکثر وبیشتر حصہ اسی نوعیت
کے مسائل پر مبنی ہے، اس لئے قواعد فقہیہ کی روشنی میں ان کے
احکام کا استخراج بہت سے مسائل کا مداوا ثابت ہوگا۔

سوالات: (۱) مذکورہ کمپنیوں میں شیئرز (حصص) کے
ذریعہ سرمایہ کاری عقود شرعیہ میں سے کونسا عقد ہے؟، بیع،
مضاربت یا شرکت؟ اگر عقد شرکت ہے تو شرکت کی کونسی قسم
ہے؟ اور کیا شریک (صاحب حصص) کے اپنے حصہ پر مکمل
مالکانہ تصرف حاصل نہ ہونے سے حکم میں تغیر آئے گا؟

(۲) ایسی کمپنیوں میں شیئرز کے ذریعہ سرمایہ کاری جن
میں حصص قرض (جن پر سود دینا لازمی ہے) اور بینک کے
سودی قرضے بھی شامل ہوتے ہیں، کیا حکم ہے؟ کیا اس اختلاط
بالحرام کی وجہ سے حصص تجارت (جن میں سود نہیں) کے منافع
کا جواز متاثر نہ ہوگا؟

"المال المختلط بالحلال والحرام" کا شرعاً کیا حکم ہے؟ یہ واضح رہے کہ نہ صرف ایسی کمپنیوں کی تجارت بلکہ ہر بڑے پیمانے کی تجارت درآمدات وبرآمدات کا کسی نہ کسی مرحلہ میں بینک یعنی سودی لین دین پر انحصار ناگزیر ہے۔

(۳) ڈبینچرز (حصص قرض) کے ذریعہ سرمایہ کاری کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ اس پر کمپنی طے شدہ ریٹ کے مطابق سود دیتی ہے، اس کے علاوہ نفع بھی دیتی ہے، اور اتلاف و نقصان کی صورت میں سرمایہ کی واپسی کی ضامن ہوتی ہے۔

(۴) اگر کسی کمپنی میں حصص تجارت حاصل کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بدرجہ مجبوری حصص قرض کو اس نیت سے خریدنا کہ آئندہ اسے حصص تجارت میں کنورٹ کرلیا جائے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(۵) حصص تجارت (شیئرز) جن کی بازار حصص میں خرید وفروخت ہوتی ہے، خود ان حصص کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(الف) کیا ان کو شرعاً مال متقوم قرار دیا جاسکتا ہے؟ جن کی خرید وفروخت اور ان کا رہن وغیرہ درست ہو۔

(ب) کیا ان کو حق شرکت کی بیع وشراء قرار دیا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس نوعیت کے حقوق کی بیع وشراء کے جواز کی کیا بنیاد ہے؟

(ج) کیا اسے اثاثہ تجارت کے جزء مشاع کا بدل مانا جاسکتا ہے؟ بصورت اثبات اس کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟

(۶) بانڈز (سندات حصص قرض) جن کی خرید

فروخت ہوتی ہے، رہن رکھا جاتا ہے، شرعاً ان کی کیا حیثیت ہے؟

(۷) اسٹاک ایکسچیج (بازار حصص) میں شیئرز (حصص تجارت) ڈبنچرز (حصص قرض) کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ اس میں کمپنی کی متعین کردہ قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر بیع وشراء کا معاملہ ہوتا ہے۔

(۸) بازار حصص میں بروکروں (دلال) اپنے نام پر حصص کو منتقل کیے بغیر جو بیع وشراء بحیثیت وکیل یا فضولی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ان بروکروں کی معرفت حصص تجارت و حصص قرض کی خرید و فروخت درست ہے؟

(۹) کمپنی اگر حرام اشیاء، مثلاً: شراب وغیرہ کی تجارت کرے تو کیا ایسی کمپنی سے حصص خریدنا اور اس سے منتفع ہونا جائز ہوگا؟ یہ واضح رہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں کمپنی کا پورا عملہ غیر مسلم ہوتا ہے، تو کیا ان کو شرکاء کا وکیل قرار دے کر اس طرح کے عقد کی اجازت دی جائے گی؟ کیوں کہ حقوق عقد عاقد کی طرف لوٹتے ہیں؟　　　　(حضرت مولانا سید اسعد مدنی، ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ العلماء ہند)

جواب:- ۱)...... حصص کی مذکورہ صورت میرے خیال میں مضاربت کے حکم میں ہے، مضاربت میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ سرمایہ کار (رب المال) اور عامل (مضارب) ایک سے زیادہ اشخاص ہوں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"لو دفع رجلان إلی رجلین الف درهم و قالا

لهما نصف الربح بينكما " (۱)

اسی طرح ایک اور موقع پر لکھا گیا ہے:

" و لو دفع إليه درهم مضاربة على أنهما شريكان في الربح و لم يبين مقدار ذلك فالمضاربة جائزة : لأن مطلق الشركة يقتضي المساواة " (۲)

موجودہ زمانہ میں اس طرح کی جو کمپنیاں قائم ہیں ان کی حیثیت قانونی اور اعتباری شخصیت کی ہے، حضرت عمرؓ نے بیت المال کے مال میں مضاربت کروائی ہے، (۳) بیت المال کی حیثیت دراصل یہی شخصیت اعتباری کی ہے کہ جب افراد کے ایک مجموعہ کو شخص واحد کا وجود دے کر رب المال قرار دیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مضاربت قرار نہ دیا جاسکے، کمپنی کی حیثیت ایسے ہی اعتباری شخص کی ہے، اور کمپنی کا کسی معاملہ کا طے کرنا ان تمام افراد کی طرف سے رضامندی اور منظوری سمجھی جائے گی، جو کمپنی میں شامل ہوں۔

۲)...... حلال وحرام کے مخلوط مال میں اگر دونوں کی شناخت قائم نہ ہو تو اعتبار غلبہ کا ہوگا۔

" و لا يجوز قبول هدية أمراء الجور : لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال ؛ بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به ؛ لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب ، و كذا في أكل طعامهم " (۴)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۲۸۹/۴، مطبوعہ بیروت۔

(۲) الفتاوى الهندية: ۲۸۸/۴، مطبوعہ بیروت۔

(۳) بيهقي: ۱۸۳/۲، كتاب القراض - محشی۔

(۴) الفتاوى الهندية: ۳۴۳/۵، باب الكراهية۔

اصل میں اگر ایک کمپنی سود پر مبنی کاروبار بھی کرتی ہے لیکن اس سے ایک شخص غیر سودی معاملہ کرتا ہے تو اس دوسرے شخص کا اس سودی کاروبار سے کوئی براہ راست تعلق نہیں، یہ محض ایک تعاون بعید کا درجہ رکھتا ہے، اور سد ذرائع میں یہ اصول ہے کہ حرام کے ایسے ذرائع پر حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے، جو اس کا قریبی ذریعہ ہو، اس لئے موجودہ حالات میں ایسی کمپنیوں کے حصص کا خریدنا جائز ہے۔

۳)...... یہ صورت صراحتاً سودی معاملہ کی ہے، اس لئے قطعاً جائز نہیں۔

۴)...... چوں کہ حصص خرید کرنے والوں کی نیت سود حاصل کرنے کی نہیں ہے، بلکہ مضاربت کی ہے، اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ایک عرصہ کے لئے بطور امانت کے یہ رقم کمپنی کے پاس جمع کر رہا ہے، اور کمپنی اس کو اس شرط پر اپنے پاس رکھ رہی ہے کہ صاحب امانت ایک مخصوص مدت کے بعد اس کو بطور مضاربت تبدیل کر دے گا، گویا یہ "ودیعت مشروط بالمضاربت" ہے، لہذا از راہ حاجت موجودہ حالات میں جائز ہونا چاہئے، البتہ حصص تجارت میں تبدیل ہونے سے پہلے اس پر جو کچھ نفع ملا ہے وہ سود ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو بینک انٹرسٹ کا ہے۔

۵)...... میرے خیال میں حصص کی حیثیت سامان تجارت کے "حصہ مشاع" کی ہے، حصص کا خریدار جب کوئی حصہ خرید کرتا ہے تو وہ کمپنی کو اپنی طرف سے اس سامان پر قبضہ کا وکیل بناتا ہے، اور وکیل کا قبضہ مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے، اس لئے اب وہ ایسی شئی کو بیچ رہا ہے، جو اس کے قبضہ میں ہے۔

۶)...... مال مرہون کے لئے فقہاء نے اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ وہ قابل خرید و فروخت ہو، چوں کہ خرید و فروخت مال ہی کی ہو سکتی ہے، اس لئے یہ قید بھی لگائی گئی ہے کہ وہ مال ہو، عالمگیری میں ہے:

"منها: أن يكون محلا قابلا للبيع، وهو أن يكون موجودا وقت العقد مالا مطلقا متقوما

مملوکا معلوما مقدور التسليم " (۱)

چوں کہ سند حصص بذات خود مال نہیں ہے، اس لئے اگر فقہاء کے ظاہری الفاظ کا پابند رہا جائے تو اس کو رہن رکھنا درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن مسئلہ کی اصل روح یہ ہے کہ رہن رکھی جانے والی شئی ایسی ہو کہ اس کے ذریعہ دین کا وصول کرنا ممکن ہو، یہاں بھی فی زمانہ سند حصص کی بیع بالکل اصل مال کی طرح ہوتی ہے، اس لئے شریعت کی اصل روح کو سامنے رکھا جائے تو اس کا رہن درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷)..... مالکان حصص کا کمپنی کی مقررہ قیمت سے زیادہ میں فروخت کرنا بھی درست ہوگا، اس لئے کہ یہی رب المال ہے اور رب المال کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کسی شئی کے بیچنے میں مضارب کی مقرر کی ہوئی قیمت کا پابند ہو کر نقصان اٹھائے، فقہاء کی صراحتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضاربت کا بنیادی مقصد نفع کا حصول ہے، لہٰذا بنیادی طور پر دیکھنے کی چیز صرف یہ ہے کہ زیادہ نفع کس میں ہے؟ رب المال یا مضارب کا ایسا تصرف جس سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہو، اصولی طور پر جائز ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

" المقصود عقد المضاربة هو الربح و على ذلك كل قيد مفيد فوجب اعتباره و لو دفع إليه مالا مضاربة على أن يبيع و يشتري بالنقد فليس له أن يشتري و يبيع إلا بالنقد ؛ لأن هذا التقييد مفيد فيتقيد بالمذكور ، و لو قال له بع بنسيئة و لا تبع بالنقد فباع بالنقد جاز ؛ لأن النقد أنفع من النسيئة فلم يكن التقييد بها مفيدا فلا يثبت القيد و صار كما لو قال للوكيل

(۱) الفتاوى الهندية: ۵/۳۳۔

بع بعشرة فباع بأكثر منها جاز كذا هذا " (۱)

۸)..... دلال کی اجرت کو عام طور پر متاخرین نے جائز قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی درج ذیل صراحتیں موجود ہیں:

"إجارة المنادي و السمسار و الحمامي و نحوها جائزة للحاجة " (۲)

" و في الواقعات للناطفي : إذا قال لرجل بع هذا المتاع و لك درهم ، أو قال اشتر هذا المتاع و لك درهم فله أجر مثله لا يجوز به الدرهم " (۳)

"قال في التاتر خانية : و في الدلال و السمسار يجب أجر المثل و ما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم و في الحاوي سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال أرجو أنه لا بأس به ، و إن كان في الأصل فاسد لكثرة التعامل و كثير من هذا غير جائز فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام " (۴)

" الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر و به يفتي الفضلي في فتاواه و غيره من مشائخ زماننا

(۱) بدائع الصنائع :۶/۱۰۰۔
(۲) الأشباه والنظائر :ص:۳۴۰۔
(۳) الفتاوى الهندية:۴/۴۵۰۔
(۴) رد المحتار:۵/۴۳۔

کانوا یفتون بوجوب أجر المثل و به یفتی "(۱)

البتہ اگر دلال وکیل ہو تو اس کے جواز میں شبہ نہیں، اگر بحیثیت فضولی خرید و فروخت کرتا ہو تو اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ فضولی کی بیع جائز ہے خریداری جائز نہیں۔

"إذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک ... و لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ" (۲)

۹)..... اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ کا قول مشہور یہی ہے کہ چوں کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں اصل حقیقت وکیل کی ہوتی ہے لہٰذا اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو شراب یا سور کے بیچنے کا وکیل بنا دے تو یہ درست ہے، لیکن جن فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ بھی اسے شدید حد تک مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں، اور مسلمان مؤکل کو کہتے ہیں کہ وہ اس کی قیمت کا صدقہ کر دے:

"أمر المسلم ببیع خمر و خنزیر صح ذلک التوکیل و بیع الوکیل و شراؤہ بحرمۃ اشد الکراھۃ فیجب علیه أن یخلل الخمر أو یریقها و لو وکله ببیعها یجب علیه أن یتصدق بثمنها" (۳)

لیکن فقہاء کا ایک گروہ اس نقطۂ نظر کا حامل ہے کہ اصل حیثیت مؤکل کی ہوتی ہے اور وکیل کے خریدتے ہی شئی مؤکل کی ملک میں چلی جاتی ہے، خود علامہ شامیؒ کا رجحان بھی اسی جانب محسوس ہوتا ہے۔

---

(۱) الھدایۃ:۳/۲۵۰۔

(۲) الھدایۃ:۳/۹۳۔

(۳) رد المحتار:۳/۱۲۰۔

"و أما على ما قال له ابو طاهر من أنه يثبت
للمؤكل ابتداءً به جزم في الكنز ، و هو الأصح ،
كما في البحر ، فلا يستقيم و الله تعالى اعلم ،
قلت : و تعقبه مشائخنا : بأنه غير مستقيم
على ما ذكره الكرخي لاتفاقهم على عدم عتق
قريب الوكيل : لأن مالكه غير مستقر " (۱)

اس لئے راقم الحروف کی رائے میں ایسی کمپنی کے حصص خرید کرنا جائز نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

شیئر سرٹیفکٹ اور متعین نفع

سوال :- (1879) میں ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہوں ، میری پنشن بہت قلیل ہے ، موجودہ گرانی میں اس قدر قلیل پنشن پر گزر بسر کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہے ، میں نے ملازمت کے زمانے میں کچھ روپے پس انداز کرلیا تھا تا کہ بڑھاپے میں کام آئے ، اس وقت میری عمر ۷۴ سال ہے اور اب میں اس قابل نہیں کہ خود کوئی کام کر کے روپیہ حاصل کروں ، کیا اس صورت میں میں حکومت کے جاری کردہ Share Certificat (شیئر سرٹیفکٹ) خرید سکتا ہوں ؟ اس کے لیے شرعی نوعیت کیا ہے ؟ یہاں بڑی حد تک روپیہ محفوظ رہنے کی ضمانت حاصل ہے ، اس موقع پر عرض کر دیتا ہوں کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بینک کے سود کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ بینک غیر مسلموں کی زیر نگرانی ہو

(۱) رد المحتار : ۵/۵۲ ۔

ایک مسلمان صاحب جو ایک دولتمند تاجر ہیں اور قابل اعتماد ہیں، میرا روپیہ کاروبار میں شریک کرنے پر آمادہ اور تیار ہیں اور سرمایہ پر ۱۸ر فیصد نفع دینے کا وعدہ کرتے ہیں یعنی اگر میں ان کو ۱۰۰۰۰ روپے دوں تو وہ مجھے 150 روپے ماہانہ نفع دیں گے، ان کا کہنا ہے کہ ان کے لیے ہر ماہ حساب کرکے نفع کا تعین کرنا دشوار ہے اور حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 10000 روپے پر 150 روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں آتا ہے، کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت بتلائی جائے، مسلمان کاروبار کرنے والے تو بہت سے ہیں مگر مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس اور شرمندگی ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں دیانتداری کا فقدان ہے، اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر بمشکل بھروسہ کر سکتا ہے، صورت حال صرف میرے ہی ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ میری طرح بہت سے مسلمان روپے رکھنے کے باوجود پریشان ہیں اور علماء جو مسائل پر اچھی نظر رکھتے ہیں، کوئی حل پیش کرنے سے آپ آپ کو عاجز پاتے ہیں، از راہ کرم اس استفسار کا مفصل جواب عنایت فرمائیں، ممنون ہوں گا۔

(محمد نسیم، A.Battery Lnes Hyd)

جواب:- آپ نے جو صورت حال لکھی ہے، علماء نے اس قسم کے مسائل کے حل بتلائے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ہم وہی بتا سکتے ہیں، جو شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر ہوں، قصور اسلام کا ہے، نہ علماء کا قصور، اس ظالم نظام زندگی کا ہے، جس نے پوری معیشت کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح سود و قمار کو داخل کر دیا ہے، اب ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فریضہ

ہے کہ ہم ان آزمائشوں میں بھی خدا کی قائم کی ہوئی حدود کو نہ توڑیں اور قومی سطح پر ایسے ادارے اور کاروبار قائم کرنے کی کوشش کریں، جن میں سود وقمار کی لعنت میں مبتلا ہوئے بغیر مسلمان اپنی سرمایہ کاری کرسکیں۔ آپ نے دو سوالات کئے ہیں" ایک شیئر سرٹیفکٹ اور دوسرے ایک نجی کاروبار میں شرکت سے متعلق" ان دونوں مسئلوں کے بارے میں اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک شخص اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے اور نفع متعینہ تناسب سے دونوں میں تقسیم کردیا جائے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "مضاربت" کہا جاتا ہے، مضاربت میں ضروری ہے کہ نفع اور نقصان دونوں میں فریقین شریک رہیں، سود اور مضاربت میں یہی فرق ہے، سود میں سرمایہ کے لیے بہر صورت نفع متعین ہوتا ہے، اور مضاربت میں وہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوتے ہے، دوسرے سود جس طرح مسلمانوں سے لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلموں سے بھی لینا جائز نہیں ہے، سود جس وقت حرام کیا گیا، اس وقت حضرت عباس ﷜ کا سودی کاروبار زیادہ تر غیر مسلموں سے تھا لیکن ان کا اصل سرمایہ باقی رکھتے ہوئے سود ایک لخت کالعدم کردیا گیا۔ (۱) اس لیے تمام علماء ہند کا فتویٰ ہے کہ ہندوستان میں سود لینا جائز نہیں ہے، حضرت مفتی شفیع صاحب ؒ کی تحریر اس باب میں بڑی شافی اور اطمینان بخش ہے، (۲) امام اعظم ابوحنیفہ ؒ سے حربی سے سود لینے کا جواز منقول ہے مگر فقہاء نے دار الحرب کی جو تعریف کی ہے اور احکام بتلائے ہیں ان کی روشنی میں ہندوستان کو دار الحرب نہیں کہا جاسکتا۔ (۳) آپ کے اصل سوالات کے جوابات یہ ہیں:

(الف) شیئر سرٹیفکٹ اگر اس اصول پر مبنی ہو کہ نفع اور نقصان دونوں میں آپ شریک ہوں گے تو خریدنا جائز ہے، ویسے مجھے معلوم نہیں کہ اس سرٹیفکٹ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۵۰، باب حجۃ النبی ﷺ۔ محشی۔
(۲) جواہر الفقہ: ۳/ ۵۷-۴۲۔ محشی۔
(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۲/ ۲۴۳۔

(ب) ماہانہ 150 کی رقم متعین کردینا درست نہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ ہر ماہ اوسطاً 150 دیدیں پھر حساب کر کے مزید رقم نکلے تو آپ کو ادا کردیں اور اس سے کم ہو تو بقیہ آپ سے لے لیں۔

یہ مضاربت نہیں، بلکہ سود ہے

سوال:- (1880) ماجد اپنے ایک دینی بھائی سے بذریعہ مضاربت ایک کاروبار کرنا چاہتا ہے، جس میں محنت ماجد کی اور پیسہ ساجد کا ہوگا، (بیس فیصد منافع کی بنیاد پر) لیکن ساجد نقصان ہونے کی صورت میں برابر کا حصہ دار بننا نہیں چاہتا، ماجد پھر بھی یہ شرط قبول کرنے کو تیار ہے، تو کیا مضاربت کی یہ شکل صحیح ہے؟ نیز مضاربت کی صحیح اور آسان صورت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

(حافظ عبدالسلام، مسجد صفہ، سکندرآباد)

جواب:- یہ صورت ناجائز ہے، یہ مضاربت نہیں، بلکہ سودی معاملہ ہے، جو قرآن و حدیث کی رو سے صراحۃً ممنوع ہے، مضاربت کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا فریق محنت اور کاروبار کرے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع میں وہ دونوں حسب معاہدہ شریک ہوں، نیز نفع و نقصان میں بھی دونوں کی شرکت ہو۔

"المضاربة عقد شركة في الربح بمال من الرجل و عمل من آخر" (1)

اس لئے یہ صورت سود کی ہے نہ کہ مضاربت کی جسے شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔

◉ ● ◉ ● ◉

---

(1) الهداية: ۳/۲۶۶۔

سود کے احکام

جو پہلے سود لے چکا ہو؟

سوال:- {1881} زید ایک لمبے عرصے تک بینک سے
ملنے والے سود کو اپنے گھریلو اخراجات میں دوسری جائز رقم کے
ساتھ ملا کر خرچ کرتا رہا ہے، اب اس کا مصمم ارادہ ہے کہ سود
بینک سے لے کر بلا نیت ثواب خیرات کردے گا، کیا اس
تبدیلی سے پہلے کی ہوئی غلطی کی معافی کی امید کی جاسکتی ہے؟
(م، ان ستاں، بولی چوکی)

جواب:- جو سود کی رقم پہلے لے چکا ہے، پاس بک کے ذریعہ اس کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، لہذا رقم معلوم کرے اور معلوم نہ ہوسکے تو اندازہ کرکے اتنی رقم غرباء پر خرچ کردے،(1) جب ہی اس گناہ کی پکڑ سے نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔

---

(1) دیکھئے: رد المحتار: ۹/۵۵۳، باب الحظر و الإباحة، فصل في البیع۔ محشی۔

بینک انٹرسٹ کے ذریعہ انکم ٹیکس بچانا

سوال:- {1882} اگر میرے پاس سود کا پیسہ ہو تو کیا میں اسے این ایس ایس / این ایس سی وغیرہ گورنمنٹ اسکیم میں سے انکم ٹیکس کی مد میں کٹنے والی رقم بچا سکتا ہوں؟ اس نیت اور پکے ارادے کے ساتھ کہ سود کی اصل رقم اور وہاں پر ملنے والی سود کی رقم کو بحالت مجبوری بغیر کسی ثواب کی نیت سے رفاہ عام کے کاموں میں استعمال کروں گا، اور میرا منشا صرف اور صرف Income Tax سے بچنا ہو؟ (ساجد شیخ، بمبئی)

جواب:- اگر آپ کے پاس بینک انٹرسٹ کی کچھ رقم موجود ہو، آپ اس کو کسی سرکاری اسکیم میں لگادیں تو انکم ٹیکس کے قانون کی زد سے بچ جائیں گے، اور پھر اس اسکیم سے واپس ملنے والی اصل اور زائد رقم آپ غرباء کے تعاون اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردیں تو یہ جائز ہے کہ یہ ایک قانونی حاجت ہے۔(۱)

سود سے سود کی ادائیگی

سوال:- {1883} میں بینک سے قرض لینا چاہتا ہوں، جس پر سود دینا پڑے گا، میرا بینک میں سودی اکاؤنٹ ہے، جس سے سود ملتا ہے، اور میں بغیر اجر و ثواب کی نیت کے اسے صدقہ کردیتا ہوں، اب قرض لینے کی صورت میں کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ ملنے والے سود کو قرض کے سود میں ادا کردوں اور جو بچ جائے اسے صدقہ کردوں۔ (رفاقت علی عمران، مغل پورہ)

---

(۱) دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی: ۱/۱۸۵-۱۸۴ ۔ محشی۔

جواب:- کسی قانونی مجبوری کے بغیر سودی اکاؤنٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں، اس لیے اولاً تو اس اکاؤنٹ میں رقم رکھنے پر ہی آپ کو غور کرنا چاہئے، دوسرے سود لینا مستقل گناہ ہے اور سود دینا مستقل گناہ، اگر آپ نے قرض کے سود میں اس سود کو ادا کیا تو گویا آپ نے اس سود سے استفادہ کیا، تو اب سود دینے اور سود لینے دونوں گناہ کو یہ صورت شامل ہے، اس لئے یہ صورت درست نہیں، نیز سود پر مبنی قرض بھی شدید مجبوری کے بغیر حاصل کرنا درست نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور سود دینے والے پر بھی۔(۱)

سود کی رقم مدارس اور دینی خدمت گذاروں کے لیے

سوال:- (1884) کیا سود کی رقم بلانیت ثواب دینی مدارس، حفاظ اور ائمہ و مؤذنین کو دی جاسکتی ہے؟ میرے خیال میں یہاں کے لیے ہدیہ ہے نہ کہ سود۔ (محمد عبدالحفیظ، مولیٰ علی)

جواب:- مدارس اور دینی خدمت گذاروں کو پاک اور اپنے مال کا سب سے بہتر حصہ دیا جائے، خاص طور سے سود کی رقم کا ان کے لیے انتخاب نہایت ہی ناشائستہ بات ہے، البتہ اگر ان میں سے کوئی ضرورت و مجبوری سے دوچار ہو اور اس رقم کے سوا کوئی اور رقم موجود نہ ہو تو ضرورتاً جیسے دوسرے ضرورت مندوں کی سود سے مدد کی جاسکتی ہے، ایسے لوگوں کی بھی مدد کی جاسکتی ہے۔(۲)

---

(۱) "عن جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا و مؤكله و كاتبه و شاهديه و قال: هم سواء" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۹۸) مرتب۔

(۲) کیوں کہ سود اور ہر قسم کا مال حرام لقطہ کے حکم میں ہے، اور ضیاع کے اندیشے کے وقت اس کا اٹھانا واجب ہے، اگر مالک کا علم ہو جائے تو اس کو لوٹا دے ورنہ اس کی طرف سے بلانیت ثواب صدقہ کردے۔

" و السبيل في المعاصي ردها و ذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه و بالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله " (الفتاوی الهندية: ۳۴۹/۵، الباب الخامس عشر من باب الكراهية) محشی۔

تعمیری منظوری کے لئے رشوت اور اس میں سود

سوال:- {1885} مکان کی تعمیر کی منظوری بغیر رشوت دیے نہیں ملتی، کیا میں بینک کے سود میں سے رشوت دے کر کام نکال سکتا ہوں؟ (سید رفاقت علی عمران، مظفرپورہ)

جواب:- تعمیر مکان کے لئے جو قانونی لوازم ہیں، ان کو پورا کرنے کے باوجود کوئی افسر محض رشوت کے لئے تعمیر مکان کی اجازت نہیں دیتا ہے تو ایسی صورت میں اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے۔

" دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم ... ولاستخراج حق له ليس رشوة " (۱)

البتہ اس میں سود کی رقم نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ سود کی رقم حکومت سے حاصل کی جاتی ہے، اور رشوت ایک سرکاری آفیسر شخصی طور پر حاصل کرتا ہے، حکومت حاصل نہیں کرتی، اس لئے بینک کا سود اس مد میں دینا جائز نہیں۔

غنڈوں کے شر سے بچنے کے لئے سود کی رقم

سوال:- {1886} میں نے اپنا ذاتی زرخرید مکان کسی دوسرے شخص کو فروخت کرنے کا معاہدہ کرلیا ہے، لیکن کچھ غنڈہ عناصر فروخت سے قبل کسی بہانے انہیں رقم (معمول) دینے کے لئے مجبور کر رہے ہیں، ورنہ وہ مکان کی رجسٹری کی وقت گڑبڑ اور جھگڑا کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، غنڈہ عناصر کا اس مکان سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صرف اپنا معمول

(۱) رد المحتار: ۹/۶۰۷۔

(کمیشن) چاہتے ہیں، دریافت کرنا یہ ہے کہ کیا سودی رقم سے نہیں یہ معمول ادا کر کے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے؟

(محمد عماد الدین، اکرم، چندا نگر)

جواب:- اگر غنڈہ عناصر کو یہ جبری رقم دئے بغیر چارہ نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری سودی رقم سے دینا جائز ہے، اس سلسلہ میں موجودہ عہد کے ممتاز صاحب افتاء مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب کے اس فتوے سے روشنی پڑتی ہے، جو بینک کے سود سے انکم ٹیکس ادا کرنے کے متعلق ہے:

''بینک کے سود کا اصل مصرف تو غرباء اور مساکین ہیں، رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے، خود منتفع نہ ہو، لیکن اگر حکومت کے ان ٹیکسوں کی بھرمار سے تنگ آ گیا ہو اور ان کی ادائیگی میں یہ رقم استعمال کرنے پر مجبور ہو تو گنجائش ہے، بلا مجبوری استعمال نہ کرے''(۱)

روپیہ کے باہمی تبادلہ

سوال:- (1887) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک کمپنی کاروبار کی غرض سے ایک اسکیم ایجاد کرتی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ ابتداء میں ممبر شپ فیس کے طور پر اس کو -/15000 روپے کمپنی کے نام ادا کرنے پڑتے ہیں، پھر اس شخص کی ذمہ داری ہے کہ اپنی محنت سے اسی کمپنی کے لئے تین ممبر الگ سے جوڑے، اور ہر ممبر کی فیس /15000 رہے گی۔

ابتداء جو شخص /15000 روپے دے کر بنا تھا اس کے

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۳۶/۶۔

تحت تین ممبر بنانے پر فوراً فی کس 4200/ کے حساب سے
12600/ روپے مل جاتے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا، یعنی
ہر شخص خود ممبر بنے پھر اپنے تحت تین ممبروں کو مزید کمپنی میں ممبر
بننے کے لئے آمادہ کرے، اس شخص کے تین ممبروں نے محنت
کی اور مزید اپنے اپنے اعتبار سے تو (۹) ممبروں کو تیار کر لیا تو
فی کس -/350 کے اعتبار سے نو ممبروں کے -/3150 روپے
پہلے والے شخص کے کاؤنٹ میں جمع ہو جائے گی۔

پھر ان نو ممبروں نے محنت کی اور فی کس تین کے اعتبار
سے کل 72 ممبروں کو تیار کر لیا تو فی کس -/8650 کے اعتبار
سے -/233550 پہلے والے شخص کے اکاؤنٹ میں جمع ہو
جائیں گے، اس طرح پہلے والے شخص کو جمع شدہ (-/3150
اور -/233550) کل ملا کر -/236700 روپے نقد یا ماروتی
کار کی شکل میں حاصل ہو جائیں گے۔

اس تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے آنجناب سے درخواست
ہے کہ کیا اس کمپنی کے ممبر بننے کی اجازت ہے، یا نہیں، نیز
صرف -/15000 کے جمع کرنے پر آخر میں -/236700
کمپنی سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر جواب مرحمت
فرمائیں۔ (م م ع س، حیدرآباد)

جواب:- اسکیم کی جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں
ایک تو پندرہ ہزار روپے پر -/236700 (دو لاکھ چھتیس ہزار سات سو) روپے حاصل کئے جاتے
ہیں، پندرہ ہزار روپے دیتے وقت اس کو کوئی چیز نہیں ملتی، اس طرح یہ روپیہ کا روپیہ سے تبادلہ ہے
اور روپیہ کے باہمی تبادلہ میں ضروری ہے کہ ایک طرف کم اور دوسری طرف سے زیادہ نہ ہو، ورنہ

یہ سود ہو جائے گا۔(۱) لہذا اول تو یہ صورت سود میں داخل ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت شدت کے ساتھ سود سے منع فرمایا ہے،(۲) دوسرے ان کے بنائے ہوئے ممبروں نے جن دوسرے لوگوں کو ممبر بنایا ہے، اس میں اس شخص کی محنت کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ان ممبروں سے اس کے کمیشن لینے کی بھی کوئی وجہ نہیں، اس پہلو سے بھی یہ صورت درست نہیں، لہذا شرعاً یہ صورت ناجائز ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

بے روزگار شخص کے لئے سودی قرض لینا

سوال:- (1888) میں ضرورت مند ہوں نہ میرے پاس کوئی مالی ذریعہ ہے اور نہ ہی کسی سے قرض کی امید ہے، مجھے ایک جگہ سے فینانس پر رقم مل سکتی ہے، کیا میں اسے لے کر تجارت کر سکتا ہوں؟ جب کہ میں کوئی سخت کام کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا اور ملازمت میں سخت کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ (خان فیروز خان، بھولانگ)

جواب:- اگر آپ کے پاس کوئی روزگار نہیں اور نہ کسی ایسے ہنر سے آپ واقف ہیں جس سے ملازمت ملنے کا امکان ہو، تو کراہت خاطر کے ساتھ سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، فقہاء نے بہت ضرورت مند شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے: " و یجوز الاستقراض بالربح للمحتاج "(۳) چوں کہ ضرورت ہر شخص کے حالات اور صلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں خود اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے کہ کیا اس کے لئے بظاہر اس کے بغیر روزگار کی کوئی اور صورت نہیں، نیز جو علماء علاقہ میں واقع ہوں، ان کے سامنے اپنے حالات رکھ کر مشورہ کرنا چاہئے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے۔

---

(۱) الهداية: ۶۳/۳۔

(۲) ﴿أحل الله البيع و حرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵) محشی۔

(۳) الأشباه و النظائر لابن نجيم مع حاشيه حموی، ص: ۱۳۹۔ مرتب۔

سودی رقم کو وقت پر جمع نہ کرنے کی وجہ سے عائد سود میں دینا

سوال:- {1889} (الف) تجارت اور کاروبار میں اکثر بینک سے سودی قرض لینا پڑتا ہے، اور بعض اوقات کچھ مال ادھار خریدنا پڑتا ہے، کچھ مدت کے وعدہ پر کہ فلاں تاریخ تک قرض کی رقم ادا کردی جائے گی، لیکن کبھی بعض کاروباری مشکلات کی وجہ سے وہ وعدہ پورا نہیں ہوتا ہے، اور مال سپلائی کرنے والا اس وعدہ خلافی پر سود عائد کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا بینک میں جمع شدہ فکس ڈپازٹ کا جو سود ملتا ہے اس سودی رقم کو وعدہ کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں عائد شدہ سود کے بدلے میں مال کی سپلائی کرنے والے کو دے سکتے ہیں؟

(ب) اس فکس ڈپازٹ سے حاصل شدہ سود کو اس رقم کے سود کے معاوضہ میں بینک کو دے سکتے ہیں، جو کاروبار کے فروغ دینے کے لئے بینک سے لی گئی ہے؟

(مسعود عبدالقادر، سکندرآباد)

جواب:- (الف) حرام مال کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہو، تو اس کو واپس کردیا جائے؛(1) لہذا بینک میں سود کے لیے فکسڈ پازٹ کرانا تو جائز نہیں، لیکن اگر کسی مجبوری

---

(1) " الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم و إلا فإن علم عين الحرام لا يحل له و يتصدق به بنية صاحبه " (رد المحتار :۷/۲۲۳، کتاب البیوع ، مطلب فیمن ورث مالا حراما ، نیز دیکھئے بذل المجهود :۱/۳۷)، بلکہ بعض فقہاء نے تو نیت ثواب مال حرام کو صدقہ کرنے والے کو کافر کہا ہے: " قال بعض علمائنا : من تصدق بمال حرام يرجو الثواب كفر " (بذل المجهود :۱/۳۷) محشی۔

کے تحت فلسڈ کرانا پڑا اور اس پر سود ل گیا، دوسری طرف کسی نیشنلائز بینک سے سودی قرض لینا پڑا، اور مجبوری کے تحت حسب وعدہ قرض ادا نہیں کر پایا، اس لیے سود دینا پڑا، تو سود سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ اس سود کو ادا کیا جا سکتا ہے، یہ مال حرام کے مالک تک اس کی رقم پہونچانے کی صورت ہوگی، اگر کسی پرائیویٹ بینک سے یا کسی اور تجارتی ادارہ سے قرض لیا تھا تو اس کا سود اس سے ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

(ب) مخصوص کاروبار کے فروغ کے لئے سودی قرضہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر یہ معاشی ضروریات یا اپنے آپ کو ظالمانہ ٹیکس سے بچانے کے لئے ایسے قرضے لینے کی اجازت ہوگی۔(1)

بینک سے لون لینا

سوال:- (1880) شریف کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ اس رقم سے چھوٹے موٹے کاروبار کر سکتا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ بینک سے لون لے کر اونچے پیمانے پر کاروبار کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلم مزدوروں کو کام مل سکے، کیا شرعی نقطۂ نظر سے اس صورت میں بینک سے لون لینا جائز ہے؟

(اقبال احمد، مقیم حال: جدہ، سعودیہ عربیہ)

جواب:- مسلمانوں کے روزگار کی فراہمی ایک کارِ خیر ہے، لیکن اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا جائے وہ بھی شرعاً جائز اور درست ہو، عام حالات میں سودی قرض لینا جائز نہیں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے سود لینے والے پر لعنت

---

(1) "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الأشباه و النظائر، قاعدة الضرر يزال في آخر الباب ص:۹۲)

فرمائی ہے(۱) اس کی اجازت فقہاء نے صرف اسی وقت دی ہے جب کہ ضروریات و روزگار کی فراہمی کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو،(۲) مذکورہ صورت میں چونکہ سودی قرضہ کا منشا محض کاروبار میں اضافہ ہے، لہذا اس کے لئے سودی قرض لینا درست نہ ہوگا۔

انکم ٹیکس کے خوف سے سودی قرض

سوال:- {1891} ایک شخص تیس ہزار روپیوں سے تجارت کرنا چاہتا ہے، اس کے پاس یہ رقم موجود ہے، لیکن اگر وہ اپنی رقم سے کاروبار کرے تو وہ انکم ٹیکس کی زد میں آجائے گا اور ایک قابل لحاظ رقم اسی میں چلی جائے گی، کیا اس سے بچنے کے لئے بینک سے سودی قرض لینا جائز ہوگا؟

(عبید اختر، حیدرآباد)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ عام حالات میں سودی قرض لینا جائز نہیں اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، لیکن فقہاء نے ضرورت اور مجبوری کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، " ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "(۳)

---

(۱) "عن جابر ؓ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر:۳۳۳۳، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۲۰۶، سنن ابن ماجۃ، حدیث نمبر ۲۲۷۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر:۳۰۹۳)

"قال رسول اللہ ﷺ الربا سبعون جزءا أیسرھا ان ینکح الرجل أمہ"

"حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں جن میں ادنی درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے" (الجامع الصغیر :۲/۳۲)

(۲) الأشباہ النظائر، ص:۱۲۰، محشی۔

(۳) الاشباہ والنظائر لابن نجیم:۱۱۵۔

مذکورہ صورت میں بھی چونکہ سودی قرض لینا ایک قانونی مجبوری اور ضرورت کا وجہ اختیار کرلیا ہے، اس لئے اس قدر قرض لینا جائز ہوگا جس کے ذریعہ تاجر اپنے آپ کو قانونی گرفت سے بچا سکے، بالخصوص اس لئے بھی کہ تو سیاسے ہوئے بینک سرکاری ادارے ہیں اور سرکاری قرضہ جات کے معاملہ میں علماء نے زیادہ نرمی برتی ہے۔(۱)

ایک سود آمیز اسکیم

سوال:- (1892) ایک اسکیم ہے جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ آدمی کو تین ماہ میں ایک مرتبہ روپیہ جمع کروانا پڑتا ہے، اس طرح دس سال میں اس کو تین ہزار آٹھ سو پچاس روپے جمع کروانے پڑتے ہیں اور اس کو پانچ ہزار پانچ سو روپے ملتے ہیں تو کیا اس اسکیم میں حصہ لینا اس کی زائد رقم اور اس کی مختلف لوگوں سے رقم جمع کرنے پر پرسنٹیج ملتا ہے، وہ لینا جائز ہے؟　　(علاء الدین، تنالی، بنگلور)

جواب:- اس اسکیم میں دراصل دس سال کی مہلت کی قیمت اور نفع کے طور پر تین ہزار آٹھ سو پچاس روپے کو پانچ ہزار پانچ سو روپے کردیا جاتا ہے، سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منافع نفع ونقصان کے متعین تناسب پر نہیں ملتا اور نہ اس کی حیثیت کسی کاروبار میں شریک کی بنتی ہے، لہذا یہ ربا اور سود ہے، نہ اس اسکیم میں حصہ لینا جائز ہے، نہ اس سے حاصل ہونے والے نفع کا اپنی ذات میں استعمال کرنا جائز ہے اور نہ اس کام کے لئے وصولی اور پرسنٹیج جائز ہے، اس لئے کہ یہ کار معصیت میں اعانت ہے۔(۲)

---

(۱) نظام الفتاوی: ص: ۲۴۳۔

(۲) ﴿لا تعاونوا على الإثم و العدوان﴾(المائدة: ۲) محشی۔

بینک کے حاصل سود سے انکم ٹیکس کی ادائیگی

سوال:- (1893) انکم ٹیکس جو حکومت کو ادا کیا جاتا ہے اگر بینک سے حاصل سود کی رقم اس میں ادا کر دی جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا یہ درست ہوگا؟

(محمد عبدالرؤف، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- انکم ٹیکس ایک ناواجبی ٹیکس ہے، اور ناواجب حد تک وصول کیا جاتا ہے، اس لیے اگر بینک میں کسی مجبوری کے تحت ایسی اسکیم میں رقم رکھنی پڑی جس میں سود حاصل ہوتا ہے، اور سود مل گیا تو اس سود سے انکم ٹیکس ادا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بینک یا وہ ادارہ سرکاری ہی ہو، کیوں کہ مال حرام کا حکم یہی ہے کہ اسے اصل مالک کو پہونچایا جائے، (۱) اور سرکار سے مال حرام حاصل ہوا اور اسی کو پہونچا دیا گیا، تاہم خاص اس مقصد کے لیے کہ سود حاصل ہوگا اور اس سے انکم ٹیکس ادا کریں گے، بینک میں رقم رکھنی درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

واضح ہو کہ یہ اجازت بدرجۂ ضرورت و مجبوری اور موجودہ بڑھتے ہوئے غیر معقول ٹیکس کو سامنے رکھ کر ہے ورنہ یہ رقم دراصل سود کی ہے جو حرام ہے، لہٰذا انکم ٹیکس جیسے بلدیہ وغیرہ یا اس طرح کے دوسرے معاملہ کے لئے بینک کے سود کو استعمال کرنے کا حیلہ اختیار کرنا درست نہیں ہوگا۔

بینک انٹرسٹ سے مکان کا ٹیکس

سوال:- (1894) آپ نے بینک کے منافع کو حرام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اجر کی نیت کے بغیر اسے محتاج پر خرچ

---

(۱) "لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه" (رد المحتار: ۹/۵۵۳)، "فيتصدق بلا نية ثواب" قواعد الفقه، القواعد الفقهية ص:۱۱۵) مرتب۔

کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں دریافت کرنا ہے کہ کیا منافع کی رقم مکان کے ٹیکس میں دی جاسکتی ہے؟ (احمدی بیگم، حیدرآباد)

جواب:- مکان کا ٹیکس ان بلدی سہولتوں کے عوض وصول کیا جاتا ہے، جو حکومت عوام کو فراہم کرتی ہے، یہ ایک جائز اور منصفانہ ٹیکس ہے، جس کا نفع ٹیکس دہندہ کی طرف لوٹتا ہے، لہٰذا اگر اس میں سودی رقم ادا کی جائے، تو یہ سود سے استفادہ کرنے کے مترادف ہوگا، مکان کے ٹیکس میں سودی رقم دینا جائز نہیں۔(۱)

سودی رقم سے مقروض کی مدد

سوال:- (1895) احقر نے کچھ رقم بینک میں بطور حفاظت جمع کر رکھی ہے، اس پر کچھ سودی رقم بھی مل جاتی ہے، میرے ایک دوست کثیر العیال اور مقروض ہیں، کیا ہم ان کو یہ رقم بلانیت ثواب دے سکتے ہیں؟ (محمد فہیم اختر فرقانی، بوچم پاڈ)

جواب:- اگر وہ اتنے غریب ہوں کہ انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہو، تو آپ انہیں یہ سودی رقم بھی دے سکتے ہیں۔(۲)

بحالت مجبوری سودی قرض

سوال:- (1896) سود کا کاروبار کرنا تو قطعی حرام ہے، لیکن بحالت مجبوری کئی لوگ اپنی ضروریات کے لئے سود پر رقم لیتے ہیں، کیا سود پر قرض لینا بھی حرام ہے؟

(محمد باسط احمد، یاقوت پورہ)

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۳۴۱۔ محشی۔

(۲) بذل المجهود: ۱/۳۷، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۷/۲۲۳۔ محشی۔

جواب:- سود لینا تو بہر حال حرام ہے اور کسی صورت اس کی اجازت نہیں، لیکن شدید مجبوری کے وقت فقہاء نے سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے (۱) اور یہ ہر شخص کے نجی حالات پر منحصر ہے، اسی لئے آپ کسی دار الافتاء سے ربط کریں اور اپنے حالات بتا کر رائے لیں اور استقامت کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

ہندوستان میں سود کا مسئلہ

سوال:- {1897} ہمارے ایک ساتھی بینک میں پیسہ رکھ کر بینک سے انٹرسٹ حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے، یہاں سود لینا جائز ہے؟

(محمد احمد الدین، ظہیر آباد، ظلک نما)

جواب:- آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان ہم سبھوں کا ملک ہے، یہ دار الحرب نہیں بلکہ دار الامن ہے، فقہاء کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب ایسا ملک ہے جس میں جمعہ وعیدین جیسے احکام بھی جاری نہ ہو سکیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں خدانخواستہ ایسے حالات نہیں ہیں، اور نہ اس ملک کے محب وطن شہری کی حیثیت سے ہم اسے گوارہ کر سکتے ہیں، اس لئے یہ دار الحرب نہیں، یہاں سود حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب۔ (۲)

مختلف مالی واجبات میں سودی رقم کا استعمال

سوال:- {1898} کیا بینک یا کسی فنانس کمپنی میں جمع شدہ ڈپازٹ پر حاصل ہونے والی سودی رقم کا استعمال ان

---

(۱) "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الأشباہ و النظائر، ص:۱۱۵) محشی۔
(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص:۷۰ محشی۔

صورتوں میں ہو سکتا ہے:

(الف) بحالت مجبوری کسی کو رشوت دی جائے ورنہ کام کے ہونے میں مشکل ہو؟

(ب) پٹرول، گھر کے ٹیکس، برقی بل، ٹیلیفون بل، یا ایسے مدات جو ہماری غذاء میں استعمال نہ ہوتی ہوں، میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

(ج) کیا حاصل شدہ سود کی رقم کسی ضرورت مند یا غریب کو بطور قرض حسنہ دے کر واپس شدہ رقم اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں؟ (ایم، اے، دانش، محبوب نگر)

جواب:- سود کو حرام قرار دینے کا مقصد یہ نہیں کہ صرف اس کا کھانا حرام ہے اور دوسرے طریقوں پر اس کا استعمال جائز ہے، بلکہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے اس کا استعمال حرام ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(۱) "اللہ تعالی نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام" اس میں مطلقاً سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، یہ نہیں فرمایا گیا کہ صرف سود کا کھانا حرام ہے، ہاں چونکہ زیادہ تر سود کو انسان اپنی غذائی ضرورت ہی کے لئے استعمال کرتا ہے اور غذاء ہی انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس لئے بعض حدیثوں میں خاص کر سود کے کھانے کی مذمت آئی ہے،(۲) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود کی حرمت کھانے ہی کے ساتھ مخصوص ہو، اس اصولی گفتگو کی روشنی میں آپ کے سوالات کے جوابات اس طرح ہیں:

(الف) رشوت دینا خود حرام ہے، اور رشوت کے ساتھ اس میں سود کی رقم دینا دوہرا

---

(۱) البقرة:۲۷۵۔ مرتب۔

(۲) صحيح البخاري حديث نمبر:۲۰۸۵۔ محشی۔

گناہ ہے، رشوت دینے کا گناہ اور سود کا گناہ، اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہاں! اگر آپ کسی ناحق ظلم سے بچنے کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو جائیں اور یہ رشوت اسی حکومت یا ادارہ کو دینی پڑے جس نے آپ کو سود دیا تھا تو یہ بات قابل غور ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں کسی مقامی دارالافتاء کے مفتی کے سامنے اپنے تمام احوال رکھ کر ان سے فتویٰ حاصل کریں، اور اس پر عمل کریں، اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مفتی آپ کے سوال کے مطابق جواب دیتا ہے، اگر آپ اپنے احوال صحیح طور پر پیش نہیں کریں گے تو آپ خود عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

(ب) پٹرول اور برقی بل وغیرہ سودی رقم سے دینا قطعاً جائز نہیں۔

(ج) سودی رقم قرض دے کر واپس ہونے والے قرض کو اپنے مصرف میں لانا جائز نہیں، اگر سودی رقم کسی مسلمان کے پاس آجائے تو اسے چاہئے کہ بلا نیت صدقہ و ثواب غرباء پر خرچ کردے۔(۱)

نادار رشتہ داروں کو سودی رقم

سوال:- {1899} میں نے چند مجبوریوں کے تحت بینک میں کچھ رقم فکس ڈپازٹ کے تحت جمع کرائی تھی، اب میں اپنے مستحق رشتہ داروں اور غرباء میں سودی رقم خرچ کرنا چاہتا ہوں، حال ہی میں حیدرآباد زکوۃ اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ نے اطلاع دی ہے کہ بینک میں جمع شدہ سودی رقم ان کے پاس جمع کرائی جا سکتی ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (احمد خان، چنچل گوڑہ)

جواب:- غرباء و نادار حضرات اس رقم کے مستحق ہیں، اگر آپ کے رشتہ داروں میں

---

(۱) ''لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه'' (رد المحتار: ۵۵۳/۹) ''فيتصدق بلا نية ثواب'' قواعد الفقه، القواعد الفقهية: ص: ۱۱۵) مرتب۔

ایسے مستحق لوگ ہوں، تو ان پر خرچ کرنا بہتر ہے کہ اس طرح سود سے بچنے کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور صلہ رحمی بھی ہوگی۔(۱)

ایک شبہ کا جواب

سوال: - {1900} جنوری ۱۹۹۲ء کے ''الفاروق'' میں جناب ساجد شیخ کا یہ سوال

''اگر میرے پاس سود کا پیسہ ہو تو کیا میں اسے این، ایس ایس/این ایس سی وغیرہ گورنمنٹ اسکیم میں Inwest کر کے اپنی حلال کمائی میں سے انکم ٹیکس کی مد میں کٹنے والی رقم کو بچا سکتا ہوں، اس نیت اور پکے ارادے کے ساتھ کہ سود کی اصل رقم اور اس پر ملنے والی سود کی رقم کو بحالت مجبوری (کذا) بغیر کسی ثواب کی نیت سے رفاہ عام کے کاموں میں استعمال کروں گا، اور میرا منشا صرف اور صرف انکم ٹیکس سے بچنا ہوگا؟

اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا یہ جواب:

''اگر آپ کے پاس بینک انٹرسٹ کی کچھ رقم موجود ہو، تو آپ اس کو کسی سرکاری اسکیم میں لگا دیں، تو ایک ٹیکس کے قانون کی زد سے بچ جائیں گے اور اس اسکیم سے واپس ملنے والی اصل اور اضافی رقم آپ غرباء کے تعاون اور رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردیں تو یہ جائز ہے کہ یہ ایک قانونی حاجت ہے''

یہ پڑھ کر الجھن ہوئی۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۳۱۸۔ محشی۔

شیخ جی کے پاس سودی رقم ہے، وہ ان کے لیے حرام ہے

اس سے وہ این ایس ایس خریدیں یا ای سی خریدیں اپنے ذاتی مصرف میں ہی لائیں گے، جو وہ نہیں کر سکتے۔ سود کی رقم جو ان کے لیے حرام ہے —— کہ سرکاری اسکیم میں لگا کر وہ مشاہرہ (آمدنی) سے کٹنے والی رقم بچائیں گے، اس طرح جو رقم بچے گی، وہ سودی رقم جمع کرنے کا بدل ہوگی، یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ جمع شدہ رقم کا پانچواں حصہ ہی بچایا جا سکتا ہے، یوں اگر پانچ ہزار روپے بچیں گے، ایک ہزار بچانے کے لیے پانچ ہزار کا وبال سر پر اٹھائے پھر دانش مندی بھی نہیں، سوال اس نیت کا ہے کہ اسکیم میں لگائی گئی سودی رقم اور اس پر ملنے والا سود واپس ملنے پر رفاہ عامہ میں لگا دیا جائے گا، عرض ہے کہ جن اسکیموں کا ذکر شیخ صاحب نے کیا ہے ان سے رقم چھ سال یا کم از کم تین سال بعد واپس مل سکے گی، اگر اسکیم میں یہ رقم لگا دینا دینی نقطۂ نظر سے صحیح بھی ہوتا تو بھی سوال یہ ہے کہ چھ برس یا تین برس زندہ رہنے کی گارنٹی شیخ صاحب کو کس نے دی ہے، لہذا اس فقیر کے نزدیک سودی رقم کو مذکورہ صورت حال میں سرکاری اسکیم میں لگانا درست نہیں، اسے جائز کہنا صحیح فتوی نہیں، اور تقوی تو خیر ہے ہی نہیں۔ (ناوک حمزہ پوری)

جواب:- میں نے اس مسئلہ میں جو سوال سمجھا وہ یہ ہے کہ حکومت کی بعض اسکیموں میں رقم مشغول کیے جانے سے انکم ٹیکس سے تحفظ فراہم ہو جاتا ہے، انکم ٹیکس کے بارے میں علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک ناواجبی ٹیکس کی ہے، اس لیے اس سے بچاؤ کی سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس ٹیکس میں بینک انٹرسٹ میں ملی ہوئی رقوم ادا کرنے کو علماء نے جائز

قرار دیا ہے، میرے خیال میں اسی درجہ میں یہ بات بھی ہے کہ بینک انٹرسٹ کی رقم کو کسی ایسی اسکیم میں مشغول کر دیا جائے جس سے اس کی حلال کمائی انکم ٹیکس کی زد سے بچ جائے، ان کی حیثیت دراصل ایک "حاجت" کی ہے، حاجت سے مراد فقہاء کے نزدیک وہ چیز ہے کہ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت پیدا ہو جائے، علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

"و أما الحاجيات معناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسع و دفع الضيق المودي في الغالب إلى الحرج و المشقة اللاحقة بقوة المطلوب" (۱)

"حاجیات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی حاجت کشائش کے لیے اور اس تنگی کو دور کرنے کے لیے ہوتی ہے، جو اکثر اوقات حرج کا باعث بنتے ہیں، نیز اس مشقت کے ازالہ کے لیے جو مطلوب کے مشکل الحصول ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے"

حاجت کا تعلق محض جسمانی نقصان و ضرری سے نہیں ہے، بعض چیزیں قانونی یا کسی اور طریقے کی حاجت بھی بن سکتی ہیں، اور فقہاء کے یہاں اسکی نظیریں موجود ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو باتیں کسی خارجی وجہ سے ممنوع ہوں، یعنی فقہاء کی اصطلاح میں حرام لغیرہ ہوں، حاجت کی بناء پر ان کی اجازت دی جاتی ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ کون سی بات حاجت ہے اور کون سی بات حاجت نہیں؟ اس کی تعیین میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، مثلاً اسی کو دیکھئے کہ ضروری تعلیم و تعلم کے لیے امام نووی جیسے بلند پایہ محدث نے غیر محرم کو دیکھنے کی اجازت دی ہے اور اس کو حاجت قرار دیا ہے، (۲) لیکن ایک اور معروف محقق علامہ سیوطیؒ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور حاجت نہیں مانا ہے۔ (۳)

---

(۱) الموافقات: ۳/۵۔

(۲) حاشیۃ النووی علی صحیح مسلم: ۲/۲۱۲، محشی۔

(۳) الأشباہ والنظائر للسیوطی، ص: ۱۸۱۔

سوال میں جو صورت مذکور ہے وہ میرے خیال میں حوجت کا درجہ رکھتی ہے، لیکن دوسرے اہل علم کے لیے اس سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، اور یہ بات مناسب ہوگی کہ دوسرے علماء بالخصوص اصحاب افتاء سے بھی استفسار کرلیا جائے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس رقم پر اسکیم کے ذریعہ جو نفع حاصل ہو، وہ مع اصل رقم کے غرباء اور رفاہی کاموں میں خرچ کردینا ہوگا، ذاتی استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ چھ برس یا تین برس زندہ رہنے کی گارنٹی نہیں، تو یہ صحیح ہے، لیکن اس کا یہ حل موجود ہے کہ ورثہ کو اس رقم کی نوعیت سے مطلع کردے تاکہ خدانخواستہ اس کی موت واقع ہوجائے تو یہ رقم اسی مصرف میں خرچ کردی جائے، جس میں خرچ کی جانی چاہئے — یوں احتیاط اور تورع اس سے بہرصورت بچنے میں ہے۔

فکس ڈپازٹ

سوال:- {1901} زید کو نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد ایک خطیر رقم ملی، جس میں اس نے اتنی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کرادی کہ جس کا ہر مہینہ پانچ ہزار روپیہ سود کا ملا کرے گا۔ لڑکی کے نام سے اس کی شادی کے لیے ایک بڑی رقم اس نیت سے جمع کرادی کہ سات سال کے بعد وہ ڈبل ہوجائے، دوسری طرف وہ حج کے لئے بھی روانہ ہوگیا، اور اب واپسی کے بعد وہ اس سود کی رقم پر گزارا کرے گا، تو کیا حج سے آنے کے بعد اس طرح خالص سود کی رقم پر گزارا کرنا درست ہے؟ (غفار قادر، جانور)

جواب:- شریعت نے سودی معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے، خواہ بینک سے حاصل کی گئی

انٹرسٹ کی رقم ہو یا کسی اور ذریعہ سے، سود کی حرمت کی صراحت خود قرآن مجید میں ہے: ﴿وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(۱) ایک اور آیت میں بھی اس کا ذکر ہے۔(۲)

حدیث میں بھی بکثرت اس کی شناعت بیان کی گئی ہے:

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال: "لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و موکله و کاتبه و شاهديه و قال: هم سواء" (۳)

"آپ ﷺ نے فرمایا کہ سود کے کھانے والے، کھلانے والے اس معاملہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت ہو اور گناہ میں یہ سب برابر کے شریک ہیں"

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے وہ ناجائز اور حرام ہے، اور ان کو بہر صورت اس سے بچنا چاہئے، خصوصاً حج کی ادائیگی کے بعد ایسے گناہ کا ارتکاب مزید افسوسناک ہے۔

کمیشن کے نام سے سود

سوال:- (1802) پچاس فیصد مسلمان تجار چٹھیوں اور فنانس کمپنیوں کے ذریعہ سرمایہ حاصل کرکے کاروبار چلاتے ہیں، چٹھیوں میں سود کے نام سے کوئی رقم نہیں جاتی، بلکہ اسے کمیشن کہا جاتا ہے، اسی طرح فینانس میں بھی کہیں انٹرسٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا ہے، چھوٹے بیوپاریوں کے لئے چٹھیاں اور فینانس آسان ہے اور اس میں سود کا نام بھی

(۱) البقرة: ۲۷۵۔ مرتب۔

(۲) آل عمران: ۱۳۰۔

(۳) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۵۹۸۔

استعمال نہیں ہوتا تو کیا اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا؟

(محمد عبدالکریم انصاری، بالانگر)

جواب:- کسی چیز کے سود ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے سود کا نام دیا جائے، اگر سود کی حقیقت پائی جائے اور اسے نام کچھ اور دے دیا جائے تو یہ بھی سود ہی میں داخل ہے، فینانس کمپنیاں قرض فراہم کرتی ہیں اور اضافہ کے ساتھ اسے وصول کرتی ہیں، یہ واضح طور پر سود کی صورت ہے، جو چٹھیاں نقصان کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں، اس میں بعض تو زیادہ رقم ادا کرتے ہیں، اور بعض کم وصول کرتے ہیں، اس طرح سود دینے کی صورت پائی گئی، اور بعض لوگ کم رقم ادا کرتے ہیں اور کمیشن کے نام پر بحیثیت سود کا لینا پایا گیا، لہذا خواہ اسے نام کچھ بھی دیا جائے یہ صورتیں سود کی لین دین کی ہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔(۱) واللہ اعلم

جہیز اور جوڑے کے لئے ایف، ڈی

سوال:- {1903} دور حاضر میں جہیز اور جوڑے کی رقم کی وباء پھیلی ہوئی ہے اس کے پیش نظر بہت سے لوگ بینک میں لڑکی کے نام سے روپیہ جمع کروا رہے ہیں، چند سالوں کے بعد یہ پیسہ کئی گونہ بڑھ جاتا ہے، بعض لوگ تو لڑکی پیدا ہوتے ہی لڑکی کے نام پر ایف، ڈی کروا رہے ہیں کہ اسی پیسے سے جہیز اور جوڑے کی رقم دیں گے، کیا ایسا طریقہ اختیار کرنا درست ہے؟ (احسان الغفار، سکندلانسر، حیدرآباد)

جواب:- ایک تو جہیز کا مطالبہ اور شادی کے موقعہ سے لین دین کی رسم خود گناہ ہے، اس کو ہمت و حوصلہ کے ساتھ ختم کرنے کی ضرورت ہے، اگر تمام لڑکی والے یہ طے کرلیں کہ وہ شادی

(۱) ﴿ أحل الله البيع و حرم الربوا ﴾ (البقرة: ٢٧٥) محشی۔

میں ایسے مطالبات کو قبول نہیں کریں گے، تو لڑکے اور لڑکے والے خود جھکنے پر مجبور ہوں گے، اور یہ غیر اسلامی اور غیر انسانی رسم ختم ہو سکے گی، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی رسم کو بڑھاوا دینے میں لڑکی والے بھی قصوروار ہیں، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسا سماجی ماحول بنایا جائے کہ لوگ لین دین کی شرط لگانے والوں کو لڑکی دینے ہی سے انکار کردیں، فکسڈ ڈپازٹ کرنا سود حاصل کرنا ہے، لہٰذا یہ لڑکے کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ایک گناہ کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے، اس لئے اس مقصد کے پیش نظر بھی فکسڈ پازٹ جائز نہیں۔(۱)

حکومت کچھ سود دے کچھ سود لے

سوال:- {1904} سرکاری ملازم اگر کوئی سوسائٹی قائم کرنا چاہیں تو سرکار ہر رکن سے سوسائٹی کے قیام کے وقت کچھ اڈوانس رقم وصول کرتی ہے، رکنیت کے ختم کرنے پر وہ رقم واپس کردیتی ہے، لیکن اس کا سود ملتا ہے، ضرورت پر ان اراکین کو حکومت قرض فراہم کرتی ہے اور اس قرض پر فیصد کچھ سود بھی لیتی ہے، دریافت کرنا یہ ہے کہ ہماری رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو حکومت قرض پر جو سود لیتی ہے اس کی جگہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل و مدلل بیان فرمائیں۔ (ابو قمر، حیدرآباد)

جواب:- حکومت جو سود دیتی ہے، اس میں سے اتنی رقم حلال ہے، جو حکومت نے سود کے طور پر وصول کیا ہے، یعنی سود کے طور پر وصول کی ہوئی رقم منہا کرنے کے بعد حکومت کی جانب سے ملنے والی جو زائد رقم بچ جائے وہی سود ہے، مثلاً حکومت نے پانچ سو روپے سود کے نام سے دیئے اور تین سو روپے بطور سود کے وصول کیے تو گو حکومت پورے پانچ سو کو سود کا نام دیتی ہے، لیکن شرعی اعتبار سے اس میں سے دو سو روپے ہی سود کے ہیں، باقی رقم کا شمار سود میں نہیں ہوگا۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۲۸_محشی

سود کی رقم سے ٹی۔وی

سوال:- {1905} بینک کی جمع شدہ رقم پر جو انٹرسٹ آتا ہے، کیا اس سے ٹی۔وی خرید کر مستفید ہوسکتے ہیں؟

(راشد علی، مشتاق نگر)

جواب:- یہ گناہ بالائے گناہ ہے، ایک تو آپ نے سود کی رقم سے اپنی خواہش کی ایک چیز خریدی اور سود کا اپنے حق میں استعمال کیا، اس کا گناہ ہونا ظاہر ہے، سود کا صرف کھانا ہی حرام نہیں ہے بلکہ سود سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا گناہ اور حرام ہے، پھر ہندوستان کے ماحول میں ٹی۔وی خریدنا دوسرا گناہ ہے، کیونکہ ٹی وی بے حیائیوں کی جڑ ہے، اگر شراب ''ام الخبائث'' ہے تو موجودہ صورت حال کے اعتبار سے ٹی وی ''ام الفواحش'' ہے، یہ نہ صرف خود گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، بلکہ گھر اور خاندان کے تمام لوگوں کو گناہ کے راستے پر لے چلتا ہے، اس لیے یہ عمل علاوہ سود کے اور بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے۔

بینک میں کھاتہ کھلوانا

سوال:- {1906} سود کے کاروبار میں حصہ لینا گناہ ہے، تو کیا بینک میں کھاتہ کھولنا بھی گناہ ہے؟

(حسن کمال، ملک پیٹ)

جواب:- بینک میں فکس ڈپازٹ کھاتہ کھولنا جائز نہیں، رقم کی حفاظت کی نیت سے سیونگ اکاؤنٹ کھولا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں حفاظت مقصود ہے نہ کہ سود لینا۔ (۱)

(۱) ''الأمور بمقاصدها'' (الأشباه والنظائر، ص:۵۳، الفن الأول)

سود کی رقم سے یتیم اور بیمار کی مدد

سوال:- (1907) کیا سود کی رقم کسی یتیم لڑکی کی شادی میں دے کر، یا کسی بیمار شخص کی مدد کر کے ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے؟ (احسن کمال، ملک پیٹ)

جواب:- سود کی رقم ثواب کی نیت سے دینا گناہ ہے، کیونکہ مال حرام سے صدقہ، صدقہ کی توہین ہے، البتہ بلا نیت صدقہ یتیم لڑکی کی شادی یا بیمار شخص کے علاج کے لئے سود کی رقم دی جاسکتی ہے،(۱) بشرطیکہ وہ اس کے محتاج ہوں، اور شادی اور علاج کے لئے ان کے پاس جائز رقم موجود نہ ہو۔

سونا کو معیار بنا کر بینک کی زیادہ رقم کا استعمال

سوال:- (1908) کرنسی (کاغذی نوٹ) کو اب تک بذات خود جنس مان کر لین دین میں مساوات برقرار رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اب جب کہ آپ نے کرنسی کو سونے کی مقدار میں بدل کر سونے کی لین دین کرنے کی صلاح دی ہے، تو یہ وضاحت فرمائیں کہ کیا اس معیار کو بینک اور دیگر مالیاتی اداروں میں ڈپازٹ کی ہوئی رقم کے کاروبار میں بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے؟ بینک اور دیگر مالیاتی اداروں میں

(۱) " إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد و لا يمكنه أن يرده إلى مالكه و يريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء الخ " (بذل المجهود: ۱/۳۷، كتاب الطهارة، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۷/۲۳۳) محشی۔

رقم کا ڈپازٹ کرنا ایک طرح سے بالواسطہ طور پر کاروبار میں
سرمایہ کاری کی ایک شکل بھی جائے یا نہیں؟

(عبدالمقتدر، جگہ نا معلوم)

جواب:- چونکہ بینک سے روپیہ ہی کی لین دین کی بات ہوتی ہے، اور کھاتہ دار متعدد بار روپیہ جمع کرتا ہے نہ کہ سونا، اس لیے سونا کو اصل مان کر جمع کی ہوئی رقم سے زیادہ حلال نہیں ہوسکتی، کیونکہ مالی لین دین میں ایک طرف سے ایسا اضافہ جس کے مقابلہ میں دوسرے فریق کی طرف سے کچھ نہ ہو، سود ہے اور جائز نہیں۔ (۱)

سونا معیار کیوں؟

سوال:- [1909] کرنسی کے تبادل کے طور پر سونے کو کیوں معیار بنایا گیا؟ چاندی کو کیوں نہیں؟

(عبدالمقتدر، جگہ نا معلوم)

جواب:- شریعت کی نگاہ میں سونا اور چاندی دونوں "ثمن" یعنی ذریعہ تبادلہ ہیں، لیکن فطری بات ہے کہ لوگ جس چیز سے کرنسی کو متعلق کردیں گے، اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا، چونکہ پچھلے سو دو سو سال سے عالمی سطح پر سونا کو کرنسی کا معیار بنایا گیا، اس لیے اس کی قیمت میں اضافہ بھی ہوا اور ٹھیراؤ بھی پیدا ہوا، لیکن چاندی اور سونے کی قیمت میں توازن باقی نہ رہا، چنانچہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر فقہاء متاخرین" کے دور تک سونا اور چاندی کی قیمت میں ایک اور دس سے ایک اور بارہ تک کا فرق تھا، یعنی ایک دینار سونا دس سے بارہ درہم چاندی کے برابر ہوتا تھا، لیکن اب ان دونوں کی قدر میں کوئی توازن باقی نہیں رہا، اس لیے علماء مشورہ دیتے ہیں کہ فی زمانہ سونے پر معاملات طے کیے جائیں۔

(۱) "الربوا محرم في كل مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلاً" (الهداية: ۳/۷۷)محشی۔

بینک انٹرسٹ کا مصرف

سوال:- {1910} بینک میں جمع شدہ رقم پر جو منافع ملتے ہیں، ان کو بلا نیت ثواب حاجت مندوں کو دیا جو سکتا ہے یا نہیں؟ ایک صاحب نے ایسا کرنے کو ناجائز بتلایا ہے۔

(محمد احمد، ناندیڑ)

جواب:- غریبوں اور حاجت مندوں پر نیز رفاہی کاموں میں یہ رقم استعمال کی جا سکتی ہے، کیونکہ اگر بینک میں یہ رقم چھوڑ دی جائے تو ایک سودی ادارہ کے لیے مزید تقویت کا باعث ہے، نیز یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ ایسی رقم بعض فاسسٹ تنظیمیں رفاہی کاموں کے نیے حاصل کرتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ مسلمان کے لیے ضرر شدید کا باعث ہو سکتا ہے۔

بینک کے سود سے متعلق چند سوالات

سوال:- {1911} (الف) کوآپریٹو، بینک اپنے سرمایہ کو تجارت اور کاروبار میں مشغول کرتے ہیں، اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی میں سے ڈپازٹ کرنے والوں کو نفع ادا کرتے ہیں، تو کیا یہ صورت بھی سودی ہے؟

(ب) بہت سی بیوہ خاتون ضعیف اور وظیفہ یاب اشخاص اپنی رقم بینک میں فکس ڈپازٹ کرتے ہیں، ایسے مجبور لوگوں کے لیے بینک کا منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) یہ افسوس کی بات ہے کہ غیر سودی اصول پر مبنی فنانس کمپنیوں نے مسلمانوں کا بہت بڑا سرمایہ برباد کر دیا ہے، کیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موجودہ حالات میں غیر

سود نہ لینے کی اداروں کا تقویت نہیں؟

(د) تعلیمی اداروں کے قیام کے لئے گورنمنٹ مجبور کرتی ہے کہ اس کے پاس خطیر رقم ڈپازٹ کی جائے، مثلاً: دس سال کے لیے پچاس لاکھ روپے ڈپازٹ کیا جائے، تو دس سال بعد گورنمنٹ اس سے پونے دو کروڑ ادا کرتی ہے، جب کہ اس وقت کے پونے دو کروڑ کی اہمیت وہی ہوگی جو آج پچاس لاکھ کی ہے، تو کیا یہ پوری رقم ایسے اداروں کے لیے جائز ہوگی؟

(ہ) بینکوں میں جو رقم محفوظ کی جاتی ہے، اگر اس کا سود نہ لیا جائے، تو وہ رقم اسلام دشمن تنظیمیں حاصل کرتی ہیں، اور اسلام کے خلاف استعمال کرتی ہیں، اس لیے بینکوں سے سود نہ لینا بالواسطہ اسلام کو نقصان پہنچانا ہے؟ (ف، ح،)

جواب:- (الف) یہ صحیح ہے کہ آپ جو بینکس اپنی رقم کو کاروبار اور تجارتی مقاصد میں مشغول کرتی ہیں، لیکن ڈپازٹ کرنے والوں کے لیے خود بینک نفع کی مقدار متعین رکھتا ہے، اس لیے بینک بھی جو زائد رقم ادا کرتے ہیں وہ سود ہی ہے، سود کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی چیز کا لین دین ہو اور ایک فریق کے لیے ایسے اضافہ کی شرط ہو جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض ادا نہ کیا جائے۔

"فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة" (1)

بینک کے نفع کی یہی صورت ہوتی ہے، کھاتہ دار روپیہ دیتا ہے، بینک واپس کرتا ہے، گویا

(1) الدر المختار علی هامش رد المحتار ۴/۱۷۶-۱۷۷، ط: زکریا۔

ایک ہی جنس کے مال کا لین دین ہے اور کھاتہ دار کی طرف سے شرط ہے کہ بینک اسے زیادہ رقم ادا کرے، اس لئے یہ سود ہی ہے، خواہ سود دینے والا اس رقم کو کاروبار میں مشغول کر کے نفع دے، یا خود نقصان اٹھا کر اس کو نفع دے۔

(ب) اصولی طور پر بینک میں ڈپازٹ کی گئی رقم پر ملنے والا نفع سود ہے اور سود نہ صرف حرام ہے، بلکہ سخت ترین گناہ بھی ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں، البتہ جس خاص شخص کا مسئلہ ہو اسے چاہئے کہ کسی مستند مفتی سے مل کر ان کے سامنے اپنے حالات رکھے، مفتی صاحب اس کی شخصی حالات کو دیکھ کر جو رائے دیں، اس پر عمل کریں، اس لئے کہ تمام وظیفہ یاب ضعیف اشخاص اور بیوہ خواتین کے حالات یکساں نہیں ہوتے، اور شریعت کے بعض احکام میں لوگوں کے شخصی حالات اور دشواریوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

(ج) ''مسلم فینانس کمپنیوں'' نے لوگوں کے ساتھ جو دھوکہ دہی کی ہے، اس کا اسلام اور اسلام کے غیر سودی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ ان حضرات نے اخبارات میں حلال منافع کی غلط تشہیر کی اور لوگوں نے زیادہ سے زیادہ نفع کی حرص میں سرمایہ کاری کی، حقیقت میں یہ منافع سود ہی تھا، کیوں کہ یہ کمپنیاں رقم رکھنے والوں کے لئے متعین منافع کا اعلان کرتی تھیں، اور کسی بھی کاروبار کا نفع اسی وقت حلال ہو سکتا ہے، جب نفع کی قطعی مقدار پہلے سے متعین نہ ہو اور رقم مشغول کرنے والا امکانی نفع و نقصان کی اساس پر شریک ہوا ہو، اس نقصان کا سبب لوگوں کی بددیانتی اور خیانت ہے نہ کہ غیر سودی نظام، ان کمپنیوں نے تو سرمایہ کو مشغول ہی نہیں کیا، ظاہر ہے کہ اس میں غیر سودی معاشی نظام کا کوئی دخل نہیں، غیر سودی نظام میں تو پورا نفع سرمایہ کاروں میں تقسیم ہوگا، اس لیے یقیناً اس نظام میں سرمایہ کاروں کو زیادہ نفع حاصل ہوگا نہ کہ کم۔

(د) تعلیمی اداروں کے قیام کے لیے گورنمنٹ جو رقم جبراً حاصل کرتی ہے، اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ مثلاً: پچاس لاکھ دیتے وقت پچاس لاکھ میں جتنا سونا آتا تھا، دس سال بعد ہونے دو کروڑ میں سے اتنی مقدار سونے کی قیمت ادارہ کے کام میں لائے اور اس سے زیادہ جو رقم

ہو وہ غریب طلبا کی تعلیمی ضروریات پر خرچ کردے۔

(ہ) بینکوں میں ڈپازٹ کی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے، اس کا حکم علماء کے نزدیک یہ ہے کہ وہ بینک میں چھوڑا نہ جائے، تاکہ اسلام دشمن جماعتیں اس کو استعمال نہ کرسکیں، رقم نکال کر بلانیت صدقہ غرباء پر یا رفاہی کاموں میں خرچ کردیا جائے۔(۱)

بینک کے توسط سے کاروبار کرنا

سوال:- (1912) ایک کارخانہ جس میں اون وغیرہ تیار کیا جاتا ہے، جس کی سپلائی دوسرے اسٹیٹ میں بھی کی جاتی ہے، جس پارٹی کے پاس مال بھیجا جاتا ہے اکثر وہ اجنبی ہوتے ہیں، اس لیے اس کاروبار کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مال کا جو بھی بل بنتا ہے وہ بینک میں بھیج دیا جاتا ہے، اور بینک سے روپیہ وصول کرلیا جاتا ہے، پھر بینک والے اس پارٹی سے روپیہ وصول ہونے تک جتنی مدت ہوتی ہے ایک خاص مقدار میں مال بھیجنے والے سے سود وصول کرتے ہیں، اگر یہ طریقِ کار اختیار نہ کیا جائے تو روپیہ وصول ہونے میں مہینوں لگ جاتے ہیں، کیا اس طرح بینک کے توسط سے کاروبار کرنے میں جواز کی صورت ہوسکتی ہے؟ (انعام اللہ خاں، مہاراشٹر)

جواب:- بینک یا کسی بھی سودی ادارے سے تعاون درست نہیں، البتہ اگر قانونی یا معاشی وجوہ سے وہ اس قدر ضروری ہوجائے کہ اس کے بغیر کاروبار ٹھپ پڑجانے کا یا شدید خسارہ کا اندیشہ ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ ایک وقتی ضرورت سمجھ کر اس کو کیا جاسکتا ہے، محض

---

(۱) دیکھئے: منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۹۰، محشی۔

روپیہ میں تاخیر ایسا عذر نہیں جس کی وجہ سے بینک کے توسط سے کاروبار کی اجازت دے دی جائے۔(۱)

ہراج کی چٹھی

سوال:- {1913} کیا ہراج کی چٹھی کا کاروبار جائز ہے؟ (محمد عابد حسین حسامی، بشیر چیٹ)

جواب:- ایسی چٹھی جس میں بعض لوگ نقصان اٹھا کر چٹھی کی رقم لے لیتے ہیں، جائز نہیں، بلکہ سود میں داخل ہے، ہاں! اگر ہر ماہ ایک شخص چٹھی کی رقم لے، اور چٹھی کی رقم برابر لی جائے تو درست ہے۔(۲)

کمیشن کی چٹھی

سوال:- {1914} ایک شخص کمیشن کی چٹھی چلاتا ہے، سود یا ہراج کی نہیں، مثال کے طور پر دس اشخاص میں سے ہر شخص ایک ہزار روپے دس ماہ کے لیے دیتا ہے، قرعہ میں جس شخص کا نام اٹھتا ہے اسے نو ہزار پانچ سو روپے دیے جاتے ہیں، اور پانچ سو روپے بہ طور محنتانہ چٹھی چلانے والا لے لیتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے اور ایسے شخص کی امامت درست

---

(۱) واضح ہو کہ جس طرح سود لینا جائز نہیں، اسی طرح سود دینا بھی جائز نہیں ہے الا یہ کہ شدید مجبوری ہو، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "لعنت ہے سود لینے والے پر، سودی معاملہ کرنے والے پر، لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر" (الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۲۰۶)

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سود کا ایک درہم کھانا جانتے ہوئے کہ یہ سود ہے، چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ شریف، ص: ۲۴۶۔)

(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۷۱۔ محشی۔

ہے؟ (احمد ندیم رضوی، بھیوب نگر)

جواب:- اگر چٹھی میں شریک تمام ممبروں سے پہلے سے یہ بات طے ہو جائے کہ یہ چٹھی چلانے والا شخص متعلق شخص سے رقم وصول کرنے اور جس کا نام قرعہ میں نکلا ہو اس کو پہونچانے کا ذمہ دار ہوگا، اور اس کے بدلہ اسے ماہانہ پانچ سو روپے بطور اجرت دیے جائیں گے، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ یہ اس کی مزدوری اور محنتانہ ہے، اور ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے، البتہ بہتر ہے کہ وہ شخص خود اس چٹھی میں شریک نہ ہو، کیوں کہ اس صورت میں ایک درجہ سود کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے، ہراج والی چٹھی جائز نہیں، کیوں کہ اس میں سود پایا جاتا ہے۔

چٹ فنڈ کی ایک صورت

سوال:- (1915) ہمارے یہاں دفتر میں چٹھی ہوتی ہے، جس میں تمام اشخاص بلا لحاظ مذہب وملت شریک ہوتے ہیں، چٹھی کا اصول یہ ہے کہ ضرورت مند اشخاص حسب استطاعت کوئی رقم متعین کرتے ہیں، اس میں جو شخص بھی بولی بڑھا کر کہتا ہے اس کے نام یہ چٹھی ہوتی ہے، وہ رقم جس حد تک بولی میں کمی ہوتی ہے، اس شخص کو اتنی رقم اس چٹھی سے کم کر کے باقی رقم اسے دی جاتی ہے، اور یہ شخص بھی کمیشن میں برابر کا شریک رہتا ہے، ہم چند مسلم حضرات بھی اس چٹھی میں شریک ہیں، گو ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم کو کمیشن زیادہ ملے اور ہم بغیر ضرورت (Bit) میں حصہ بھی نہیں لیتے، لیکن جب ہمیں ضرورت ہوتی ہے تو حسب ضرورت ہم بھی (Bit) میں حصہ لیتے ہیں، اور چٹھی اٹھاتے ہیں لہذا نیت کمیشن کھانے کی نہیں

ہے اور جو کمیشن ہمیں ملتا ہے اس حد تک ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو رقم ہم بولی میں بڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں اس کا خسارہ کمیشن میں مکمل ہو جاتا ہے، اور کبھی نقصان بھی ہوتا ہے اور کبھی نفع بھی ہو جاتا ہے، کیا اس نوعیت کی چٹھی اسلامی احکام کے مطابق جائز ہوگی یا نہیں؟　　(شیخ حسن)

جواب:- چٹھی کے شرکاء میں سے ایک یا چند آدمیوں کا خسارہ برداشت کر لینے کی صورت جائز نہیں ہے، یہ ایک طرح کا ربا ہے، کیوں کہ خسارہ برداشت کرنے والا شخص بقیہ شرکاء سے قرض لیتا ہے اور قرض دینے والے اس قرض پر نفع حاصل کرتے ہیں اور اس کو "سود" کہتے ہیں۔(۱)

چٹ فنڈ کے بعض احکام

سوال:- (1916) بکر ایک چٹ فنڈ قائم کرتا ہے اور اس کی مجموعی رقم ایک ہزار روپیہ متعین کرتا ہے اور اس کا تین فیصد یعنی تیس روپیہ کمیشن لیتا ہے، اس کا کمیشن بولی یعنی (Bit) میں کٹ ہوتا ہے، مثلاً: زید اپنی ایک ہزار چٹھی تین سو (۳۰۰) روپیہ بولی کہہ کر اٹھاتا ہے تب بکر اپنا کمیشن تین سو (۳۰۰) روپے میں تیس (۳۰) روپے کم کر کے دو سو ستر (۲۷۰) روپے دیتا ہے، بکر یہ کمیشن اس لیے لیتا ہے کہ چٹھی ڈالنے والے حضرات اگر کسی وجہ سے تاخیر کریں یا کوئی حضرات نہ دیں تب یہ بکر پر ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس رقم کو کسی طرح بھی اپنی ذاتی رقم سے پُر کرے۔(شیخ حسین احمد)

---

(۱) "الربا هو القرض على أن يؤدى إليه أكثر وأفضل مما أخذ" (حجة الله البالغة:۲/۹۸)

جواب: - اسکیم چلانے والے اس پر جو کمیشن لیتے ہیں اگر وہ اس بناء پر ہے کہ بعض لوگ جو بروقت پیسہ ادا نہیں کرتے ان کی جانب سے وہ ادا کر دے تو یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیوں کہ اس نے قرض دے کر اس سے زیادہ نفع اٹھایا ہے، اور قرض پر نفع حاصل کرنا یہ سود ہے۔ (۱) اور اگر اس کی حیثیت شرکاء کی جانب سے اجرت کی ہو کہ وہ مختلف لوگوں کی رقم مہیا کرتا ہے، پھر ان میں قرعہ اندازی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کے لیے یہ رقم حلال اور جائز ہوگی۔ (۲) واللہ اعلم

چیٹھی کی ایک خاص صورت

سوال: - (1917) مکرمی! السلام علیکم۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے، درج ذیل سوال کا

جواب اپنے قارئین کی کسی قریبی اشاعت میں دیدیں۔

---

(۱) "كل قرض جر نفعا فهو ربا" (الجامع الصغير ۲/۹۴) محشی۔

(۲) البتہ جو صورت چیٹھی کی ہے وہ جائز نہیں ہے، کیوں کہ بولی میں ایک ہزار کی رقم کو تین سو پر سو سکس اٹھالیتا ہے، بقیہ رقم کو باقی لوگوں پر بچتن کے نام سے تقسیم کر دیتا ہے، یہ سود اور قمار کا معاملہ ہے، سود اس لئے ہے کہ روپیہ کا تبادل روپیہ سے کم و بیش کرنا سود ہے اور وہ حرام ہے، قمار اس لئے ہے کہ کبھی کسی کو کم ملتا ہے تو کبھی کسی کو زیادہ بھی فائدہ ہوتا ہے تو کبھی نقصان یعنی معاملہ مبہم ہوتا ہے کہ کس کو کتنا ملے گا کس کو نہیں، کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، اسی کو فقہاء کے یہاں قمار "غرر" کہتے ہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"الذي يزيد تارة و ينقص أخرى و سمي القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه و يجوز أن يستفيد مال صاحبه" (رد المحتار: ۹/۵۷۸، كتاب الحظر و الاباحة)

"(قمار) گھٹتا بڑھتا ہے، چوں کہ قمار کو بھی اس لئے قمار کہا جاتا ہے کہ قمار بازی کرنے والا (جواری) اپنے مال دوسرے کے پاس (بلا معاوضہ) چلے جانے اور دوسرے کا مال اپنے پاس ہڑپ کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے ان کے حصے بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں، اس لیے اس کو "قمار" کہا جاتا ہے۔ مرتب۔

یہاں کاروباری حلقہ میں ایک طریقہ رائج ہے۔
زید تقریباً دس ساتھی منتخب کرکے یومیہ ایک مخصوص رقم (۱۰۰/روپے) ہر ساتھی سے وصول کرتا ہے، اس طرح دس ایام میں دس ہزار روپیہ ہوا، وہ روپے زید نے سب کی رضامندی سے خود لے لیے، اور اپنے تصرف میں لے آیا، اس کے دوسرے دن سے (یعنی گیارہویں دن) پھر زید نے سب سے وصولیابی کی، دوبارہ دس دن ہوجانے پر اپنے علاوہ باقی ۹ آدمیوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی، قرعہ اندازی میں جس کا نام آجاتا ہے اس کو دس ہزار روپے دے دیا جاتا ہے، اس کے بعد تیسری بار، چوتھی بار وغیرہ سب سے وصولیابی کی جاتی ہے، اور قرعہ اندازی کے ذریعہ جس کا نام نکلتا ہے اسے وہ رقم دیدی جاتی ہے، اس طرح ۱۰۰ دنوں میں دسوں لوگوں کو دس دس ہزار روپے مل جاتا ہے، نہ کسی کا نقصان ہوتا ہے اور نہ نفع، زید کا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ چوں کہ وہ وصولیابی اور امانت رکھنے کا کام کرتا ہے، اس لیے وہ روپے پہلے لے لیتا ہے۔

اسی شکل میں زید اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ ہر مرتبہ قرعہ اندازی میں جس کا نام پہلے نکلتا ہے، اس کو وہ خود اپنی جیب سے ایک مخصوص رقم مثلاً ۵۰۰/روپے یا اس قیمت کی کوئی چیز دینا چاہتا ہے، اور وہ اپنے ساتھیوں کو اس کی پیشگی اطلاع بھی دیدیتا ہے۔

تو کیا یہ اضافہ شدہ شکل جو زید نے اپنی مرضی سے اختیار

کی ہے جائز ہے؟ اور یہ کہ سود کے دائرہ میں تو نہیں آتی ہے؟

(محمد عاصم، 40/53، نیا چوک پریڈ، کانپور)

جواب:- زید کا اسکیم کے دوسرے شرکاء کو اپنی طرف سے سو روپے کی اضافی رقم دینا شبہ سود سے خالی نہیں، اور سود شریعت میں کس درجہ مذموم ہے وہ ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کا گناہ ستر درجہ ہے اور کم سے کم درجہ ماں سے زنا کے برابر ہے (۱) اس لیے اس صورت سے بچنا چاہئے، اس اضافی رقم کے بغیر قرعہ اندازی کے ذریعہ مختلف شرکاء کا ہر دس روز پر مجموعی رقم لے لینا اور اپنے حصے کی رقم ادا کرتے رہنا جائز و درست ہے۔

دس ہزار کی چٹھی ساڑھے نو ہزار میں

سوال:- (1918) میں ایک ٹرانسپورٹ ملازم ہوں، ہماری لائن میں معاملہ کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً: ممبئی سے دیجے واڑہ ایک لاری مال آیا، اس کا دس ہزار کرایہ تھا، لیکن گاڑی خالی کرنے کے بعد ٹرانسپورٹ والے نے پندرہ دن کے بعد کا وعدہ کیا، اور ایک چٹھی دے دی، یہ چٹھی جو شخص بھی لے جائے اسے مقررہ تاریخ پر کرایہ کی رقم مل جائے گی، چنانچہ ایک تیسرے آدمی نے پانچ فیصد کمیشن پر یعنی نو ہزار پانچ سو (۹۵۰۰) روپے لاری والے کو دے کر یہ چٹھی حاصل کر لی، اور تاریخ مقررہ پر چٹھی دے کر دس ہزار روپے لے لئے تو کیا یہ پانچ سو روپے کا کمیشن اس کے لئے جائز ہوگا؟

(محمد عبداللہ، دیجے واڑہ)

(۱) "الربا سبعون جزءاً أيسرها أن ينكح الرجل أمه" (مشکوۃ شریف ص: ۲۴۲)

جواب:- اس صورت میں دس ہزار کی چٹھی ساڑھے نو ہزار روپے میں خرید کی گئی، گویا روپیہ کا تبادلہ روپیہ سے ہوا، ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار، اور ایک طرف سے زیادہ دوسری طرف سے کم، اور یہ دونوں ہی صورتیں ناجائز اور گناہ ہیں، اور سود میں داخل ہیں۔(۱) اس لئے یہ صورت جائز نہیں، مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، اور اس کا کوئی مناسب حل نکالنا چاہئے، مثلاً وہ ٹرانسپورٹ والے سے اسی تاریخ کا رقمی چیک طلب کرے اور کمپنی ہی میں اس رقم کو بھنالے، ممکن ہے بعض اور متبادل صورتیں نکل آئیں۔

چٹھی کا کاروبار

سوال:- (1919) آج کل چٹھی کا کاروبار بہت بڑھ گیا ہے، کیا کوئی مسلمان یہ کاروبار کرسکتا ہے؟ ہمارے ایک دوست نے یہ کام شروع کیا، لیکن کسی نے ان سے کہا کہ یہ حرام ہے؟ (محمد عبدالقدیر خاں، ملے پلی، حیدرآباد)

جواب:- چٹھی کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ چند افراد مل کر ماہانہ متعینہ رقم ادا کریں اور قرعہ اندازی کے ذریعہ چٹھی کے شرکاء میں سے جس کا نام نکل آئے اس کو دے دی جائے، اس طرح باری باری تمام لوگوں کو پوری رقم یکمشت حاصل ہوجائے، جیسے دس آدمی دس دس ہزار روپے ماہانہ چٹھی میں دیں، اور ہر ماہ شرکاء میں سے ایک کو یکمشت ایک لاکھ روپے مل جائیں، یہ صورت جائز ہے، اس کی حیثیت ایک دوسرے کو قرض دینے کی ہے، یعنی جس شخص کی چٹھی پہلی بار میں اٹھ گئی، گویا اس کو نو ساتھیوں نے اس کو نوے ہزار روپے قرض دیا، یہ صورت نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے، اور اس کے ذریعہ معاشی خود کفالت میں مدد مل سکتی ہے۔

---

(۱) " لا يجوز بيع الجيد بالردى مما فيه الربوا إلا مثلا بمثل لا هدار التفاوت في الوصف " (الهداية: ۶۳/۳) محشی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شرکاء میں سے کوئی شخص اپنی باری آنے سے پہلے ہی نقصان اٹھا کر بیسی لے لے، مثلاً: ایک لاکھ کی بیسی اسی ہزار میں لے لے، جو بیس ہزار روپے بچ جائیں وہ شرکاء میں تقسیم ہو، یہ صورت صریحاً سود کی ہے، اور قطعاً جائز نہیں، اگر آپ کے ساتھی نے اس قسم کی بیسی کا کاروبار شروع کیا ہو تو ان کو اس سے باز آنا چاہئے، اور توبہ کرنی چاہئے۔

نفع متعین کرنا

سوال:- {1920} کچھ لوگوں نے ایک دیہات میں مسجد بنائی، امام کی تنخواہ ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئی، ایک صاحب نے ۷۵ ہزار روپے مسجد کی کمیٹی کو بھیجا کہ وہ اس رقم کو مشغول کر کے اس سے ماہانہ دو ہزار روپے کا انتظام کریں، تاکہ تنخواہ کی ادائیگی کا مستقل انتظام ہوسکے، مجلس انتظامی کے دوسرے ارکان کی خواہش پر ایک رکن نے یہ ذمہ داری قبول کرلی، اور اس معاہدہ کے ساتھ ۷۵ ہزار روپے لئے کہ وہ ۲۴ مہینوں تک اس کو مشغول رکھ کر اس کے نفع سے امام صاحب کی تنخواہ ادا کردے گا، اور اس مدت کے بعد پورے ۷۵ ہزار روپے کو محفوظ رکھتے ہوئے واپس کردے گا، چنانچہ ۲۴ ماہ تک ان نے ماہانہ دو ہزار روپے بابت تنخواہ کے علاوہ مزید چھ سو روپے اس طرح ادا کیا کہ اس رقم سے ایک آٹو خرید کر اس کو کرایہ پر لگادیا، اس آٹو سے ماہانہ ۲۶ سو روپے آتا رہا، جس میں ۶ سو رقم جو ہر ماہ بچ جاتی تھی، وہ اسے محفوظ رکھتا گیا، اب اس مدت کی تکمیل کے بعد جب اس آٹو کو فروخت کرنے کی نوبت آرہی ہے تو متوقع قیمت ساٹھ ہزار آنے کی

بجائے چالیس ہزار ہی آرہے ہیں، اس طرح جمع شدہ رقم اور
آٹو کی قیمت مل کر مجموعہ ۷۵ ہزار سے سات آٹھ ہزار کم ہوتا
ہے، اب وہ رکن اتنی ہی رقم واپس کرنا چاہتا ہے، اور کمیٹی کے
دوسرے ارکان کا کہنا ہے کہ چوں کہ اس نے ۷۵ ہزار کی
واپسی کا وعدہ کرلیا تھا، اس لیے اب اسے بہر حال ۷۵ ہزار
واپس کرنے ہوں گے، ایسی صورت میں شرعاً اس پر کتنی رقم
واجب ہوگی؟ (ارکان مسجد ہٰذا)

جواب:- یہ معاہدہ کہ اس پر اتنی مقدار نفع دیتے رہیں گے اور مدت معاہدہ کے اختتام پر پوری رقم واپس لوٹا دیں گے، درست نہیں ہے، یہ دو وجوہ سے سود کے زمرہ میں آگیا، ایک تو اس پر نفع متعین کردیا گیا ہے، گویا نقصان کی ذمہ داری بالکل قبول نہ کی گئی ہے، ایسی صورت جس میں نفع اور اصل سرمایہ کی بہر قیمت حفاظت لازم قرار دی گئی ہو سود ہے؛ کیوں کہ یہ نفع ونقصان کی اساس پر شرکت نہیں ہوئی، اس لیے ناواقفیت میں ایسا معاہدہ کرنے والوں کو استغفار کرنا چاہیے، رکن کمیٹی کے اوپر ۷۵ ہزار روپے واجب نہ ہوگا، بلکہ جو رقم حساب کے اعتبار سے اس کے پاس موجود ہے، وہی واجب ہوگی، ہاں! اس طرح معاہدہ کرنے کی گنجائش ہے کہ مثلاً ماہانہ علی الحساب دو ہزار روپے دیا کرے گا، اور مدت کے اختتام پر مکمل حساب ہوگا، اسی وقت نفع ونقصان میں شرکت کے ساتھ حساب کی تکمیل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

سودی معاملہ سے متعلق ایک تفصیلی جواب

سوال:- (1321) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان
شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:
آج کل علماء ہر چیز میں سود کا حکم لگا کر حرام قرار دیتے
ہیں، اس کی وجہ سے بہت سے کاموں میں رکاوٹ بن گئی ہے،

حالاں کہ اس کی اصلیت کو گہری نظر سے غور کریں تو معاملہ بہت کچھ صحیح سمت پر لایا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں چند چیزیں پیش کرتے ہیں، جو بینک انٹرسٹ جائز ہونے پر منطبق ہے:

بینک کی طرف سے جو رقم بطور قرض کاروبار والوں کو ملتی ہے، اس کو وہ اپنے جائز کاموں جیسے تعمیری وغیرہ میں مشغول کرنے کے بعد جو نفع ہوا اسی نفع میں سے بینک کو بھی دیتا ہے، اسی طرح بینک والے بھی ایسے ہی کاروبار والوں کو قرض دیتے ہیں اور اسی کا جو نفع ہوا اسی کا اصل رقم مع نفع واپس لیتے ہیں، اس لیے اس کو انٹرسٹ کہا جاتا ہے اور یہ کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

علماء کرام ادھار میں قیمت زیادہ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، حالاں کہ انٹرسٹ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ جب ایک ہزار کی چیز کو ادھار لینے پر ڈیڑھ ہزار میں دیتے ہیں، یعنی مہلت کی وجہ سے پانچ سو روپے زیادہ وصول کرتے ہیں، یہی معاملہ انٹرسٹ میں بھی ہے، کیوں کہ جب کوئی بینک سے قرض لیتے ہیں، بینک والے بھی مہلت کی اجرت کے طور پر کچھ رقم زیادہ واپس لیتے ہیں، اس لیے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور دونوں ہی جائز ہونا چاہئے۔

سرکار بہت سی چیزوں میں بے جا ٹیکس لگاتی ہے، اگر کسی نے انشورنس کرایا تو اس کو ٹیکس سے چھوٹ ملتی ہے، ایسے حالات میں کیا ٹیکس کی بازیافت کرانا جائز ہونا چاہئے۔

خصوصاً ہندوستان اور ہندوستان جیسا ممالک تو دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں کافروں سے سود لینے کو اکثر

فقہاء نے جائز قرار دیا ہے تو انٹرسٹ کے جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری طرف علماء یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ بینک والے غرباء کا استحصال کرتے ہیں، حالاں کہ بینک میں کوئی استحصال نہیں ہوتا، بلکہ عوام کو اس سے بہت کچھ نفع ہوتا ہے۔

اسلامی ممالک میں بھی بینکنگ، انٹرسٹ، فکس ڈپازٹ وغیرہ بالکل عام ہے، ہر چھوٹے سے بڑے کاروبار کرنے والے بھی لوگوں کو سرکار لون دیتی ہے، ظاہری بات ہے اس میں سود دینا پڑتا ہے، اسی طرح یہ سمجھو کہ یہ معاملہ عام مسلمانوں کا تعامل بن گیا ہے، شریعت میں اصول ہے کہ جو کام مسلمانوں میں عام ہو جائے وہ کام جائز ہو جاتا ہے، تو انٹرسٹ بھی جائز ہونا چاہئے۔

ان چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل سوالوں کے جواب عنایت فرمائیے، بڑی نوازش ہوگی۔

(الف) ''جیون دھارا اسکیم'' میں ممبر بننا جائز ہے یا نہیں۔

(ب) کسی کے پاس رہنے کو مکان نہیں اور اس کے پاس مکان بنانے کے بقدر روپیہ بھی نہیں اور کسی سے بغیر سود قرض بھی ملنے کی امید نہیں ہے تو کیا ایسے شخص کے لیے بینک یا کسی اور جگہ سے سودی قرض لینا جائز ہے؟ اسی طرح کسی کے پاس روز کے گھر کا خرچ چلانے کے لیے کوئی کاروبار نہیں، کوئی اور طریقہ بھی نہیں ہے تو کیا ایسے شخص کے لیے دوکان چلانے

کے لیے کسی سے سودی قرض حاصل کرنا جائز ہے؟ اسی طرح کسی کے پاس کوئی سواری کا انتظام نہیں، اس کے لیے سواری بہت ضروری ہے، تو کیا سواری خریدنے کے لیے بھی ایسے شخص کے لیے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے؟

(ج) آج کل کے ہندوستانی حالات کے پیش نظر ہندوستانی مسلمانوں کے لیے املاک و جائداد اور جیون بیمہ کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایک بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کا انشورنس مل رہا ہے، کیا اس کے لیے یہ رقم حاصل کرنا جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس رقم کو کیا کیا جائے؟

(د) ہمارے ہندوستان میں ہر چیز کا ٹیکس لیا جارہا ہے، اگر کسی نے فکسڈ ڈپازٹ کرایا ہوتا تو اس کے حق میں بہت کچھ ٹیکس کم ہوتا ہے، یا بالکل بچ جاتا ہے، تو کیا ایسے حالات میں فکس ڈپازٹ وغیرہ کے ذریعہ ٹیکس کا بچاؤ کیا جاسکتا ہے؟

(ہ) کسی کام میں آسانی کے لیے رشوت دینا جائز ہے یا نہیں؟

(و) بینک میں سے جو سود ملتے ہیں وہ رقم اگر ناجائز ہے تو کیا اس کو بینک میں ہی چھوڑ دیا جائے، یا اس کو نکال کر کسی رفاہی کام میں خرچ کرے تو گناہ ہوگا؟

(عبدالمجید، ایم، اے، دہلی)

جواب:- یہ سوالات موجودہ معاشی حالات اور اسلامی نقطۂ نظر کے تحت نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ علماء نے ان مسائل پر اجتماعی غور و فکر نہ کیا ہو اور مطلوبہ فریضہ

اجتہاد انجام دینے میں کوتاہی کی ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان مسائل پر ہندوستان اور مختلف ملکوں میں ملکی اور بین ملکی سطح پر کافی غور وخوض کیا گیا ہے، اور ان مسائل پر غور کرتے ہوئے جدید اقتصادی ماہرین سے بھی حسب ضرورت تعاون لیا گیا ہے، اصل مشکل یہ ہے کہ جہاں پورا نظام کفر پر مبنی ہو اور معیشت کی شیرازہ سود کو مان کر پورا اقتصادی ڈھانچہ مرتب کیا گیا ہو، مسلمان اس نظام میں اپنے منشا کے مطابق تغیر اور تبدیلی کی پوزیشن میں نہ ہوں اور مسلم حکومتیں اسلامی تصورات سے دوری کی وجہ سے یا بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے جبر ودباؤ کی وجہ سے مجبور ہوں، وہاں جب کسی ایک مسئلہ پر جزوی طور پر غور کیا جائے گا اور اس کا حل دریافت کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو اس میں مشکلات اور دشواریوں کا پیش آنا ایک فطری امر ہے، یہی وجہ ہے کہ آج جب علماء بینک کے سود کو حرام قرار دیتے ہیں، تو لوگ اس میں دشواری محسوس کرتے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر ان کے لیے جائز نفع اور سرمایہ کاری کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

لیکن ظاہر ہے کہ بحیثیت مسلمان امکان بھر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنا اور اس کی وجہ سے خلاف ماحول کے باعث جو مشکلات پیش آئیں اور جو نقصان اٹھانا پڑے، ان کو برداشت کرنا ہمارا شرعی فریضہ ہے، کہ دراصل آخرت کی راحتوں کے لیے دنیا کی مشقتوں کو برداشت کرنا ہی اسلام کی روح ہے، ورنہ تو :

جس کو ہو جان ودل عزیز میری گلی میں آئے کیوں؟

اس وضاحت کے ساتھ چند اصولی باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں :

۱- اسلام میں کفر کے بعد جن امور کی نہایت شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے، ان میں ایک سود ہے، رسول اللہ ﷺ نے سود کے گناہ کے ادنیٰ درجہ کو اس کے ہم وزن قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان مشرکین اور یہود کے درمیان بقاء باہم کا جو معاہدہ کیا تھا اس میں اور امور میں تو لوگوں کو اپنے

---

(۱) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۲۲۷۴، باب التغليظ في الربا ۔ محشی ۔

اپنے مذہب پر چلنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن آپ ﷺ نے سود خور کے لیے مدینہ میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ (۱) اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سود اسلام کی نگاہ میں کس قدر برا کام ہے، اسی لئے سیدنا حضرت عمر ؓ نے سود اور شبہ سود دونوں سے بچنے کا حکم فرمایا۔ (۲)

—— لہذا سود کے معاملہ میں احتیاط پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

۴- عام طور پر دار الحرب کی اصطلاح سے لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوتی ہے، دار الحرب اصل میں وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے ساتھ رہنے کی اجازت نہ ہو اور وہ دستوری اعتبار سے مسلمانوں کو مذہبی حقوق کو قبول نہیں کرتا ہو، آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں مکی زندگی دار الحرب کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے، امام ابو حنیفہؒ نے ایسے ملک میں نہ صرف حربیوں سے سود لینے کی اجازت دی ہے، بلکہ دوسرے فاسد معاملات کے ذریعہ بھی پیسے حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، کیوں کہ اسلام سے کھلی عداوت اور مسلمانوں کے وجود کو ناقابل برداشت سمجھنے کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کے مال مباح ہیں (۳) اور وہ ایسے ہی ہیں کہ جیسے دریا میں مچھلیاں اور جنگل میں شکار کہ جس کے ہاتھ آجائے اس کے لیے جائز ہے —— امام ابو حنیفہ کا منشا یہ ہے کہ ایسی قوم اور ایسے ملک کی معیشت کو جس طرح بھی کمزور کیا جا سکتا ہو کمزور کیا جائے، کیوں کہ یہ بھی ایک طرح کی جنگ کا درجہ رکھتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کو اس اعتبار سے دار الحرب کا درجہ دینا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ یہاں مسلمانوں کو دستوری طور پر آزادی حاصل ہے، شعائر دین کو بجالانے کی اجازت ہے، ہاں، یہ ضرور ہے کہ بعض دفعہ فرقہ پرست عناصر فساد اور دنگوں کے ذریعہ بہت کچھ نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی کارروائی کرنے والے لوگ کم ہوتے ہیں، پوری قوم پورا ملک اور ملک

(۱) أحكام القرآن للجصاص: ۵۷۴/۱، ط: بیروت۔ محشی۔

(۲) سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر: ۲۲۷۶، باب التغليظ في الربا ، مسند إمام أحمد بن حنبل : ۳۶/۱، حدیث نمبر: ۲۴۵۔ محشی۔

(۳) الهداية: ۸۶/۳۔ محشی۔

کے دستور اور آئین کو اس کا مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا ، اس لیے دار الحرب ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں سود کا جواز قطعاً نادرست معلوم ہوتا ہے ۔ (راقم الحروف نے جدید فقہی مسائل حصہ دوم میں ہندوستان کی شرعی حیثیت اور بینک انٹرسٹ کے مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے ، اسے دیکھا جاسکتا ہے)

۳- احکام شرعیہ کے لیے بعض چیزیں حکمت کے درجہ میں ہیں اور بعض چیزیں علت کہلاتی ہیں ، اسلامی اصول وقانون کے ماہرین نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے احکام اصل میں تو کسی حکمت ومصلحت کے تحت ہی وجود میں آتے ہیں ، بعض دفعہ ہمیں یقینی طور پر وہ مصلحت معلوم ہوتی ہے اور بعض دفعہ ہم قیاس وتخمین سے کام لیتے ہیں کہ اس حکم کی یہ مصلحت ہونی چاہیے ، لیکن حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے ، سادہ الفاظ میں علت کسی فعل کی ظاہری شکل کا نام ہے ، جب بھی وہ پائی جائے وہ حکم پایا جائے گا ، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ روزہ کی حکمت تقویٰ کا حصول ہے ، نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اور روزہ کے لیے علت ماہ رمضان کی آمد اور نماز کے فرض ہونے کی علت دن اور رات کے مخصوص اوقات کے آنے کی ہے ، اب ایک شخص میں کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ موجود ہو ، اگر رمضان کا مہینہ آگیا تو اسے روزہ رکھنا ہے ، اگر ایک شخص نہایت غیر متقی ہے اور اس کا ہر عمل اس بدنصیب کے تقویٰ سے محرومی پر شاہد ہے ، پھر بھی جب تک رمضان نہ آئے روزہ فرض نہیں ہوگا ، حالاں کہ حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے شخص پر رمضان میں بھی روزہ فرض نہ ہو ، کیوں کہ جس چیز کا حصول مقصود تھا وہ پہلے سے موجود ہے اور دوسرے شخص پر غیر رمضان میں بھی روزہ فرض ہو ، تاکہ روزہ سے جو چیز مقصود ہے وہ اس کا حاجت مند ہے ، گویا روزہ کے حکم کی بنیاد حکمت پر نہیں ، بلکہ علت پر ہے ، یہی حال نماز کا اور دوسرے مسائل کا ہے ، سود خور بنیادی طور پر سود کی شکل میں اس مہلت کی قیمت وصول کرتا ہے جو اس نے مقروض کو دے رکھی ہے ، اب اگر ایک شخص اپنا وہ سامان جسے نقد سو روپے میں فروخت کرتا ہے ایک سال کی مدت کے لیے ادھار فروخت کرتا ہے اور ایک سو کے بجائے ڈیڑھ سو روپیہ

اس کا متعین کرتا ہے تو یہ جائز ہے، حالاں کہ یہاں بھی بیچنے والے کے ذہن میں یہی بات ہے کہ وہ اس مہلت کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرے، لیکن پہلی صورت میں ایک چیز بعینہ واپس لی جاتی ہے اور مہلت کا نفع وصول کیا جاتا ہے، اس لیے وہ سود ہے اور حرام ہے، دوسری صورت میں ایک چیز دے کر دوسری جنس کی چیز حاصل کی جاتی ہے اور مہلت دینے کی وجہ سے زیادہ پیسے دیے جاتے ہیں، تو یہ جائز ہے، کہ نفع کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں تبادلہ ہو اور ایک کی طرف سے نفع دیا جائے۔

غرض اگر کسی خاص صورت میں غرباء کا استحصال یا قرض نہ پایا جاتا ہو، لیکن ظاہری شکل سود کی پائی جائے تو وہ سود ہی ہوگا اور اس کی وجہ سے حکم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔

امید کہ ان امور کو ملحوظ رکھا جائے تو بینک انٹرسٹ کے مسئلہ پر غور کرنے میں آسانی ہوگی اور غور و فکر کا سفر بھی صحیح سمت میں ہوگا —— اس لیے میری رائے ہے کہ بہ حالت موجودہ بینک انٹرسٹ سود ہے اور حرام ہے اور یہی رائے عرب و عجم کے جمہور علماء کی ہے۔

آپ نے بینک انٹرسٹ کے جواز پر جو دلائل پیش کیے ہیں، ایک نظر ان پر بھی ڈالی جائے تو مناسب ہے:

(الف) ممکن ہے بینک میں رکھا جانے والا پیسہ تعمیری کاموں میں مشغول کیا جاتا ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ مشغول کرنے کا طریقہ درست ہو، کسی کام کے حرام ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا مصرف ہی غلط ہو، بہتر مصارف میں بھی غیر درست طریقوں سے سرمایہ کاری کی جائے تو یہ بھی حرام ہے اور بینک اپنے قواعد کے لحاظ سے اس بات کا پابند ہے کہ براہ راست تجارت نہ کرے، بلکہ بالواسطہ تجارتی مقاصد کے لیے سرمایہ کاری کرے اور اس پر پہلے سے متعین نفع وصول کرے، جس کا سود ہونا واضح ہے۔

(ب) ایک تو یہی بات قابل غور ہے کہ مقروض سے اتنی ہی رقم وصول کی جاسکتی ہے جو دی گئی ہے، یا اس کی گرتی ہوئی قدر کو ملحوظ رکھ کر اس کی تلافی بھی کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اگر آپ نے

ایک ہزار روپے مقروض کو دینے کے بجائے چھ ماہ اپنے پاس رکھا ہوتب بھی اس روپے کی قوت خرید کم ہو جاتی، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وجہ سے مقروض کو طویل مدت آپ کی دی ہوئی رقم اپنے پاس رکھنی پڑی ہو، اور وہ اس سے کوئی نفع اضافہ پایا ہو، تو کیا یہ مناسب ہے کہ اس سے ایک ایسی بات کی وجہ سے اضافی رقم حاصل کی جائے، جس میں اس کے قصد و عمل یا کوتاہی کو دخل نہ ہو، ــــ دوسرے اگر معاملہ اس طرح طے پائے کہ یہ رقم پانچ سال کے لیے لکس کی جارہی ہے، پانچ سال کے بعد سونا یا فلاں سامان کے لحاظ سے موجودہ قوت خرید کا لحاظ کرتے ہوئے پیسے ادا کرنے ہوں گے، تو اس پر سکہ کی قوت خرید میں کمی اور اضافہ کے نقطۂ نظر سے غور کیا جاسکتا ہے، اور بعض اہل علم کی رائے پر یہ صورت جائز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ بینک آپ کے لیے اس سے قطع نظر نفع متعین و مشخص کر دیتا ہے، جس کی ظاہری شکل بھی سود کی ہے اور لینے اور دینے والے کے ذہن میں بھی یہی ہے، اس لیے اس کو قیمت میں کمی کی تلافی قرار دینا درست نہیں۔

ــــ ٹیکس اسلامی ممالک میں بھی لگایا جاتا ہے اور لگایا جاتا رہا ہے اور ملک کی جائز ضروریات کی تکمیل کے لیے ٹیکس عائد کرنے کی فقہاء نے بھی اجازت دی ہے، (۱) اس لیے ٹیکس کی پابجائی کے لیے بینک انٹرسٹ کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ہاں اگر حکومت ناروا ٹیکس عائد کرتی ہے اور فکسڈ پازٹ کرانے میں ٹیکس سے بچا جاسکتا ہے، تو فکسڈ کرایا جاسکتا ہے، لیکن اصل رقم پر جو زائد اضافی رقم حاصل ہو، وہ حرام ہے اور اس کا بلا نیت صدقہ غرباء پر خرچ کر دینا واجب ہے۔ (۲)

ــــ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندوستان دار الحرب نہیں، دوسرے امام ابوحنیفہ کے علاوہ تمام فقہاء دار الحرب میں بھی سود کو حرام ہی قرار دیتے ہیں اور ان کی رائے کتاب و سنت سے زیادہ

---

(۱) الهداية : ۲/ ۵۹۰، باب العشر و الخراج ۔ محشی۔

(۲) قواعد الفقه : ص : ۱۱۵ ، " لأن كسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه " (رد المحتار : ۹/۵۵۳) مرتب ۔

قریب ہے، نیز جن معاملات میں سود کا شبہ بھی ہو جائے ان سے باز رہنے اور اجتناب کرنے کا حکم ہے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ دار الحرب میں بھی سود جائز نہیں۔

—— اول تو جیسا کہ مذکور ہوا غرباء کے استحصال کو روکنا سود کے حرام ہونے کی حکمت و مصلحت ہے، عین دین کے معاملہ میں ایک جنس کا تبادلہ ہو اور ایک طرف سے ایسا اضافہ ہو جس کے مقابلہ میں دوسری طرف سے کچھ نہ ہو، سود کی حقیقت اور علت ہے، لہذا اگر کسی خاص صورت میں سود کی یہ شکل پائی جائے اور استحصال نہ پایا جائے تب بھی وہ سود ہی ہوگا —— دوسرے، یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فی زمانہ بینک کا سود استحصال کا باعث نہیں، آپ غور کریں کہ خود بینک جن لوگوں کو قرض دیتا ہے، اور ان سے متعینہ سود حاصل کرتا ہے اور اس کا کچھ حصہ اپنے کھاتہ داروں کو واپس کرتا ہے، وہ اپنے مقروض کا استحصال کرتا ہے یا نہیں، آپ کو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ معمولی یا بڑے تاجر اور کاروباری نے قرض حاصل کئے، بدقسمتی سے کاروبار نے متوقع نفع نہیں دیا اور بینک نے اس کی ایک ایک انچ زمین بھی فروخت کر دی، تو گو بینک خود اپنے منافع کا ایک حصہ ادا کرتا ہے، لیکن بینک نے جو سود حاصل کیا ہے، ان سود ادا کرنے والوں کی بابت کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان کا کوئی استحصال نہیں ہوتا؟

—— اس میں شبہ نہیں کہ عموماً اسلامی ممالک نے بھی یہودی دماغ کے مرتب کردہ سود پر مبنی بینک کے نظام کو اپنایا ہوا ہے اور یہ ان کی بدنصیبی اور ذہنی غلامی کے سوا کچھ نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل مسلمانوں کے حق میں دلیل نہیں ہو سکتا اور نہ شرعاً اس کی کوئی اہمیت ہے، جن امور کو کتاب و سنت میں صراحۃً حرام قرار دیا گیا ہو، نہ عام مسلمانوں کے تعامل کی وجہ سے وہ حلال ہو سکتے ہیں اور نہ مسلم حکومتوں کی بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے، سعودی عرب اور بیشتر مسلم ممالک کے علماء اور ارباب افتاء اس کو ہمیشہ ناجائز ہی کہتے رہے ہیں۔

یہ بات بینک انٹرسٹ سے متعلق مختصر گفتگو تھی، اب دریافت کئے گئے سوالات کے جواب دئے جاتے ہیں:

(الف) ''جیون دھارا اسکیم'' کی تفصیلات سے میں واقف نہیں ہوں، بہ ظاہر زمین خرید کر اس کی فروخت مروج اور معمول ہے، قانونی تفصیلات معلوم کر کے ایسی صورتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، جس کی اجازت ہو، نیز بحمد اللہ اب بنگلور اور ممبئی وغیرہ مختلف شہروں میں خود مسلمانوں نے بعض تجارتی ادارے قائم کیے ہیں جو بڑی حد تک اطمینان بخش ہیں، وہاں اسلامی طریقہ پر سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔

(ب) سود لینا تو کسی طرح جائز نہیں، البتہ مجبوری میں سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے کسی کے پاس مکان نہ ہو اور بہ قدر ضرورت مکان کی تعمیر کے لیے بھی رقم موجود نہ ہو اور نہ غیر سودی قرض حاصل ہو سکتا ہو، تو اس قدر سودی قرض حاصل کیا جا سکتا ہے کہ ضرورت کے بہ قدر مکان تعمیر کر لے، یہی حکم ضروریات زندگی سے محروم بے روزگار شخص کے لیے دکان کی غرض سے قرض حاصل کرنے کا بھی ہے، اسی طرح جس شخص کے لیے سواری ضروری ہو اور اس کے پاس پیسے موجود نہ ہوں، وہ ایسے قرض کے ذریعہ سواری خرید سکتا ہے، ---- غرض مجبوراً ایسی ضروریات کے لیے سودی قرض حاصل کیا جا سکتا ہے، جو زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے لوازم حیات کا درجہ رکھتے ہوں۔

(ج) انشورنس اصل میں تو حرام ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات کے پس منظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، دار الافتاء دار العلوم دیوبند اور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے مختلف اوقات میں اس کے جواز کا فیصلہ کیا ہے، کیوں کہ انشورنس کمپنیاں سرکاری کنٹرول میں ہیں اور عوام کی جان و مال اور املاک کی حفاظت حکومت کا فریضہ ہے، نیز فسادات دراصل حکومت ہی کی کوتاہی اور بے عملی کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں، اس لیے یہ ایک طرح کا ہرجانہ ہے جو ہم حکومت سے وصول کرتے ہیں۔

البتہ اس کا خیال رہے کہ اگر انشورنس کرانے کے بعد واقعی فسادات میں نقصان ہو تب تو کمپنی سے حاصل ہونے والی پوری رقم جائز ہوگی، ورنہ جتنی رقم جمع کی ہے وہ حلال ہوگی، زر کمپنی

کی طرف سے حاصل ہونے والی اضافی رقم حرام، جو کمپنی سے لے کر غرباء پر بلانیت ثواب خرچ کر دی جائے۔(۱) —— انشورنس کی رقم کا یہی حکم اس بیوہ کے لیے بھی ہے جس کو اپنے متوفی شوہر کے انشورنس کی رقم ملے، البتہ اس سلسلہ میں اس قدر تفصیل ہے کہ اگر شوہر کی طبعی موت ہوئی، فساد میں نہ ہوئی تو انشورنس کی رقم کا حلال حصہ تمام ورثہ پر تقسیم ہوگا، اگر شوہر نے لکھا ہو کہ میری موت کے بعد یہ رقم میری بیوی کو دیدی جائے تب بھی تمام ورثہ کا حق متعلق ہوگا، کیوں کہ یہ وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں معتبر نہیں،(۲) اور اگر فساد میں موت ہوئی تو چوں کہ اب پوری رقم حلال ہے، اس لیے پوری رقم ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

(ہ) قانون وآئین کے حدود میں رہتے ہوئے ٹیکس کی مقدار کم کرنا جائز ہے، بالخصوص ان حالات میں کہ حکومت: بے مسرفانہ اخراجات کی تکمیل کے لیے عوام پر بہت سے ناواجبی ٹیکس عائد کر رہی ہے، صورت حال یہ ہے کہ ہماری ملک کی پارلیامنٹ کے اخراجات فی گھنٹہ لاکھوں روپے ہوتے ہیں اور سیشن کے اکثر اوقات حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے بے معنی جھگڑوں میں صرف ہو جاتے ہیں، سیکڑوں عہدیداران اور وزراء وزعماء کی سیکوریٹی پر اتنا کچھ خرچ ہوتا ہے کہ ایک ایک شخص کی سیکوریٹی کے اخراجات میں ایک ایک سو آدمیوں کی پرورش ہو جائے، حالاں کہ تحفظ کا یہ غیر معمولی انتظام خود ان کی بداعمالیوں اور بدگوئیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور یہ سب کچھ محنت کش عوام سے ٹیکس کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، اس لیے ان حالات میں قانون شکنی کیے بغیر ٹیکس سے بچنا جائز ودرست ہے۔

(و) رشوت لینا اور دینا دونوں ہی حرام اور سخت گناہ ہے،(۳) البتہ لینا تو کسی صورت

---

(۱) قواعد الفقه، ص:۱۱۵۔ مرتب۔

(۲) "لا وصية لوارث" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۲۷۴۷، باب: لا وصية لوارث) مرتب۔

(۳) الجامع للترمذي، ص:۲۴۸، باب ما جاء في الراشي و المرتشي في الحكم۔ محشی۔

جائز نہیں، ہاں، رشوت دینا اس وقت جائز ہے کہ اپنا جائز حق حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہ ہو، اس پر فقہاء نے بعض روایات سے بھی استدلال کیا ہے۔

(ز) بینک میں انٹرسٹ کی رقم چھوڑی نہ جائے، اس لیے کہ ایک سودی ادارہ کی مزید تقویت کا باعث ہوگا اور اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا استعمال اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ہو، یہ رقم نادار و غرباء پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے اور رفاہی کاموں اور عوامی مفاد کے امور میں بھی، (۱) البتہ مساجد کی تعمیر میں اس کا استعمال درست نہیں کہ یہ مساجد کی تقدیس کے منافی ہے۔(۲)

◉ ✿ ✿ ◉ ✿ ✿

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۱۹۲/۳، محشی۔
(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۶/۱۳، محشی۔

انشورنس کے احکام

ہندوستانی مسلمان اور انشورنس

سوال:- {1522} ہندوستان میں مسلمان کے انشورنس کرانے کا کیا حکم ہے؟ گجرات میں جو حالات پیش آئے وہ سامنے ہیں، اس پس منظر میں بعض اخبارات نے انشورنس کے جواز کا فتویٰ شائع کیا اور بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے، صحیح شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد صابر، نوں چوکی، حیدرآباد)

جواب:- جان و مال کا انشورنس اصل میں جائز نہیں، کیوں کہ اگر پالیسی مکمل کی تو پالیسی لینے والا جتنی رقم ادا کرتا ہے، کمپنی اس سے زیادہ رقم واپس کرتی ہے، اور یہ سود ہے اور اگر پالیسی مکمل ہونے سے پہلے حادثہ پیش آگیا تو رقم پوری مل جاتی ہے، حالانکہ اس نے چند قسطیں ہی جمع کی ہیں، گویا پالیسی لینے والے کو اپنی پالیسی کا انجام معلوم نہیں، کسی کو دو تین قسطوں کی ادائیگی پر پوری رقم مل جائے گی، اور کسی کو تمام قسطیں ادا کرنی ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ صورت قمار میں داخل ہے، پس انشورنس سود اور قمار سے مرکب صورت ہے، اور شریعت میں ان دونوں کی

ممانعت ہے، اس لئے اصلاً یہ صورت جائز نہیں۔

البتہ حکومت پر ہمارا حق ہے کہ وہ ہماری جان و مال کی حفاظت کرے اور فسادات میں تجربہ یہ ہے کہ جان و مال کی حفاظت کے بجائے خود پولیس مفسدین کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہتی ہے، اس لئے حکومت سے اس کا ہرجانہ وصول کرنا ہمارے لئے درست ہے، اور اگر کسی صورت (جس میں دھوکہ نہ ہو) حکومت کی جانب سے کوئی رقم ہماری ملکیت میں آجائے تو ہمارے لئے اس میں اپنا حق وصول کرنا درست ہوگا، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں "ظفر بالحق" کہتے ہیں، اور انشورنس کمپنی سرکاری کا ایک ذیلی ادارہ ہے، اس پس منظر میں ہندوستان کے اکثر علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ

(الف) ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمان کے لئے جان و مال کا انشورنس کرانے کی اجازت ہے، گو اصلاً یہ جائز نہیں۔

(ب) اگر فسادات میں انشورنس کرانے والے کی جان و مال گئی ہو تو پوری رقم اس کے لئے جائز ہوگی۔

(ج) اگر کسی قدرتی یا طبعی حادثہ میں یعنی فساد کے علاوہ کسی اور طریقہ پر جان و مال کی ہلاکت ہوئی ہو تو جتنی رقم اس نے جمع کی تھی، وہ اس کے لئے حلال و جائز ہوگی اور باقی رقم بلانیت ثواب غرباء پر خرچ کردینا ضروری ہوگا۔(۱)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ انشورنس کراتے ہوئے اس کی حرمت کی وجہ سے ناپسندیدگی کا احساس بھی رکھا جائے، کیوں کہ جو ناجائز چیز ہے

---

(۱) اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے حضرت مولانا ہی کی کتاب "اسلام اور جدید معاشی مسائل" ملاحظہ فرمایئے۔ مرتب۔

ضرورتاً جائز ہوتی ہیں، ان میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ احساسِ کراہت کے ساتھ اس فعل کو پورا کیا جائے، دوسرے جن علاقوں میں بظاہر فسادات کا خطرہ نہیں ہو، وہاں انشورنس سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔

مالکِ کارخانہ کو مزدوروں کے لئے لائف انشورنس کرانا

سوال:- {1923} ایک گھڑی کی مشین کے مالک نے اس پر کام کرنے والے ہر مزدور کے لئے لائف انشورنس کرا رکھا ہے، کیوں کہ اس میں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا ہے، تو انشورنس کرانا اور ان پیسوں کا لینا جائز ہے؟ (حافظ نصیر)

جواب:- اگر گورنمنٹ کی طرف سے قانوناً ایسا کرنا ضروری ہو تو مالک کی طرف سے انشورنس کرا دینا جائز ہے، اگر قانوناً اس پر یہ بات ضروری قرار نہ دی گئی ہو تو انشورنس کرانا جائز نہیں، جو رقم انشورنس کمپنی ادا کرے، ان میں سے وہ مقدار حلال ہے جو گھڑی کمپنی کے مالک نے ادا کی ہے، زائد رقم سود میں داخل ہے، اسے بلا نیتِ صدقہ غرباء پر خرچ کر دینا واجب ہے۔(1)

پراویڈنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس

سوال:-{1924} سینٹرل گورنمنٹ میں پراویڈنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس اسکیم کے سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اگر اسے قبول نہ کیا جائے تو مسلمان عام طور پر معاشی بحران میں رہیں گے، اس لئے کہ مسلمان کے لئے تو اور بھی بہت سارے "ذرائع" مسدود ہیں، مثلاً Bonds, Fine! depoint اور Bribes وغیرہ۔

---

(1) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۲۳۱، محشی۔

اگر اس سلسلے میں پہلے کچھ کہا جا چکا ہے، آپ کے کسی
پرچہ میں ہے تو وضاحت فرمادیں۔

جواب:- پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جائز ہے اور حکومت کی طرف سے عطیہ وانعام اور اس کی اجرت کا ایک حصہ ہے، (۱) گروپ انشورنس اسکیم کی تفصیل جب تک سامنے نہ آئے اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا، لائف انشورنس کی جو مروجہ اسکیم ہے، اس میں سود بھی ہے اور قمار بھی، اس لئے جائز نہیں، عام حکومت اور نجی کمپنیوں کے یہاں غیر سودی اور نفع ونقصان میں شرکت کی اساس پر مبنی شیئرز بھی ہوتے ہیں، ان کو خرید کیا جاسکتا ہے۔

دکان کا انشورنس

سوال:- {1925} ہماری دکانیں ایسے علاقہ میں ہیں
جہاں زیادہ تر غیر مسلم آبادی ہے، اس لئے جب فساد کا خطرہ
ہوتا ہے تو ہماری دکانیں بھی خطرہ میں رہتی ہیں، کیا ہمارے
لئے انشورنس کرانا جائز ہے؟　　(محمد شمشیر، بلاسپور)

جواب:- آپ نے جو حالات لکھے ہیں، اس میں علمائے ہند نے انشورنس کرانے کی اجازت دی ہے، گو اپنی اصل کے اعتبار سے انشورنس جائز نہیں، البتہ دکان کا انشورنس کرانے کے بعد اگر خدانخواستہ فساد میں دکان کو نقصان پہنچا تو جتنا نقصان آپ کو پہنچا ہے، اتنی رقم آپ کے لئے حلال ہوگی اور زائد رقم کو صدقہ کردینا واجب ہوگا۔ (۲)

انشورنس اور اس کی آمدنی

سوال:- {1926} انشورنس کا کیا حکم ہے؟ اور اس

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منتخبات نظام الفتاوی: ۱/۲۰۴۔ محشی۔
(۲) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۳۱۔ محشی۔

سے حاصل ہونے والے منافع کا استعمال درست ہے یا نہیں

(محمد شاکر خاں، سلطان شاہی)

جواب:- جان و مال کے انشورنس میں جوا پایا جاتا ہے، اس لئے انشورنس کرانا جائز نہیں، ہاں! اگر ایسے علاقہ میں جائز ہے جہاں بار بار فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہوں، البتہ اس صورت میں بھی انشورنس کرانے والے کے لئے اتنی ہی رقم حلال ہوگی، جتنی اس نے جمع کی تھی، جو زائد رقم ملے اس کو بلا نیت ثواب غرباء پر خرچ کردینا ضروری ہے۔ (۱)

L.I.C. کی ایجنسی

سوال:- (1927) ایک بیوہ صاحبہ جن کی کمسن اولاد بھی ہیں، ان بچوں کی پرورش کے لئے ایک چھوٹی سی دکان ہے، جس کی آمدنی محدود ہے، گزر بسر کے لئے موصوفہ L.I.C میں بحیثیت ایجنٹ کام شروع کررہی ہیں، اس پیشے میں سود بھی شامل ہے، موصوفہ کا اس پیشے سے تعلق رکھنا کہاں تک درست ہے؟ (حافظ عبد السلام، سکندرآباد)

جواب:- L.I.C میں سود بھی ہے اور قمار بھی، اگر اسکیم لینے والا مدت پوری ہونے تک زندہ رہا تو اضافہ کے ساتھ رقم ملتی ہے، یہ سود ہے، اور اگر اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا ہو تو خواہ اس نے کتنا بھی جمع کیا ہو وہ مکمل رقم حاصل کرتا ہے، یہ قمار اور جوا ہے، اس لئے L.I.C جائز نہیں، اور جیسے گناہ کا ارتکاب جائز نہیں، اسی طرح گناہ کے کام میں تعاون اور لوگوں کو اس کام کی طرف دعوت دینا بھی جائز نہیں، (۲) L.I.C ایجنٹ کو بھی ظاہر ہے کہ لوگوں

(۱) بذل المجهود: ۲۷/۸، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۲۲۳/۷۔ محشی۔

(۲) ﴿ لا تعاونوا على الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ: ۳) محشی۔

کو اس کی طرف راغب کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہیں، اللہ پر بھروسہ کریں، اور کوئی ایسا کام تلاش کریں، جو شرعاً عورت کے لئے جائز ہو، جیسے لڑکیوں کے اسکولوں میں ٹیچنگ وغیرہ، ان شاء اللہ اللہ کی مدد شریک حال ہوگی۔

لائف انشورنس کی طرح کا ایک ادارہ

سوال:- (1928) لائف انشورنس کے طرز کا ایک اور ادارہ ہے جس کا نام "پیرلیس جنرل فینانس اینڈ انوسٹ منٹ کمپنی" ہے جس میں لوگ اپنی اپنی رقومات جمع کرتے ہیں، مثال کے طور پر 10000/- کی پالیسی کروائی جائے تو سالانہ 760/- روپیہ دینے پڑتے ہیں، اس طرح سے سال کے ختم پر کمپنی 11000/- روپے ادا کرتی ہے، جس میں 3,400/- روپے کی زائد رقم "بونس" کے عنوان سے ادا کی جارہی ہے، اور کمپنی والوں کا یہ کہنا کہ ہم لوگوں کی جمع شدہ رقم دوسرے کاروبار میں لگاتے ہیں، اس لئے یہ "بونس" ہمیں جو فائدہ ملتا ہے اس میں سے ادا کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ایجنٹ جو لوگوں کو پالیساں کروانے کی ترغیب دیتے ہیں، انھیں ان کی طرف سے جو لوگ پالیسیاں بناتے ہیں اور جو رقم جمع کرتے ہیں، اس کا 5% حصہ ملتا ہے، جب تک ان کی پوری پالیسی ختم نہ ہوجائے اور جب یہ دوسروں کو "ایجنٹ" بناتے ہیں اور اس طرح سے ان کی توسط سے جو لوگ اپنا پیسہ جمع کرواتے ہیں، اس کا بھی 5% حصہ ملتا ہے، ایسی حالت میں یہ جو کمائی ہوگی، کیا جائز ہوگی؟ نیز ان پالیسیوں میں اگر کوئی حادثاتی

موت مرجائے تو اسے اس کی جمع شدہ رقم اور شامل پالیسی کی رقم واپس کردی جاتی ہے۔ ان پالیسیوں میں قرض بھی لیا جاسکتا ہے اور ان پالیسیوں کو بیچ ہی میں ختم کرکے جمع شدہ رقم کا 90% حصہ واپس لیا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ لائف انشورنس کے طرز کا یہ ایک ادارہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایک مسلمان اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ نیز اگر کوئی ایجنٹ کے طور پر اس ادارہ کی خدمت کرے اور اس سے معاوضہ کے طریقہ پر حاصل شدہ رقم کیا جائز ہوسکتی ہے؟ (مرشد علی، بھیم پیٹ)

جواب:- حدیث میں آیا ہے کہ:

''ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ حرام کو حلال کا نام دے کر استعمال کرنے لگیں گے، وہ شراب پئیں گے مگر اس کا دوسرا نام دے دیں گے''(۱)

ہمارے زمانے نے اس پیشین گوئی کو عملاً ثابت کردیا ہے، آپ نے سوال میں جس قسم کے ''بونس'' کا ذکر کیا ہے، دراصل اسی قسم کی چیز ہے اور سود میں داخل ہے، کمپنی والے سے جس نوعیت کا معاملہ آپ برقرار رکھنا چاہتے ہیں وہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ کی رقم میں پہلے ہی سے کاروبار میں نفع کا تناسب مقرر و متعین کردیا جاتا، مثلاً یہ کہ آپ کی رقم ہم کاروبار میں لگائیں گے اس میں جو کچھ فائدہ ہوگا، اس کا ۔۔۔ فیصد آپ لیں گے اور اتنا ہم، نیز اگر کوئی نقصان ہو اس میں بھی ہم دونوں کی شرکت ہوگی، اس قسم کے معاملات کو اسلامی قانون میں ''شرکت ومضاربت'' کہا جاتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۵۹۰، باب ما جاء فیمن یستحل الخمر و یسمیه بغیر إسمه۔ محشی۔

مذکورہ پالیسی میں درحقیقت سود اور جوا دونوں ہے، اور ان دونوں چیزوں کی اسلام نے شدید ترین مذمت کی ہے،(۱) پھر شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو کام گناہ کا ہوگا اس میں تعاون اور ذریعہ بننا بھی اس مناسبت سے گناہ کی بات ہوگی، اور ناجائز ہوگی، اب جو لوگ اس کے ایجنٹ بن کر رقم حاصل کرتے ہیں وہ دراصل ایک ایسے ادارہ کا تعاون کرتے ہیں، اور اس تعاون کی قیمت وصول کرتے ہیں جو دن ورات حرام کاروبار اور اس کے فروغ میں کوشاں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ کمائی ناجائز ہوگی، بلکہ اگر کوئی شخص بلامعاوضہ ایجنٹ کا کام کرے اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دے، تو وہ بھی گنہگار ہوگا اور کار معصیت کا مرتکب ہوگا، دوسرے اگر یہ معاملہ جائز بھی ہوتا تو اس میں 5% اجرت کا جو طریقہ کار متعین کیا گیا ہے وہ بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

حرام مال کے ترکہ سے متعلق چند مسائل

سوال:- (1929) (الف) زید نے اپنی تمام کمائی سے دولت جمع کر کے اور اپنی اولاد کو اسی حرام مال سے بزنس کر کے اسی میں لگا دیا، تو کیا یہ مال اولاد کے لیے حلال ہے؟

(ب) زید کے انتقال کے بعد اس کا جمع کردہ حرام مال حلال شمار ہوگا یا نہیں؟

(ج) زید کی حرام دولت اولاد کے لیے انتہائی مجبوری کی حالت میں جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ (المائدة: ۹۰-۹۱) مرتب۔

(د) زید کی اولاد کو یہ معلوم ہے کہ اس کے باپ کا
ذریعہ معاش حرام ہے، تو کیا اس سے بچنے کے لیے (محض
رضاء الٰہی مقصود ہے) گھر سے علاحدگی اختیار کی جائے، تو کیا
یہ والدین کی نافرمانی شمار ہوگی اور کیا والدین کی بددعا کا مستحق
ہوگا، اگر بددعا دی جائے تو قبول ہو سکتی ہے؟

(عبدالجبار، ملک پیٹ، حیدرآباد)

جواب:- (الف) جائز نہ ہوگا، ہاں! اگر ان کی کچھ حلال ذرائع آمدنی بھی ہو اور معلوم نہ ہو کہ یہ مال خاص مال حرام ہی سے ہے تو اجازت ہے۔

(ب) حلال نہیں ہوگی جن حضرات سے بطریق حرام لیا گیا ہے، اگر ان تک پہونچانا ممکن ہو تو پہونچا دیا جائے ورنہ صدقہ کر دیا جائے:

" و إذا مات الرجل و كسبه خبيث فالأولى لورثته أن يرد المال إلى أربابه فإن لم يعرفوا أربابه تصدقوا به "(۱)

اور اگر بعض ذرائع حلال اور بعض حرام ہوں اور ورثاء کو معلوم نہیں کہ کون سے ذریعہ سے ہے تو اب حلال ہے:

" و إن كان كسبه من حيث لا يحل و ابنه يعلم ذالك و مات الأب و لا يعلم الابن بعينه فهو حلال له "(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية :۳/۳۰۹، مکتبہ زکریا دیوبند، كتاب الكراهية ، الباب الخامس عشر في الكسب ۔

(۲) حوالۂ سابق

البتہ از راہ تقویٰ صدقہ کر دینا بہتر ہے: "و الورع أن یتصدق به" (۱)

(ج) اگر اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو اور ورثاء کو فاقہ درپیش ہو تو کراہت خاطر کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے۔

(د) والدین سے حسن سلوک بہر حال ضروری ہے، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، البتہ اگر والدین کا ذریعہ معاش صرف حرام ہی ہو تو اس سے بچنے کے لیے تعلقات رکھتے ہوئے کھانے کا نظم الگ کر لینا درست ہوگا۔

مینڈھے اور بکریوں کا انشورنس

سوال:- (1930) میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ مینڈھے اور بکریوں کی تجارت کر رہا ہوں، یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بکری یا مینڈھے کا انشورنس کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بارش میں اکثر بکری اور مینڈھے کو بیماری آتی ہے یا یوں کہئے کہ بارش میں اکثر بکریاں اور مینڈھے مر جاتے ہیں، تو کیا اس نقصان سے بچنے کے لیے انشورنس کرانے کی گنجائش ہے؟ (خالد عبدالوحید، بمرج)

جواب:- انشورنس درحقیقت سود اور قمار (جوا) کا مجموعہ ہے، جو شریعت کی نگاہ میں بدترین عمل ہے، قرآن وحدیث میں متعدد مواقع پر اس کی حرمت موجود ہے، یقیناً شریعت میں بعض مجبوریوں کے تحت ناجائز کام بھی جائز ہو جاتے ہیں، مگر آپ نے جو مجبوریاں پیش کی ہیں، وہ قطعاً اس کے جواز کی گنجائش فراہم نہیں کرتیں، اس سے خوب بچئے! (۲)

---

(۱) الفتاوی الہندیة: ۳/۴۰۹، مکتبہ رحیمیہ دیوبند، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر فی الکسب۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۲۱، ۳۲۳۔ محشی۔

قرض کے احکام

کاروبار کے لیے بینک سے قرض

سوال:- {1931} بہت سے لوگ کاروبار کے لیے بینک سے قرض لیتے ہیں، جسے قسط وار ہر ماہ ادا کرتے ہیں، اس قرض کو سود کے ساتھ واپس کرنا ہوتا ہے، کیا اس طرح سودی قرض لینا جائز ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- جیسے سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شدید مجبوری کے بغیر سود دینا بھی حرام ہے، اس لیے محض کاروبار کو وسعت دینے اور کاروبار کو بڑھانے کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں، جو شخص بے روزگار ہو، اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، اسی طرح کسی اور ضرورت کے تحت بہت مجبور شخص کے لیے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔ "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (۱)

---

(۱) الأشباہ والنظائر، ص:۱۳۹۔

بینک سے قرض

سوال:- (1932) کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام و علماءِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں:

(الف) مجبوری کے باعث بینک سے قرض لے کر تجارت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینک سے جو قرض لیا جائے تو سود کا دینا لازمی ہے۔

(ب) بینک میں روپیہ جمع کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(ج) بینک سے جو سود ملتا ہے تو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(د) بینک سے جو سود ملتا ہے تو اس کا استعمال کہاں کہاں کر سکتے ہیں، کہاں نہیں کر سکتے؟

(اکبر الدین، محبوب نگر)

جواب:- (الف) جس طرح سود لینا جائز نہیں، اسی طرح دینا بھی جائز نہیں، البتہ ناگزیر معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے سودی قرض لیا جا سکتا ہے، اس لیے اگر تجارت کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور تجارت کے لیے ایسا قرض لینا ضروری ہو جائے تو بینک سے سودی قرض لیا جا سکتا ہے۔(۱)

(ب) اگر روپیہ کی حفاظت کے لیے بینک میں جمع کرنا مناسب محسوس ہو تو اجازت ہے۔

---

(۱) " يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح "(الأشباه و النظائر لابن نجيم: ص: ۹۳، ط: بیروت) و في الحموي : قوله : يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح و ذلك نحو أن يقرض عشرة دنانير مثلاً و يجعل لربها شيئاً معلوماً في كل يوم ربحاً معلوماً "(ص: ۲۹۳، الفن الأول ، القاعدة الخامسة في آخر الباب)

(ج) سود کی رقم بھی لے لینا چاہیے، اس لیے کہ اگر آپ نہ لیں تو ایک سودی ادارہ کا تعاون ہوگا۔

(د) عام رفاہی کاموں میں بلانیت ثواب خرچ کرنے کی اجازت ہے، ثواب کی نیت سے کسی کو دینا جائز نہیں اور نہ یہ صدقات و زکوۃ میں ادا کی جاسکتی ہے۔(۱)

سودی قرض حاصل کرنا

سوال:- [1933] کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ایک دواخانہ مقامی بینکوں کے قرض کی مدد سے قائم کیا گیا، جس کا شرح سود تقریباً 16% تا 20% ہے، اب اس مقامی قرضے کی ادائیگی کے لیے ایک بین الاقوامی مالی ادارے سے نہایت ہی کم شرح سود پر یعنی (3%) پر قرض حاصل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، جس کے حصول میں کئی واسطے حائل ہیں، اور یہ قرض دہندہ ادارہ مقامی بینک کی توثیق کے بعد یہ رقم جاری کرتا ہے، جس کی ادائیگی کی کئی شرطیں بھی ہوتی ہیں، ادائیگی اور رقم پہنچنے کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی، صرف ادائیگی تک کی کاروائی کے لیے مقامی واسطے بننے کی ذمہ داری ہم پر ہوتی ہے، جس کا کام صرف جانبین کو اطلاعات بہم پہنچانا ہوتا ہے، چوں کہ قرض دہندہ اور قرض دار دونوں کے درمیان کوئی رابطہ اور تعلقات نہیں، اس لیے اگر یہ

---

(۱) سود کی رقم کو بلانیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے، اس کو اپنے کسی بھی ذاتی کاموں میں لگانا جائز نہیں ہے۔ "لأن الكل واجب التصدق" (فتاویٰ بحوالہ فتاویٰ عبدالحیٔ: ص:۲۳۳)

معاملہ ہمارے تعاون سے ہو جاتا ہے تو رقم کے حصول کے بعد کل رقم کا 3% ہمارے اجرت یا کمیشن لیا جاتا ہے، جس کا کچھ حصہ ہمیں بھی ملتا ہے۔

واضح رہے کہ بطور کمیشن لی جانے والی رقم سود نہیں ہوتی، بلکہ اصل رقم کا حصہ ہوتی ہے، اور ہماری حیثیت اس معاملے میں قرض دہندہ کے نمائندہ کی ہوتی ہے، "In Between" حصول تو ثیق میں اگرچہ ہماری معاونت "Correspondent" ہوتی ہے لیکن یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہوتی، اسی طرح نہ ہم شرح سود طے کرتے ہیں، نہ اس کے قوانین مرتب کرتے ہیں، اور نہ گواہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

اجمالاً یہ کہ اس کم شرح فیصد والے سود کی قرضے میں قرض دہندہ کی جانب سے وساطت میں ہماری حیثیت ''نمائندہ'' اور ''ڈیلیگیٹ'' کی ہے، اس معاملے کے مکمل ہو جانے کے بعد قرض دہندہ اور قرض خواہ دونوں کی جانب سے کچھ رقم بطور اجرت یا کمیشن ملتی ہے۔

اس پس منظر میں دو امور وضاحت طلب ہیں:

(الف) کیا اس طرح بڑے شرح سود والے قرض کی ادائیگی کے لیے چھوٹے شرح سود والے قرض کا لینا درست ہے؟

(ب) اہم امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا وساطت کی شکل میں جو اجرت یا کمیشن مل رہا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

امید ہے کہ دلائل کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت

فرمائیں گے۔ (مسعود بن ضیب، ہلکومان)

جواب:- (الف) جیسے سود لینا گناہ ہے اسی طرح سود دینا بھی یعنی سودی قرض حاصل کرنا بھی گناہ ہے، اصل اہمیت شرح سود کے کم اور زیادہ ہونے کی نہیں ہے، بلکہ فی نفسہ سود کے لین دین کی ہے، لہذا ایک دفعہ تو وہ شخص سودی قرض لے ہی چکا ہے، اب اگر کم شرح سود پر دوبارہ قرض حاصل کرتا ہے تو دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں، ہاں! اگر زیادہ شرح سود والا قرض ادا کرنے کے لیے کم شرح سود والا قرض دینے پر مجبور ہو، اس کے سوا ادائیگی اور پیسے نہ ہوں تو مجبوراً قرض حاصل کرسکتا ہے۔ (۱)

(ب) جیسے سود پر قرض کا لینا دینا حرام ہے، اسی طرح سودی قرض کے لین دین میں واسطہ اور معاون بننا بھی جائز نہیں، ظاہر ہے کہ قرض دلانے کے لیے جو شخص واسطہ بن رہا ہے، وہ ایک سودی کاروبار میں معاون بن رہا ہے، اور گو اس کو کمیشن یا اجرت اصل رقم میں سے ملے، لیکن بہر حال یہ اس تعاون ہی کا اجر و صلہ ہے، لہذا اس معاملہ میں معاون بننا اور اس کی اجرت لینا بھی درست نہیں۔ (۲) واللہ اعلم۔

قرض کی ادائیگی میں زیادہ واپس کیا جائے؟

سوال:- (1934) "الف" کے پاس "ب" کے کچھ روپے تھے، اب جبکہ "الف" روپے واپس کر رہا ہے تو اپنی طرف سے مزید کچھ نقد دے رہا ہے، تو کیا اس کو سود سمجھا جائے گا؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اگر مقروض قرض خواہ کے مطالبہ و شرط کے بغیر اپنی طرف سے کچھ بڑھا کر قرض دہندہ کو دے دیا تو یہ صورت نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل: ص: ۲۷۔ محشی۔
(۲) ﴿ و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ: ۲) محشی۔

کی ترغیب دی ہے۔(۱) قرض دہندہ کی طرف سے مطالبہ ہو، یا مطالبہ تو نہ ہو لیکن اس علاقہ میں مقروض کا بڑھا کر دینا مروج ہو، یا یہ بات مشہور ہو کہ قرض دہندہ اسی شخص کو قرض دیتا ہے جو کچھ اضافہ کے ساتھ قرض واپس کرے، ان تمام صورتوں میں زیادہ دینا جائز نہیں، بلکہ یہ سود میں داخل ہے، کیوں کہ فقہاء کا اصول ہے کہ جو بات معروف و مروج ہو وہ شرط کے درجہ میں ہوتی ہے،(۲) اور قرض میں اضافہ کی شرط لگائی جائے تو سود ہے۔

قرض سے نفع

سوال:- (1935) میرے ایک رشتہ دار نے اپنی ذاتی ملکی کرایہ پر دے رکھی ہے، جس کا کرایہ انھیں ہر ماہ پانچ سو روپے کی شکل میں ملتا ہے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں ان کو بیس ہزار روپے بہ طور قرض حسنہ دوں تو وہ اپنی ملکی کا پانچ سو روپے کرایہ ہر ماہ مجھے دیں گے، کیا اس طرح سے ملکی کا کرایہ لینا جائز ہوگا؟ (شیخ امیر علی، شکر نگر)

جواب:- یہ صورت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۳) یہاں یہی صورت ہے، گویا بیس ہزار روپے پر ۵۰۰ر ماہانہ نفع پر معاملہ طے پارہا ہے، دراصل یہ صورت سود کی ہے، اسی لیے فقہاء نے قرض کے درست ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کے ساتھ قرض دینے والے کے لیے کسی طرح کے نفع کی شرط نہ ہو۔

---

(۱) "استقرض رسول اللہ ﷺ سنا فاعطی سنا خیرا من سنہ وقال : خیارکم أحاسنکم قضاء" عن أبي هريرة ﷺ (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۱۳۱۶، باب ماجاء في استقراض البعير أو الشيئ من الحيوان) محشی۔

(۲) "المعروف عرفا کالمشروط شرعا" (القواعد الفقهية لابن قيم، ص:۳۶۲) محشی۔

(۳) سنن بیہقی:۵/۳۵۰۔

"أما الذي يرجع إلى نفس القرض فهو أن لا يكون فيه جر منفعة" (۱)

قرض کی وجہ سے کرایہ کم لینا

سو(۱):- (1936) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

مسجد کے ذمہ داروں نے مسجد کی زمین پر عمارت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، تا کہ مسجد کی خاطر خواہ آمدنی ہو، چنانچہ اس تعمیر کے لیے چندہ وغیرہ سے جو رقم حاصل ہوئی وہ عمارت کی تعمیر کے لیے ناکافی تھی، لہذا ذمہ داران مسجد نے چار پانچ افراد سے قرض حسنہ کے طور پر فی کس پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپے لیے اور عمارت تعمیر کی گئی، اور ان قرض حسنہ دہندگانوں کو اس عمارت میں جتنے اپارٹمنٹ بنائے گئے فی کس -/500 روپے کرایے کے طور پر دے دیا گیا، اگر ان اپارٹمنٹوں کو عام لوگوں کو کرایے پر دیا جائے تو کرایہ -/500 سے بھی زیادہ ہوتا، چوں کہ ان لوگوں نے قرض حسنہ دیا ہے، اسی وجہ سے -/500 کرایہ پر دیا گیا، اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہ جس وقت ان قرض دہندگان کا قرض ادا کر دیا جائے گا، اس وقت سے پھر کرایہ عام لوگوں کے کرایہ کی طرح ہو جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کم کرایے پر اپارٹمنٹ کو دینا جائز ہے؟ یہ بات بھی ہے کہ اگر یہ لوگ قرض حسنہ نہ دیتے تو

---

(۱) بدائع الصنائع: ۵۱۸/۶۔

یہ عمارت ہی تعمیر نہ ہوتی، جس کی وجہ سے جو فی الوقت آمدنی
مسجد کو ہورہی ہے وہ بھی نہ ہوتی، گویا مسجد کو کچھ نہ کچھ آمدنی اس
صورت میں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر اوپر کی صورت جائز ہو تو کوئی مسئلہ
ہی نہیں اور اگر مسئلہ میں جواز کی صورت نہ ہو تو کوئی ایسی
صورت بتائیں جس کی وجہ سے دونوں فریق مطمئن ہوسکیں۔
جواب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

(محمد اقبال، صدر مسجد)

جوارب:- قرض پر کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا مناسب نہیں۔ کیوں کہ اس میں سود کا شبہ ہے،(۱) جو صورت آپ نے درج کی ہے اس میں سود تو نہیں ہے، کیوں کہ کرایہ دار حضرات کرایہ ادا کررہے ہیں، اور کرایہ کی مقدار کم وبیش ہوسکتی ہے، لیکن چوں کہ قرض کی بناء پر کرایہ معروف مقدار سے کم ہے، اس لیے شبہ سود ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں ہے، مناسب ہوگا کہ ان حضرات کو یہ بات سمجھائی جائے کہ مسجد کا مفاد ہے، بحد الجملس انتظامی کے لیے فی الحال کرایہ کی اسی مقدار کو قبول کرنے کی گنجائش ہے، البتہ کوشش کرنی چاہیے کہ جلد سے جلد عوامی تعاون کے ذریعہ اس قرض کو ادا کردیں، تاکہ مسجد کو نقصان سے بچا سکیں۔ واللہ اعلم۔

مسجد کی رقم کو بطور قرض دینا

سوال:- (1937) کیا مسجد کی جائداد کی آمدنی سے
ملازمین مسجد کو (امام ومؤذن خادم وغیرہ) قرض حسنہ کے طور
پر دیا جاسکتا ہے؟ کیا ان ملازمین کو علاحدگی کے وقت یا انتقال
کے وقت ورثاء کو معاوضہ حسن خدمت مسجد کی آمدنی سے دیا

(۱) "کل قرض جر نفعها فهو ربا" (الجامع الصغیر :۲/۲۸۳) محشی۔

جا سکتا ہے، جب کہ وہ ضعیفی کی وجہ سے کام کے قابل نہ رہے ہوں؟

امام ومؤذن کے انتقال کی صورت میں بیوہ کو مسجد کی آمدنی سے ماہانہ وظیفہ دیا جا سکتا ہے؟

(عبدالواحد، معتمد مدرسہ ضیاء الاسلام)

جواب:- ان مسائل کے سلسلہ میں چند اصول پیش نظر رہیں، اولاً یہ کہ مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی حیثیت عوام کی طرف اپنے موقوفہ زمین ورقوم وغیرہ پر وکیل کی ہے اور وہ جو کچھ تصرف کرے گی بحیثیت وکیل کرے گی، کمیٹی اس میں ایسے تمام اقدامات کی مجاز ہوگی، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ چندہ دینے والوں کو اس کی اطلاع ہو تو وہ ناراض نہ ہوں، عوام کی مرضی معلوم کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ عرف میں ملازمین کے ساتھ وہ رعایتیں روا رکھی جاتی ہیں، یہاں عرف عام ہی ان کی طرف سے اجازت کے مرادف ہوگا۔(۱) دوسرے یہ کہ خود چندہ دہندگان اور واقف سے تحقیق کر لی جائے، دوسرا اصول یہ ہے کہ مسجد کے اوقاف کا استعمال مصالح مسجد ہی میں کیا جا سکتا ہے، امام ومؤذن وغیرہ کی اجرت اور اعانت بھی مصالح مسجد ہی میں داخل ہے، لہذا صورت مسئولہ میں عوام کی مرضی پر موقوف ہے، اگر اندازہ ہو کہ وہ اس پر راضی ہوں گے تو دینا درست ہوگا، ورنہ نہیں۔

قرض دہندہ لاپتہ ہو جائے

سوال:- {1938} زید نے ایک غیر مسلم سے چند سال پہلے کچھ تعمیری اشیاء ادھار لی تھیں، بعد میں کچھ رقم ادا کر دی گئی، لیکن کچھ رقم باقی رہ گئی، جو ادا نہ ہو سکی بعد میں اس

(۱) "و منها الفاظ الواقفين تبتني على عرفهم" (الأشباه و النظائر لابن نجيم: ص: ۹۵ القاعدة السادسة)

دوکان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، کیونکہ دوکان برخاست ہوگئی،
مالک دوکان کا بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ ہے بھی یا نہیں،
اب اس رقم کا کیا کیا جائے؟ (ایک قاری، نرساپور)

جواب:- اولاً تو حتی المقدور اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، اگر مل پائے تو اتنے پیسے صدقہ کردیں، لیکن یہ نیت رکھیں کہ آئندہ اگر اصل مالک سے ملاقات ہوگئی تو اسے ادا کردیں گے، جیسا کہ گمشدہ اشیاء ملنے کا حکم ہے کہ اگر صدقہ کردیا ہو اور بعد کو اصل مالک دستیاب ہوگیا تو اس سے اس کا بدل ادا کرنا واجب ہے۔(۱)

شادی میں اعانت کی رقم کو قرض کی ادائیگی میں منہا کر لینا

سوال:- {1939} میں ایک غریب آدمی ہوں، عزیز و اقارب کی مدد سے میری لڑکی کی شادی ہونے جارہی ہے، ایک صاحب نے میرے ایک ایسے عزیز کے پاس یہ امدادی رقم دی ہے کہ جن کا قرض میرے ذمہ باقی ہے، وہ اس رقم کو قرض میں وضع کرلینا چاہتے ہیں، تو کیا ان کا ایسا کرنا درست ہوگا؟ (معرفت م ع، الف، ف،)

جواب:- جب کسی شخص نے خاص شادی ہی میں خرچ کرنے کی نیت سے یہ رقم دی ہے، تو ضروری ہے کہ اسی مصرف میں یہ رقم خرچ کی جائے، کیوں کہ واقف کے منشا کی رعایت

---

(۱) "فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها إيصالا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان و ذلك بإيصال عينها عند الظفر بصاحبها ، و إيصال العوض و هو الثواب على اعتبار أجازته التصدق بها و إن شاء امسكها رجاء الظفر بصاحبها قال : فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها ... و إن شاء ضمن الملتقط " (الهداية :۲/۶۱۵)محشی۔

ضروری ہے، اس رقم کی مالک اصل میں آپ کی لڑکی ہے نہ کہ آپ، لہذا ان صاحب کا آپ کے قرض کے بدلے اس رقم کو روک لینا درست نہیں، البتہ آپ کو چاہیے کہ کسی اور ذریعہ سے جلد سے جلد ان کی رقم ادا کر دیں، کیوں کہ قرض لے کر ادا نہ کرنا سخت گناہ اور آخرت میں اس کے لیے سخت پکڑ ہے، بلکہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص قرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اللہ اس کے لیے ادائے قرض کو آسان فرما دیتے ہیں،(۱) اس لیے آپ نیک نیتی کے ساتھ قرض ادا کرنے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ، اللہ تعالی کی مدد ہوگی۔

قرض کی دستاویز

سوال:- {1940} اگر کسی کو قرض حسنہ دیا جائے (چاہے وہ حقیقی بہن یا بھائی ہی کیوں نہ ہو) تو کیا اس قرض کے بارے میں کاغذ پر لکھ لینا بہتر ہے، اس سلسلہ میں شرعی احکام کیا ہیں؟ اور سنت رسول سے کیا اس کا کوئی جواز ملتا ہے؟

(عبداللہ، حسن نگر)

جواب:- اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ جب ایک مقررہ مدت کے لیے دین کا معاملہ کرو تو اسے قید تحریر میں لے آؤ: ﴿إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾(۲) اس سے اختلاف و نزاع کے مواقع کم ہو جاتے ہیں، اسی لیے قرض کو لکھ لینا بہتر ہے، اور لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ایسی تحریر میں لکھنے کا مقصد بے اعتمادی نہیں ہے، بلکہ معاملات کی صفائی ہے۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : من أخذ أموال الناس يريد أداءها أدى الله عنه و من أخذ يريد إتلافها أتلفه الله" (صحيح البخاري، حديث نمبر: ۲۳۸۷، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها او إتلافها و الخ) محشی۔

(۲) البقرة: ۲۸۲۔

کاروبار کو بڑھانے کے لیے قرض

سوال:- (1941) کیا کاروبار کو بڑھانے کے لیے
بلا سودی قرض لیا جاسکتا ہے؟ (محمد نظام الدین، مغل پورہ)

جواب:- بلا ضرورت قرض لینا بہتر نہیں اور ناجائز بھی نہیں، کم تر درجہ کی ضرورت کے لیے بھی قرض حاصل کیا جاسکتا ہے، اگر توقع ہو کہ وہ اسے ادا کرسکے گا، اس لیے کاروبار کو بڑھانے کے لیے قابل ادائیگی غیر سودی قرضے لینا درست ہے۔(۱)

بے روزگار مسلمان نوجوانوں کے لیے معمولی شرح سود پر سرکاری قرضہ

سوال:- (1942) بینکوں کی جانب سے بے روزگار مسلم نوجوانوں کو کم ہی قرض دیا جاتا ہے، لیکن میری ریاست میں بہت ہی کم شرح سود پر بے روزگار اور معاشی اعتبار سے پسماندہ مسلمان اور نوجوانوں کو گورنمنٹ کے ذریعہ یہ سہولت فراہم کی جارہی ہے اور ان قرضوں کے سبب یہ نوجوان اپنے کاروبار شروع کر رہے ہیں، تو کیا بے روزگار مفلس اور پسماندہ مسلمانوں کو انتہائی معمولی شرح سود پر قرض دلانا یا خود قرض لینا درست ہوگا؟ (محمد عبدالرحیم، حیدرآباد)

جواب:- سود لینا اور دینا دونوں ہی گناہ ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیویٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں، تو جیسے حکومت

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۹۰ محشی۔

دوسرے شہریوں کو روزگار کے لیے قرض فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کرسکتے، ان کے لیے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے، جو زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے، اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا رجحان اسی طرف ہے۔(۱) ورنہ اس کی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے، اصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کا مقصد اس طرح کی اسکیم سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا، بلکہ بے روزگاری دور کرنا مقصود ہوتا ہے، اسی لیے بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف بھی کردیا جاتا ہے، اگر یہ معافی زائد رقم کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو ایسی صورت میں سود کا کوئی شائبہ ہی باقی نہیں رہے گا، بہر حال بے روزگار و غریب نوجوان مسلمانوں کا آپ اس سلسلہ میں تعاون کرسکتے ہیں۔

مقروض سے رقم وصول کرنے کی اجرت لینا

سوال:- (1943) زید ایک اسکیم چلاتا ہے، جس میں کئی ممبر ہوتے ہیں، اس کا طریقہ کار اس طرح ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے ممبروں کو قرض دیا جاتا ہے، جیسے ایک ہزار روپے دے کر روزانہ ان سے دس روپے لیے جاتے ہیں، بارہ سو ہونے کے بعد اس کا حساب ختم ہوجاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار روپے دے کر بارہ سو روپے وصول کرتے ہیں، جو زائد رقم وصول کی جاتی ہے، اسے روزانہ اس ممبر کے پاس جاکر

(۱) دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی: ۱/ ۲۱۸۔

دس روپے وصول کرنے کی محنت کا معاوضہ کہا جاتا ہے، اس
طرح یہ اسکیم چلتی رہتی ہے، یہ طریقہ شرعی اعتبار سے کس حد
تک جائز ہے؟ (ایک قاری)

جواب:- رقمی لین دین میں کمی بیشی ہو تو اس سے سود پیدا ہو جاتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو قرض دے اور وہ
کوئی تحفہ دے تو اسے قبول نہ کرے، یہاں تک کہ وہ اپنی
سواری پر بیٹھانا چاہے تو نہ بیٹھے سوائے اس کے کہ پہلے سے
اس قسم کا سلوک دونوں کے درمیان ہو"(1)

اس لیے محض قرض پر نفع حاصل کرنا تو جائز نہیں، البتہ اگر زید قرض لینے والے سے یہ گفتگو کرے کہ یا تو تم خود مجھ تک رقم پہنچا دو، یا میں روزانہ آکر رقم لے لیا کروں گا، لیکن ایک سو بار جو دس دس روپے لینے کے لیے آؤں گا، اس کی اجرت دو سو روپے ہوگی، تو یہ صورت جائز ہے، کیوں کہ یہ قرض پر نفع لینا نہیں، بلکہ اپنی محنت کی اجرت وصول کرنا ہے۔

قرض حسنہ

سوال:-(1944) کیا قرض حسنہ لیا جا سکتا ہے؟
جب کہ حکم یہ ہے کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ
ہی سے مانگا جائے۔ (حیدر اختر شریف، نورخاں بازار)

جواب:- قرض حسنہ سے مراد ایسا قرض ہے، جس پر دینے والا سود نہ لے، بلکہ حصول اجر کی نیت سے قرض دے اور لینے والا ادائیگی کی نیت سے قرض حاصل کرے، قرض کا لینا اور

---

(1) سنن ابن ماجة ص:۱۷۵۔

دینا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ پر ایک یہودی کا قرض تھا، اس نے آپ ﷺ سے تیز گفتگو کی، صحابہ ؓ کو یہ بات ناگوار گزری، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، کیوں کہ صاحب حق کو کہنے کی گنجائش ہے اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک اونٹ خرید کر میری طرف سے اس کا قرض ادا کر دو، امام بخاریؒ نے اس حدیث سے قرض لینے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے۔(۱) قرآن مجید میں بھی قرض کے لین دین کا ذکر موجود ہے، اور اسے لکھ لینے کا مشورہ دیا گیا ہے۔(۲) چنانچہ فقہاء نے اسی کی روشنی میں ایسی چیزوں میں قرض کے لین دین کو جائز قرار دیا ہے، جو ''مثلی'' ہیں، مثلی سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ناپ کر یا تول کر بیچی جاتی ہیں، یا گن کر بیچی جاتی ہیں، لیکن ان کے افراد میں کوئی خاص تفاوت نہیں پایا جاتا۔(۳) اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اصل مطلوب و مقصود اللہ تعالیٰ کو بنائے اور انسانوں کی مدد کو محض ایک واسطہ سمجھے، کیوں کہ قرض دینے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ ہی یہ خیال پیدا کرتے ہیں کہ وہ فلاں شخص کو قرض دے، یہ مطلب نہیں کہ اپنی ضروریات میں کسی انسان سے مدد ہی نہ لی جائے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا نظام باہمی احتیاج پر رکھا ہے، اور ہر شخص کو دوسرے کا کسی نہ کسی مسئلہ میں محتاج بنایا گیا ہے۔

غیر سودی بیت المال کے لیے طریق کار

سوال:-(1945) کچھ لوگ ایک ایسی رفاہی سوسائٹی قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں کچھ سرمایہ داروں کی رقوم بطور امانت ہوں گی، جب بھی ان کو لوٹاری جائے گی، وہ اس پر کچھ نفع نہیں لیں گے، ان کی رقم اجازت کے بموجب سوسائٹی

---

(۱) صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۲۳۹۰،باب استقراض الدين ـ

(۲) البقرة :۲۸۲ـ

(۳) الفتاوى الهندية :۳/۲۰۱ـ

غرباء مستحقین کو بلا سودی قرضے دے گی، اس ادارے کو چلانے کے لیے ملازمین اور دفتر وغیرہ کی ضرورت ہوگی، جس کے اخراجات ہوں گے، ان اخراجات کی تکمیل کے لیے مقروض سے کوئی رقم لی جاسکتی ہے؟ اور اگر لی جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی کہ قرض سے انتفاع بھی نہ ہو اور ان ناگزیر اخراجات کی تکمیل بھی ہو جائے؟ (ایک دینی بھائی)

جواب:- جس طرح سود لینا جائز نہیں، اسی طرح یہ بات بھی درست نہیں کہ قرض پر نفع حاصل کیا جائے،(۱) دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اگر مقروض سے کچھ تعاون نہ لیا جائے، تو اس قسم کے غیر سودی رفاہی اداروں کا چلنا مشکل ہو جائے گا، جن کا منشاء یہی ہے کہ لوگوں کو سود سے بچایا جائے، پھر ظاہر ہے کہ یہاں مقروض سے کچھ لیا جائے گا، اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ارباب سرمایہ اس سے فائدہ اٹھائیں، بلکہ مقصد صرف اس نظم کو باقی رکھنا ہے، ان حالات میں ایک طرف شرعی احکام اور دوسری طرف دفتری امور کو سامنے رکھ کر یہ صورتیں اختیار کیا جاسکتی ہیں:

(الف) ہر ماہ قرض کی ادائیگی اور دفتر کے اخراجات کا حساب کیا جائے اور ان اخراجات کو قرض کی مقدار پر تقسیم کردیا جائے اور ابتداء میں ان پر واضح کردیا جائے کہ وہ قرضداروں کا نفع تو نہیں لیں گے، البتہ ان کے قرض کے لیے دفتری امور پر جو اخراجات آسکتے ہیں بطور اجرت اسے وصول کرلیا جائے گا۔

(ب) مقروض کو کوئی مقدار نہ ہو، بلکہ اس ادارہ کو باقی رکھنے کے لیے ماہانہ فیس تعاون حاصل کی جائے اور ان کو تکمیل انشاء اس کام کی ترغیب دی جائے، جیسے کہ عام رفاہی اداروں کا نظم چلتا ہے۔

---

(۱) "کل قرض جر نفعها فهو ربا" (الجامع الصغير للسيوطي: ۲۸۳/۲، "حديث ضعيف") محشی۔

(ج) قرض خواہ سے دباؤ اور جبر کے بغیر خواہش کیا جائے کہ ان سے جو کچھ ہو سکے تعاون کریں قرض کی اجرت، یہ مہلت دے کر اسی کو موقوف نہ رکھا جائے۔

(د) ادارے کی طرف سے ایک اور مکان کی تعمیر عمل میں لائی جائے جس کے نفع میں ارباب سرمایہ کی شرکت نہ ہو، اور ان حضرات سے وضاحت بھی کردی جائے کہ ادارہ نے یہ رقم بطور قرض آپ سے لیا ہے اور وہ حسب منشا اس سے رقمیں لے لیا جائے گا۔

مذکورہ ان تمام صورتوں میں جہاں مقروض سے کوئی رقم لی جائے، اس کی حیثیت ثمن یا اجرت یا اس کی مناسبت کی ہوتی ہے اور اس پر شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

رہن کے احکام

رہن کا مکان کرایہ پر لگانا

سوال:- {1948} ایک صاحب نے دو سال کے معاہدہ پر ایک لاکھ روپے قرض دے کر بطور رہن مکان حاصل کیا، اب وہ دوسرے شخص کو ماہانہ بارہ سو روپے کرایہ پر مکان دینا چاہتا ہے، کیا اس شخص کے لیے ماہانہ کرایہ لینا جائز ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک شخص کی مالی پریشانی و مجبوری کے تحت ایڈوانس دے رہے ہیں۔ (محمد فہیم اعظمی، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے کو سود قرار دیا ہے۔(۱) اس لیے رہن کے مال سے نفع اٹھانا جائز نہیں:

"لیس للمرتهن أن ینتفع بالرهن لا باستخدام و لا بسکنی ... ؛ لأنه حق الحبس دون الانتفاع"(۲)

---

(۱) الجامع الصغیر: ۲/۴۸۳۔ نحوی۔

(۲) الهداية مع فتح القدير: ۴/۵۲۲۔

پس جو صورت آپ نے لکھی ہے یہ جائز نہیں، اس پر یا دوسو روپے اپنے لیے کرایہ حاصل کرنا سود میں داخل ہے۔

رہن رکھنے والے کا خود ہی اس کو کرایہ پر حاصل کرنا

سوال: - {1947} زید نے اپنا گھر بطور رہن بکر کو دیا، اس کے بعد زید نے بکر ہی سے اپنا وہ گھر کرایہ پر حاصل کر لیا، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(حافظ محمد عبد الرزاق، درگاہ جہانگیر پیراں)

جواب: - یہ صورت جائز نہیں، سود میں داخل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرض پر کسی بھی طرح کا نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا اور اسے سود قرار دیا ہے،(۱) فقہاء نے لکھا ہے کہ

" لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و إن اذن له الراهن : لأنه اذن له في الربا " (۲)

"اگر رہن رکھنے والا قرض دینے والے کو مال رہن سے نفع اٹھانے کی اجازت بھی دیدے، جب بھی وہ حرام ہی رہے گا، کیوں کہ یہ سود کی اجازت ہے"

ہاں ! اگر بکر اس کرایہ کو اپنے قرض میں منہا کرتا جائے، یا بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھے اور قرض کی ادائیگی کے وقت واپس کر دے تو یہ صورت جائز ہے۔

---

(۱) الجامع الصغیر: ۲/۹۴ ـ محشی۔

(۲) رد المحتار: ۵/۳۱۰ ـ

رہن میں رکھی ہوئی چیز کو کرایہ پر دینا

سوال:- (1948) زید نے مکان کے پورے کاغذات جس میں وہ خود مقیم ہے، بطور وثیقہ عمر کے پاس رکھ دیا ہے، اور اس سے ۱۵ ہزار روپے قرض لے رہا ہے، جس کی مدت ادائیگی دو سال ہے، اور ہر ماہ عمر کو ۲۵۰ روپے بطور کرایہ دے رہا ہے، دو سال گزرنے کے بعد زید عمر کو پندرہ ہزار لوٹا دے گا، اور مکان کے کاغذات واپس لے لے گا، کیا یہ صورت جائز ہے، زید عمر کو ۲۵۰ روپے جو بطور کرایہ دے رہا ہے وہ از روئے شرع کرایہ ہی کہلائے گا یا سود؟

(عبدالقدیر خان، مارننگ بیٹ، حیدرآباد)

جواب:- رہن کے لیے ضروری ہے کہ جو شی بطور رہن رکھی جائے وہ جس سے قرض لیا گیا ہے، اس کے قبضہ میں دے دی جائے، (۱) اس لیے مذکورہ صورت میں یہ معاملہ شرعی رہن کا نہیں ہوا، نیز مذکورہ صورت میں اگر معاملہ رہن کا ہو، تب بھی قرض دہندہ کے لیے کرایہ کی رقم وصول کرنا جائز نہیں، یہ صورت سود میں داخل ہے اور حرام ہے، لینے والا بھی گنہگار ہوگا، اور شدید ضرورت کے بغیر اس طرح قرض لے کر ماہانہ اضافی سو روپے ادا کرنے والا بھی گنہگار ہے، رہن کی وجہ سے قرض دہندہ کو صرف قبضہ کا حق حاصل ہوتا ہے، رہن رکھی گئی شی سے استفادہ کا حق نہیں۔ (۲)

---

(۱) "و الصحیح قول العامة لقوله تعالیٰ فرهان مقبوضة وصف سبحانه تعالیٰ الرهن بكونه مقبوضا فيقتضي أن يكون القبض فيه شرطا ... و لو تعاقد على أن يكون الرهن في يد صاحبه لا يجوز الرهن" (بدائع الصنائع: ۶/ ۱۳۷)

(۲) "كل قرض جر به نفعا فهو ربا" الحديث، (مسند ابن اسامه، زوائد حیدائی: ص: ۲۰۱) "لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و إن أذن له الراهن" (رد المحتار ۵/ ۳۱۰)

رہن کے مکان سے استفادہ کے بارے میں ایک شبہ

سوال:- صحیح بخاری عربی اردو میں ایک (1949)

حدیث اس طرح لکھی ہوئی ہے:

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر جانور پر خرچ کے مطابق سواری کی جائے، جب کہ اسے گروی رکھا ہوا ہے، یعنی خرچ کے مطابق خرچ سواری کرنے اور دودھ پینے والے پر ہے اور رہن میں بھی یہی حکم ہے"

جب کہ آپ نے اپنے جواب میں لکھا تھا کہ رہن کے مکان میں رہنا جائز نہیں ہے، اس کو لے کر ہمارے رشتہ داروں میں کافی بحث چل رہی ہے، براہ کرم وضاحت فرمائیں۔

(محمد یسین، جلال کوچہ)

جواب:- سود کا لینا حرام ہے، یہ نہ صرف قرآن مجید میں صراحت ہے، (۱) بلکہ کثرت سے حدیثیں بھی منقول ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر سود کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قرض پر جو بھی نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے: "کل قرض جر نفعا فھو ربا" (۲) ظاہر ہے کہ قرض دے کر بلا عوض مقروض کے مکان میں رہنا قرض پر فائدہ اٹھانا ہے، اس لیے یہ بھی سود کے دائرہ میں آتا ہے، احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ (۳) رہ گئی بخاری کی حدیث، تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس دور سے تعلق رکھتا ہے، جب سود

---

(۱) البقرۃ: ۲۷۵۔ محشی۔

(۲) الجامع الصغیر: ۲/۲۸۳۔ محشی۔

(۳) الفقہ الإسلامي و أدلتہ: ۳/۲۲۷۔ محشی۔

کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، مشہور محدث و محقق حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔(۱) اس لیے اس سے غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے۔

مال رہن کو فروخت کرنا

سوال:- {1950} ہم لوگ یہاں خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے کچھ سامان رکھ کر بلا سودی قرض دیتے ہیں، لوگ سامان رکھ کر برسوں نہیں آتے، انتظار کے بعد ہم انہیں فروخت کردیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(محمد رحیم الدین، مشیر آباد)

جواب:- آپ قرض دیتے وقت ان سے لکھا لیا کریں کہ اگر میں نے مقررہ تاریخ پر قرض ادا نہیں کیا تو ادارہ کو حق ہوگا کہ وہ میرا رہن رکھا ہوا سامان فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلے، ایسی صورت میں آپ کے لیے یہ بات جائز ہوگی کہ سامان رہن فروخت کردیں اور قرض وصول کرلیں اور باقی رقم محفوظ کردیں، جب وہ آئے تو اسے ادا کردیں، رہن رکھنے والا مقروض ہی سامان کا اصل مالک ہوتا ہے، اس لیے جب تک اس کی اجازت نہ ہو سامان فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

"و ليس للمرتهن أن يبيعه إلا برضاء الراهن ؛ لأنه ملكه و ما رضي ببيعه" (۲)

(۱) دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۷۱/۵، ط: مصر۔
(۲) الهداية على هامش فتح القدير: ۵/۵۲۸۔

اجارہ کے احکام

بینک سے زیور پرکھنے کی اجرت

سوال:- {1951} میں ایک زیورات کی دکان کا مالک ہوں، مجھے ایک بینک میں سونے کے زیورات جو گروی رکھے جاتے ہیں، انھیں کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی و نقلی کی پہچان کرنے پر کمیشن ملتا ہے، آیا میں بینک سے کمیشن قبول کرسکتا ہوں یا نہیں؟ (صہبا مجیب، چار مینار، حیدرآباد)

جواب:- کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی و نقلی پہچان کرنے کی اجرت لینا تو جائز ہے، لیکن بینک کی پوری آمدنی بنیادی طور پر سودی آمدنی ہوتی ہے، اس لیے بینک سے اس طرح کی اجرت لینا جائز نہیں، (1) آپ کے موجودہ کاروبار میں اللہ برکت دے گا، اسی پر اکتفا کرلیں۔

(1) جدید فقہی مسائل: ۱/۳۰۰، محشی۔

منی آرڈر کی اجرت

سوال:- (1952) تقریباً تمام دیہی علاقوں میں ڈاکیہ نے یہ اصول بنا ڈالا ہے کہ جب بھی کوئی منی آرڈر آتا ہے تو متعلقہ شخص سے بغیر کچھ رقم لیے روپے کی ڈلیوری نہیں کرتے، مسلم ڈاکیہ بھی اس کو صحیح سمجھ کر ایسا کرتے ہیں، گاؤں کے ناخواندہ یا کم ناخواندہ لوگ اسے منی آرڈر فیس سمجھ کر ادا کرتے ہیں، کیا یہ رقم لینا شرعاً جائز ہے؟ جب کہ اس رقم کو بھیجنے والا اس رقم بھیجنے کی فیس منی آرڈر کرتے وقت ہی ادا کردیتا ہے۔ (نجیم الدین رضوی، کوٹ، راجستھان)

جواب:- منی آرڈر کی اجرت چوں کہ پہلے ہی ادا کر دی جاتی ہے، اور ڈاکیہ کو حکومت ڈاک رسانی کی خدمت کا معاوضہ ادا کرتی ہے، اس لیے ڈاکیہ کی طرف سے منی آرڈر پہنچانے پر رقم کا مطالبہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور رشوت کے حکم میں ہے، کم سے کم مسلمان ڈاکیہ کو تو ضرور ہی اس سے بچنا چاہئے کہ حرام ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی روحانی اعتبار سے شدید نقصان وخسران کا باعث ہے۔

سودخور کا مکان کرایہ پر لینا

سوال:- (1953) ہم نے ایک مکان کرایہ پر لیا ہے، اب معلوم ہوا ہے کہ مالک مکان کا سودی کاروبار ہے، تو کیا ہمارے لیے اس مکان کو کرایہ پر لینا درست ہے؟ یا ہمیں مکان خالی کردینا چاہئے؟

(انور شریف، چندرائن گٹہ، حیدرآباد)

جواب:- اگر آپ نے کسی جائز مقصد کے لیے مکان کرایہ پر لیا ہو تو اس کی سودخواری سے آپ کا کچھ تعلق نہیں، اس لیے آپ کا مکان لینا درست ہے، ہاں! ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے آپ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ سود جیسے گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔

بینک کی ملازمت

سوال:- (1954) بینک کے ملازمین کی تنخواہ جب کہ بینک کا پورا نظام سود پر چل رہا ہو اس کا کیا حکم ہے؟

(مصلح الدین، ملک پیٹ)

جواب:- بینک کے کاروبار سود پر مبنی ہیں اور سودی کاروبار حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، لکھنے والے، اس کے گواہان اور اس کا واسطہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔(۱) اس لیے کہ یہ تمام لوگ سودی کاروبار میں تعاون کر رہے ہیں، بینک کے وہ ملازمین جو حساب و کتاب، نوشت و خواند، لین دین کا کام کرتے ہیں، اس گروہ میں داخل ہیں، اور معصیت میں براہ راست معاون ہیں، اس لیے یہ ملازمت ان کے لیے جائز نہیں ہے — البتہ نیچے درجہ کی ملازمت (مثلاً: جاروب کش، چوکیدار، وغیرہ جن کا کاروبار اور معاملات سے تعلق نہیں، نفس عمارت کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہیں،) جائز ہے۔

ٹی۔وی میکانک

سوال:- (1955) میں ایک ٹی۔وی میکانک ہوں،

---

(۱) "لعن الله آكل الربوا و مؤكله و شاهديه و كاتبه" (سنن أبي داؤد حديث نمبر:۳۳۳۳، الجامع للترمذي حديث نمبر:۱۲۰۶، سنن ابن ماجة، حديث نمبر:۲۲۷۷۔
" عن جابر قال : " لعن رسول الله ﷺ آكل الرباء و مؤكله و كاتبه وشاهديه و قال : هم سواء " (صحيح البخاري حديث نمبر:۱۵۹۸) مرتب۔

روزانہ خراب ٹی۔وی درست کرتا ہوں، اس پیسہ کی آمدنی سے
بال بچوں کی پرورش ہوتی ہے، شرعاً یہ کام درست ہے یا نہیں؟
جب کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک میں ٹی۔وی دیکھنے کا رواج
ہے۔ (م، ع، فاروقی)

جواب:- ٹی۔وی کا سیٹ چوں کہ فحش اور ذی روح کی تصاویر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسے مناظر بھی دکھائے جاسکتے ہیں جو جائز اور مباح ہوں، اس لیے بعض اہل علم نے اس کی اصلاح و مرمت کو جائز قرار دیا ہے،(۱) لیکن چوں کہ آج کل زیادہ تر مفاسد ہی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا بہتر اور قرین احتیاط ہے، مرمت کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے۔

کیمرہ اور ویڈیو کی مرمت اور اس کی اجرت

سوال:- {1956} فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی سے
متعلق آلات کی مرمت و درستگی اور اس کی آمدنی حلال ہے یا
حرام؟ اور اس سے حج درست ہوگا یا نہیں؟

(مرزا احمد عبد القدوس بیگ، نظام آباد)

جواب:- ذی روح کی تصویر لینا حرام ہے، غیر ذی روح چیزیں جیسے درخت، پہاڑ، دریا وغیرہ کی تصویر لینا جائز ہے، چوں کہ کیمرہ اور ویڈیو جائز چیزوں کے لیے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں، اس لیے ان کی اصلاح و مرمت کا کام جائز اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے اور اس سے حج کیا جاسکتا ہے۔(۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۹۹۔ محشی۔
(۲) رد المحتار: ۹/۵۲۲، کتاب الحظر و الإباحة، فصل في البیع۔ محشی۔

ٹی ۔ وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی آمدنی

سوال:- (1957) ٹی ۔ وی، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کی مرمت اور فلمی گانوں کے بھرنے سے جو آمدنی حاصل ہوگی، کیا وہ حلال ہے؟ اس آمدنی سے حج کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(مرزا احمد عبدالقدوس بیگ، مجاہد نگر، نظام آباد)

جواب:- ٹی ۔ وی سیٹ، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ چوں کہ جائز مقاصد کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کی مرمت کی اجرت اور فروخت کی قیمت جائز ہے؛ (۱) البتہ چوں کہ ٹی ۔ وی کا غالب استعمال ناجائز کاموں کے لیے ہے، اس لئے اس کی اجرت اور اس کی تجارت سے حاصل ہونے والا نفع کراہت سے خالی نہیں، جہاں تک فلمی گانے بھرنے کی بات ہے تو اگر بھرے ہوئے کیسٹ بیچتا ہے، تو چوں کہ کیسٹ فی نفسہ آلہ گناہ نہیں، اس لئے اس کی قیمت حلال ہوگی، البتہ گانا بھرنا گناہ کبیرہ اور اس کی وجہ سے اس کی آمدنی مشکوک ہے، اور اگر لوگ کیسٹ لاکر دیتے ہیں اور وہ گانے بھر دیا کرتا ہے تو یہ فعل بھی گناہ کا ہے اور آمدنی بھی گناہ کی۔

حج کے لیے حلال وطیب مال ہونا چاہئے، حرام اور مشکوک مال سے بچنا چاہئے، اس لیے گانے بھری ہوئی کیسٹ کی قیمت اور گانا بھرنے کی اجرت سے جو پیسہ حاصل ہوا سے حج جیسے مبارک ومسعود سفر میں استعمال نہ کرے۔

ایکسیڈنٹ کا معاوضہ

سوال:- (1958) لاری یا بس حادثہ میں کوئی آدمی

---

(۱) " و علم من هذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية و الكبش النطوح و الحمامة الطيارة و العصير و الخشب ممن يتخذ منه المعازف " (رد المحتار :۹/ ۵۶۲، كتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع) محشی۔

مرجائے تو عدالت مہلوک کے ورثاء کو رقم دلاتی ہے، اس رقم کا
لینا جائز ہے یا نہیں؟ (ایک قاری)

جواب:- شریعت نے قتل کی صورت میں قاتل پر دیت واجب قرار دی ہے، احکام کے اعتبار سے قتل کی تین صورتیں ہیں: قتل عمد، شبہ عمد، اور قتل خطاء، قتل عمد یہ ہے کہ قتل ہی کے ارادہ سے ایسے ہتھیار کے ذریعہ کسی شخص کو ہلاک کردیا جائے جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے تلوار، بندوق، شبہ عمد یہ ہے کہ مقصود تو مہلوک پر وار کرنا ہی ہو لیکن جو ہتھیار استعمال ہو وہ عام طور پر قتل کا باعث نہیں ہوتا، جیسے لاٹھی، گھونسہ وغیرہ، قتل خطاء یہ ہے کہ حملہ کا ارادہ ہی نہ ہو، لیکن کوئی شخص اس کے ہاتھوں ہلاک ہوجائے، کسی قدر فرق کے ساتھ دیت، قتل کی ان تینوں صورتوں میں واجب ہوتی ہے۔(۱)

ایک شخص موٹر چلا رہا ہو اور دوسرا شخص اس کی زد میں آکر ہلاک ہوجائے اور کوتاہی گاڑی چلانے والے کی ہو تو یہ صورت بھی قتل خطاء کے زمرہ میں آتی ہے اور اس میں بھی شرعاً دیت یعنی مہلوک کا مالی ہرجانہ واجب ہوتا ہے، شرعاً دیت سو اونٹ مقرر کی گئی ہے، جس کی اچھی خاصی قیمت ہوتی ہے، اس لیے اس رقم کا لینا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

جھوٹی کامیابی پر حاصل ہونے والی ملازمت

سوال:- {1959} ایک شخص نے اپنی تعلیم کے دور میں اساتذہ اور ذمہ داران امتحان کو بہلا پھسلا کر یا رشوت دے کر کامیابی حاصل کی اور اس کی بنیاد پر اسے ملازمت مل گئی تو کیا نوکری سے ملنے والی تنخواہ درست ہوگی؟

(ریشمہ خانم نظام آباد)

(۱) الہدایۃ: ۴/۵۵۹۔ محشی۔

جواب:- ذمہ داران امتحان سے غلط طریقہ پر سوالات حاصل کرلینا، یا زیادہ نمبرات حاصل کرلینا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور جو ذمہ داران اس میں شریک ہوں وہ بھی گنہگار اور فسق کے مرتکب ہیں، (۱) اس کامیابی کی بنیاد پر جو ملازمت حاصل کی گئی ہے جھوٹ اور دھوکہ ہونے کی وجہ سے بھی شدید گناہ ہے، لیکن تنخواہ چونکہ ڈگری کی نہیں بلکہ کام کی دی جاتی ہے، اس لئے تنخواہ حلال ہوگی۔

رخصت علالت کے لیے فرضی سرٹیفکیٹ

سوال:- (1960) کیا کوئی سرکاری ملازم رخصت بیماری کی تنخواہ لے سکتا ہے، جب کہ وہ صحت مند ہو اور ڈاکٹر سے فرضی سرٹیفکیٹ حاصل کرکے پیش کردے، کیا یہ رقم حلال ہوگی؟ (ایک ملازم، سکندرآباد)

جواب:- رخصت علالت گورنمنٹ کی طرف سے ایک چھوٹ ہے، جس میں بیمار ملازمین کی رعایت مقصود ہے، یہ ملازم کا حق نہیں، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ انسان جتنے دنوں کام کرے اتنے دنوں کی تنخواہ کا استحقاق ہو، لہذا فرضی سرٹیفکیٹ پیش کرکے رخصت علالت حاصل کرنا اور اس کی تنخواہ سے استفادہ کرنا بیک وقت تین گناہوں کو شامل ہے، جھوٹ، دھوکہ اور ناجائز طریقہ پر پیسے کا حاصل کرنا، جس کو قرآن نے " أكل بالباطل " سے تعبیر کیا ہے، اس لیے ملازمین کا یہ عمل درست نہیں، اور اتنے دنوں کی تنخواہ اس کے لیے ناجائز ہے، خاص کر مسلمانوں کو تو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسب معاش کی حرص میں ایسی ناز یبا اور اوچھی حرکتیں کریں، اس سے آخرت میں جو گناہ ہوگا وہ تو ہوگا ہی، دنیا میں بھی بے برکتی پیدا ہوتی ہے، اور انسان آفتوں اور بلاؤں سے دوچار ہوتا ہے، نیز ڈاکٹر کے لیے بھی ایسی جھوٹی سرٹیفکیٹ جاری

---

(۱) دیکھئے: معارف القرآن: ۳/۱۰۰، ط: دہلی۔

کرنا گناہ ہے کہ یہ جھوٹ ہونے کی وجہ سے اول تو خود گناہ ہے، دوسرے گناہ کے کام میں تعاون بھی ہے اور گناہ میں تعاون بھی گناہ ہے۔(۱)

جعلی سرٹیفکٹ پر ملازمت

سوال:- {1961} ایک شخص غیر مستحق ہونے کے باوجود Cast Backward سرٹیفکٹ حاصل کرتا ہے، اور اس کو ملازمت بھی مل جاتی ہے، کیا اس ملازمت کے ذریعہ حاصل شدہ مال کے ذریعہ حج کر سکتا ہے؟ وہ مال اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ (سید سرور عالم، میدک)

جواب:- غلط سرٹیفکٹ بنانا گناہ ہے، کیوں کہ یہ جھوٹ بھی ہے اور دھوکہ بھی، لیکن چوں کہ یہ اجرت عمل اور محنت کا معاوضہ ہے اور عمل پر اجرت حاصل کرنا جائز و حلال طریقہ ہے، اس لیے اس کی آمدنی حلال ہی متصور ہوگی، نہ کہ حرام، اس لیے اس رقم سے حج کرنا درست ہے، البتہ اسے اپنے اس جھوٹ پر توبہ کرنی چاہیے۔(۲)

ناجائز ملازمتیں

سوال:- {1962} فوٹو گرافی، ریڈیو گرافی محکمۂ آبکاری، چینک یا چٹ فنڈ کی کمپنیوں کو چلانا یا ان میں ملازمت کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ (ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- جیسے خود گناہ کرنا حرام ہے، اسی طرح گناہ کے کاموں میں تعاون بھی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے اور برائی کے کاموں میں تعاون سے

(۱) ﴿ لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدۃ:۲) محشی۔
(۲) دیکھئے: البحر الرائق: ۱۹/۸۔ محشی۔

منع فرمایا:

﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾(۱)

اس لیے ایسے محکموں اور کمپنیوں میں ملازمت جائز نہیں، جو گناہ کے کام کرتی ہوں۔

آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں، وہ سب گناہ کی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ گناہ مصوروں پر ہوگا۔(۲) فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی ظاہر ہے کہ مصوری میں داخل ہے، شراب کی تجارت اور کاروبار میں کسی بھی طرح کی شرکت کو حضور ﷺ نے باعث لعنت قرار دیا ہے۔(۳) محکمہ آبکاری میں ملازمت بالواسطہ شراب کے کاروبار میں ملوث ہونا ہے، بینک بنیادی طور پر سودی کاروبار کرتا ہے، اور حضور ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، سودی کاروبار کو لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔(۴) اس لیے بینک میں سوائے درجۂ چہارم کی ملازمت کے اور کوئی ملازمت جائز نہیں، چٹ فنڈ میں اگر نقصان برداشت کر کے لوگ چٹھی اٹھایا کرتے ہوں تو یہ صورت بھی سود میں داخل ہے، اور اس وجہ سے حرام ہے، ہاں اگر چٹھی کی یہ صورت ہو کہ قرعہ اندازی کی بناء پر کسی کو پہلے اور کسی کو بعد میں پوری اور برابر رقم ملتی ہو، تو یہ جائز ہے، اور اس میں کوئی قباحت نہیں، ایسی کمپنی میں ملازمت بھی درست ہے۔

شوہر اور محرم کے بغیر خواتین کا بیرون ملک ملازمت کرنا

سوال:- (1963) بے شمار، لاتعداد اور بے حساب

---

(۱) المائدۃ:۲۔ محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۰۹۔

(۳) سنن أبی داؤد، حدیث نمبر:۳۶۷۴، باب العصیر للخمر۔ محشی۔

(۴) صحیح مسلم:۲/۲۷۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیاں، طالبات اور
خواتین بغیر محرم کے بیرون شہر اور بیرون ملک جاکر نوکری
وغیرہ کررہی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(قاری ایم ایس خان، بھوروہ، اکبر باغ)

جواب:- محرم اور شوہر کے بغیر عورت کا اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں، اور جب سفر ہی جائز نہیں، تو اتنی دور قیام کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔

"حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا، یا کسی محرم کے بغیر تین دنوں یا اس سے زیادہ کا سفر جائز نہیں" ( )

حضرت ابوہریرہ ﷛ کی ایک روایت میں تو ایک دن ایک رات بغیر محرم کے سفر کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ (۲) تین دن و رات سے مراد اتنی طویل مسافت کا سفر ہے جس کو حضور ﷺ کے زمانہ میں تین شب و روز میں طے کیا جاتا تھا، اور وہ اڑتالیس میل کی مسافت ہے، یہاں تک کہ حج جیسی اہم عبادت کے لیے بھی محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع فرمایا گیا۔

اس لیے اس طرح خواتین کا ملازمت کے لیے دور دراز علاقہ میں قیام جائز نہیں، اسلام نے جو نظام معاشرت انسانیت کو دیا ہے، اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مرد گھر سے باہر نکلے اور کسب معاش کرے، اور عورتیں اندرون خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس میں نہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے، بلکہ خاندانی نظام کا بقاء اور مرد و عورت دونوں کا مفاد ہے، شوہر اور

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۳۲۳، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج و غیرہ - محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۳۱۹، کتاب الحج۔

محرم کے بغیر تنہا رہنے میں عورت کی عصمت و عفت کو خطرہ ہے، نیز اس کو جس نفسیاتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا وہ بھی محتاج اظہار نہیں۔

مسلم خاتون کا پیشہ طبابت کرنا

سوال:- (1964) ایک مسلم شادی شدہ خاتون ماشاء اللہ ایم بی بی ایس (M.B.B.S) ہیں، تو قیر آمدنی کے علاوہ اچھا وقت گزرنے اور ساتھ مسلم خواتین کو علاج کی سہولت پہونچانے کے لیے وہ ایک دواخانہ قائم کرنا چاہتی ہیں، لیکن لیڈی ڈاکٹر کے شوہر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام میں اس طرح کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی فتوی ملے تو میں اجازت دیدوں گا، براہ کرم مسطورہ بالا کی روشنی میں مسائل کی مدد کیجئے۔

(تنویر الطاف، مشیر آباد)

جواب:- مسلمان خاتون ڈاکٹر عورتوں کے علاج کی غرض سے دواخانہ قائم کرے تو درست بلکہ مناسب ہے، شریعت میں یہ بات مطلوب ہے کہ خواتین کا علاج خود خواتین کریں تاکہ مریض خواتین کو مردوں کے سامنے بے پردہ ہونا پڑے اور ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ خواتین طبیبہ موجود ہوں۔ واللہ اعلم

جیمیرڈ پر کرایہ

سوال:- (1965) میں حصول روزی کے لیے ایک جگہ کیرم کھیلنے کے لیے کرایہ پر لوگوں کو جمع کرتا ہوں، وہ مجھے کچھ معاوضہ دے کر کھیلتے ہیں اور آپس میں بعض شرطیں بھی لگاتے ہیں، کیا اس طرح روزی حاصل کرنا شرعاً جائز ہے؟

(وسیم احمد، مظفرپور)

جواب:- کھیل خواہ کوئی بھی ہو، اگر اسے دو آدمی جیت ہار کی شرط کے ساتھ کھیلیں تو یہ قمار اور جوا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے نہایت ہی شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔(۱) اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے،(۲) اگر کوئی شرط نہ لگائی جائے اور سادہ طریقہ پر کھیلا جائے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا کھیل ہے کہ جسے لوگ گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں، گویا یہ شطرنج کی طرح ہے، شطرنج جوے کے بغیر بھی مکروہ ہے۔(۳) کیوں کہ اس میں بکثرت وقت ضائع ہوتا ہے، فائدہ اس سے کچھ نہیں اور انسان اپنی اصلی ذمہ داریوں سے غافل ہوتا جاتا ہے، اس کھیل میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے، پھر جو لوگ بغیر شرط کے کھیلتے ہوں گے یا وہ بھی اس ماحول میں آہستہ آہستہ شرطیں باندھنے اور جوے لگانے کی راہ اختیار کرتے ہوں گے، اس طرح یہ کھیل انسان کو معصیت کی طرف لے جاتا ہے، اور جو چیز انسان کو معصیت اور گناہ کے راستہ پر لے جائے وہ خود بھی معصیت ہے، لہٰذا جوے کے بغیر بھی یہ کھیل کراہت سے خالی نہیں۔

جیسے گناہ کے ارتکاب کی ممانعت ہے، اسی طرح گناہ میں تعاون کرنا بھی کچھ کم درجہ کا گناہ نہیں اور گناہ کی طرف دعوت اور اس کی ترغیب تو سخت ترین معصیت ہے، کیوں کہ قرآن نے "نهي عن المنكر" یعنی برائی سے روکنے کو فرض قرار دیا ہے، اور یہ "أمر بالمنكر" یعنی برائی کی دعوت دینا ہے، اس لیے اس کھیل کی غرض سے آپ کا لوگوں کو جمع کرنا اور ان سے کرایہ لے کر اس کھیل کے مواقع فراہم کرنا درست نہیں، آپ اس سے اجتناب کریں، اور اللہ پر بھروسہ کرکے کوئی حلال ذریعہ معاش تلاش کریں، ان شاء اللہ، اللہ کی مدد ہوگی۔

---

(۱) مشكوة المصابيح، ص:۳۸۶، مجتبیٰ۔

(۲) كتاب الكبائر، ص:۳۰۷، للحافظ شمس الدين عبد الله الذهبي۔ مجتبیٰ۔

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳۸۱/۹، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع۔

کم کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر دینا

سوال:- (1966) میں نے مسجد کی ایک منگی ایک لاکھ روپے اڈوانس دے کر ماہانہ ایک ہزار روپے کرایہ پر حاصل کیا ہے، اس میں کسی اور شخص کو اڈوانس لیے بغیر تین ہزار ماہانہ کرایہ پر دے سکتا ہوں؟ اور کیا یہ منافع میرے لیے حلال ہوگا؟　　(بہ توسط: ص، ح، ق)

جواب:- یہ بات جائز ہے کہ کرایہ دار کرایہ پر حاصل کی ہوئی چیز کسی اور کو کرایہ پر دے دے، خواہ یہ دوسرا کرایہ دار پہلے کرایہ دار سے زیادہ ادا کرے یا کم ادا کرے، اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ جائز ہے، البتہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ خود اتنا کم کرایہ نہ دیں جس سے مسجد کو نقصان پہنچے، اگر اس علاقہ میں اتنے اڈوانس کے ساتھ اس جیسی عمارت کا وہی کرایہ ہوتا ہے، تو پھر آپ کے اس عمل میں کوئی قباحت نہیں۔

اگر کرایہ دار غیر شرعی افعال کرے؟

سوال:- (1967) اگر مالک مکان کو معلوم ہو جائے کہ اس مکان میں کرایہ دار غیر شرعی حرکت کرتے ہیں، یہاں تک کہ قمار بازی اور دوسری بری حرکات بھی کی جاتی ہیں، تو کیا مکان دار کے لیے اس کے کرایہ کا استعمال کرنا درست ہوگا؟

(مقصود حسین خان، پھولا تک)

جواب:- اگر کرایہ پر لگاتے وقت یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس مکان کو برے کاموں کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا، لیکن بعد میں کرایہ دار اس طرح کی حرکت کرتا ہے تو صاحب مکان پر اس کا گناہ نہیں اور کرایہ اس کے لیے حلال ہے، البتہ اسے کوشش کرنی چاہئے کہ جلد

سے جلد اپنے مکان دار سے مکان خالی کرالے، تاکہ وہ کسی بھی درجہ میں گناہ میں مددگار نہ سمجھا جائے۔(۱)

تعطیلات کی تنخواہ

سوال:- (1968) ایک سرکاری ملازم کے لیے سرکاری تعطیلات کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ضرور وضاحت فرمائیں، کیوں کہ اس ضمن میں غیر سرکاری ملازم لوگ مختلف خیالات کا اظہار کررہے ہیں۔ (عبدالحفیظ، محمد یونس، کورٹلہ)

جواب:- سرکاری یا غیر سرکاری ادارہ میں تعطیلات کے لیے جو قانون مقرر ہے، وہ اس ادارہ اور ادارہ کے ملازم کے درمیان معاہدہ کی شرائط کا درجہ رکھتا ہے، مثلاً: ایک شخص کی تنخواہ ایک ہزار ہے اور مہینہ میں پانچ تعطیلات ہیں، تو گویا یہاں ہی پچیس ایام کار کی تنخواہ ہے اور اسی کا دونوں کے درمیان معاہدہ ہے، نیز تعطیل کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ ملازم کو آرام اور اپنی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کا موقع بہم پہنچے، تاکہ اگلے دنوں تازہ دم ہوکر اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ ادارہ کا کام کرسکے، پس تعطیل میں جیسے ملازم کا مفاد ہے، ایسے ہی ادارہ کا بھی مفاد ہے، اس لیے سرکاری ملازمین کے لیے سرکاری تعطیلات سے اور خانگی ملازمین کے لیے اس کمپنی کی مقررہ تعطیلات سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور ان ایام کی تنخواہ حلال ہے، فقہاء نے بھی ائمہ مساجد اور مدرسین کی ایام تعطیل کی تنخواہوں پر گفتگو کی ہے اور اس کا ماحاصل یہی ہے کہ عرف میں جتنے ایام تعطیل کے ہوتے ہیں ان ایام کی تنخواہیں دینا اور لینا دونوں ہی جائز ہے۔(۲)

---

(۱) کیوں کہ معصیت میں تعاون سے منع کیا گیا ہے: ﴿لا تعاونوا علی الاثم و العدوان﴾ (المائدة :۲) محشی۔

(۲) رد المحتار :۳/۳۸۔

اوقات ملازمت میں دوسرے کام

سوال:- (1969) نعیم ملازم سرکار ہے اور اس کے دفتری اوقات دس تا چھ بجے ہیں، آفس میں دفتری کام نہ ہونے کی وجہ سے وہ دفتری اوقات کا استعمال مسجد میں دینی و اصلاحی کاموں اور نفل عبادات میں صرف کرتا ہے، حکومت سے وہ تنخواہ پوری پوری وصول کرتا ہے، نعیم کا ماہانہ سرکاری تنخواہ پوری پوری حاصل کرنا حلال ہے یا حرام؟

(مجاہد محی الدین، پربھنی)

جواب:- ملازمت دراصل ایک قسم کا معاہدہ ہے، جو ملازم اور اس کے ذمہ دار شخص کے درمیان طے پاتا ہے کہ ملازم فلاں وقت تک یہ کام کرے گا اور اس کے عوض اس کو اتنی رقم دی جائے گی، اس معاہدہ کی وجہ سے ملازم پر ضروری ہے کہ وہ پورا متعینہ وقت آفس کو دے، قرآن مجید میں بڑی تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے کہ: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (۱) اس لیے نعیم پر واجب ہے کہ وہ دفتری اوقات میں آفس ہی میں رہے، خواہ اس کے ذمہ کوئی کام ہو یا نہ ہو، البتہ فرض نمازوں کے لیے جا سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بندوں کی اطاعت پر مقدم ہے۔

اجارہ کی ایک صورت

سوال:- (1970) میں نے چھوٹے بھائی کی پرورش کی، اس کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا، پھر چھوٹا بھائی ہونے کے لحاظ سے اپنی دوکان میں لگا دیا، اس کے بعد ان کی

---

(۱) المائدۃ: ۱۔

شادی وغیرہ کردی، جس میں تیرہ ہزار روپے خرچ ہوا شادی کے
بعد میں نے ان کے لیے ایک الگ دوکان لے لی، جس میں
اپنی دوکان سے پانچ ہزار روپے کا سرمایہ لگادیا، اس معاہدہ کے
ساتھ کہ وہ بعد کو رقم ادا کردیں گے، میرا ان سے کوئی رقم ان
کو دینے یا میری دوکان میں کام کرنے کے زمانہ میں اجرت ادا
کرنے کا کوئی معاہدہ نہیں تھا، میں نے اسی دوران ایک باغ
بھی خریدا، اب وہ نہ صرف یہ کہ ہمارا سرمایہ جو بطور قرض تھا
واپس کرنے کو تیار نہیں، بلکہ باغ میں بھی حصہ کے طالب ہیں،
حالاں کہ یہ کوئی موروثی املاک نہیں ہے، خالص اپنی کمائی سے
حاصل کردہ ہے، سوال یہ ہے کہ باغ میں اس کا شرعی حصہ ہے یا
نہیں؟ (محمد یوسف، پارکس، حیدرآباد)

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کے باغ پر آپ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے اور شرعاً معاہدہ کے مطابق اس سرمایہ کی ادائیگی ان پر واجب ہے، جو آپ نے اپنی دوکان سے تجارت کی غرض سے بطور قرض دیا تھا، اور جہاں تک آپ کی دوکان میں ان کے کام کرنے کی بات ہے، تو اس کی کوئی اجرت نہیں ہے، اس لیے کہ شرعاً اجرت اس وقت واجب ہوتی ہے، جب کہ پہلے سے اس کے معاوضہ کے سلسلہ میں کوئی معاہدہ ہو چکا ہو، (۱) اور یہاں آپ کے اور ان کے درمیان ایسا کوئی پیشگی معاہدہ نہ تھا، یہ ان کی طرف سے ایک رعایت اور مدد تھی اور شادی بیاہ میں خرچ ہونے والی رقم کے ذریعہ آپ نے اس کا مکافات کردیا ہے۔

---

(۱) "الأجرة لا تجب بالعقد و تستحق بإحدى معاني ثلاثة إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه" (الهداية :۳/۲۹۳) محشی۔

مردار کی کھال پر نمک لگانے کی اجرت

سوال:- {1971} مردار کی کھال پر نمک لگانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

(مسیح الدین، مشیر آباد)

جواب:- مردار کی کھال پر نمک لگانا اور سڑنے سے محفوظ رکھنے کا ایک آزمودہ اور قدیم طریقہ ہے، جسے فقہ کی اصطلاح میں ''دباغت'' کہتے ہیں، (۱) رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے لیے دباغت کو پاکی کا ذریعہ قرار دیا ہے، (۲) اور آپ ﷺ نے مردار کے چمڑے سے دباغت دے کر فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ (۳) لہذا یہ ایک جائز عمل ہے، جس میں انسان کی محنت اور فنی مہارت کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس کا عوض لینا جائز ہے۔

پیاماتِ شادی کے ادارے اور ان کی اجرت

سوال:- {1972} آج کل نکاح کے سلسلہ میں ایسے ادارے قائم کیے جاتے ہیں جن میں طرفین سے ایک خطیر رقم حاصل کی جاتی ہے اور باضابطہ اس کے لیے فیس بنائی جاتی ہے، کیا یہ کاروبار درست ہے؟

(محمد مزمل، قبا کالونی، حیدرآباد)

جواب:- رشتے تلاش کرنا ایک عمل ہے، اس میں دوڑ دھوپ بھی کرنی پڑتی ہے، اخبارات میں اشتہار دیے جاتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے مستقل دفتر قائم کیا جاتا ہے، اس

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۲۵۵۔ محشی۔

(۲) "قال رسول الله ﷺ: أيما إهاب دبغ فقد طهر" عن ابن عباس ﷺ، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۷۲۸، باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت) محشی۔

(۳) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۱۷۲۷۔ محشی۔

سے لوگوں کی مصلحت متعلق ہے، بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعہ مناسب رشتے مل جاتے ہیں اور یہ دفتر لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے رشتہ کے متلاشی اور ان دونوں کے درمیان ارتباط کا کام کرتا ہے، یہ سارے کام جائز ہیں، اس لیے ان کی مناسب اجرت لینا درست ہے۔

اجرت لے کر مسجد میں تعلیم

سوال:- {1973} (الف) کیا مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے؟ بعض حضرات کسی ضرورت کی وجہ سے نماز پڑھنے دیر میں آتے ہیں اور تعلیم کی وجہ سے ان کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

(ب) بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسجد میں فیس لے کر اور اساتذۂ کرام کو تنخواہ دے کر تعلیم نہیں دی جاسکتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟　　(محمد مقصود، عادل آباد)

جواب:- اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جہاں دو نامناسب باتوں میں سے کوئی ایک بہر حال پیش آ کر رہے، وہاں کم تر بات کو مجبوراً قبول کرلیا جائے گا۔(۱) آپ کا سوال کچھ اسی نوعیت کا ہے، نماز میں خلل یا مسجد میں کوئی بھی کام کر کے اس پر اجرت وصول کرنا نامناسب بات ہے، مگر اس سے زیادہ نامناسب اور نقصان دہ بات یہ ہوگی کہ بچوں کو مبادیات دین کی تعلیم سے بالکل نابلد رکھا جائے، اور وہ بھی اس عہد بد دینی میں، اسی اصول کی بناء پر فقہاء نے امامت اور دینی تعلیم پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے،(۲) لہٰذا:

(الف) تعلیم دی جاسکتی ہے، بعد میں آنے والے صاحب کو خود احتیاط کرنی چاہئے کہ کسی گوشہ میں پڑھ لیں، یا بچوں کی تعلیم کے اوقات میں کہیں اور نماز ادا کرلیں کہ جب جماعت

(۱) الأشباہ و النظائر لابن نجیم :ص:۲۸۶، القاعدۃ الخامسۃ : الضرر یزال۔ محشی۔
(۲) الفتاوی الهندیة :۳/ ۳۴۸۔ محشی۔

نہیں ملی تو کہیں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے اور اگر مسجد دو منزلہ ہو تو مناسب ہوگا کہ خود بچوں کی تعلیم کا نظم کسی ایک منزل میں کیا جائے کہ دوسری منزل پر بعد میں آنے والے کسی خلل کے بغیر نماز ادا کر سکیں۔

(ب) اگر مسجد کے بجائے اور نظم مشکل ہو، جیسا کہ آج کل شہروں میں مکانات کی کی و تنگی اور مدارس کی معاشی دشواریوں کی باعث ہے تو مسجد میں بھی اجرت لے کر تعلیم دی جاسکتی ہے۔(۱)

غیر مسلم تہواروں میں اجرت پر اشیاء کا دینا

سوال:- (1974) مسلم سپلائنگ کمپنی کے مالکین سپلائنگ کمپنی کا سامان گنیش منڈپوں کے لیے کرایہ پر دیتے ہیں، نیز گنیش و سرجن کے موقع پر مسلم لاری مالکان اپنی لاریوں کو بھی کرایہ پر دیتے ہیں، ڈرائیور و کنڈکٹر بھی زیادہ تر مسلم ہی رہتے ہیں، ساؤنڈ کمپنی والے بھی لاؤڈ اسپیکر، رنگین بلبس و دیگر الیکٹریکل و الیکٹرانک اشیاء کرایہ پر دیتے ہیں، دیگر ہندو تہواروں میں بھی مذکورہ مالکان اپنا اپنا سامان کرایہ پر دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (ایم، ایس خاں، اکبر باغ)

جواب:- اسلام نے ہمیں دوسرے مذاہب کے بارے میں رواداری اور احترام کی تعلیم دی ہے کہ ہم دوسروں کے مذہبی جذبات کا پاس و لحاظ رکھیں اور ان کی مذہبی شخصیتوں کے بارے میں بے احترامی کا رویہ اختیار نہ کریں، لیکن اسلام صوم کی تاکید نہیں کرتا کو بالکل اس کی

(۱) " أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر و غيره لا يكره " (خلاصة الفتاوى :۱/۲۲۹، الفتاوى الهندية :۱/ ۱۵۷، از جدید فقہی مسائل۔

مخالف فکر و عقیدہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے، اسلام کی بنیادی تعلیم خدا کی وحدت ہے، اس کی نگاہ میں سب سے زیادہ خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، جب کہ ہمارے ہندو بھائیوں کی دیوی دیوتاؤں کی لامحدود تعداد ہے، دور گنیش جی اور ان کے علاوہ تمام تہوار کسی نہ کسی مشرکانہ فکر پر مبنی ہیں، لہٰذا اگر آپ اس میں تعاون کریں تو یہ مطلب ہوگا کہ آپ خدا کے ایک ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں، اور خدا کے ساتھ شریک کرنے کو بھی قابل قبول تصور کرتے ہیں، ایسے متضاد عمل کو کوئی بھی صاحب عقل درست نہیں کہہ سکتا، اس لیے گنیش و سرجن کے لیے لاریاں اور دوسری اشیاء کرایہ پر دینا درست نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہ پر تعاون سے منع فرمایا ہے۔(۱) اس لیے فقہاء نے گانے بجانے وغیرہ کے لیے اجارہ کو نادرست قرار دیا ہے۔ ''لا تصح الإجارة لأجل المعاصی مثل الغناء... ''(۲) کوئی مسلمان شراب کے لیے اپنا گھر کرایہ پر دے، یا اپنی سواری شراب کی بار برداری کے لیے دے تو امام ابو حنیفہؒ کے دونوں لائق تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی اصول کی بناء پر اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔(۳)

بینک کی ملازمت اور دوسری سرکاری ملازمتوں میں فرق

سوال:- (1975) بینک کی نوکری کے سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ جائز نہیں، کیوں کہ اس میں سودی معاملہ ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صرف بینک کی نوکری ہی تخصیص کیوں؟ اس میں وہ تمام نوکریاں شامل ہوں جو حکومت کی جانب سے متعلق ہیں، کیوں کہ حکومت خود

(۱) ﴿ و لا تعاونوا علی الإثم و العدوان ﴾ (المائدة :۲)مرتب۔
(۲) الدر المختار : علی هامش رد المحتار :۹/۷۵۔
(۳) الفتاوی الهندية:۴/۴۴۹۔

ورلڈ بینک سے قرض حاصل کرتی ہے، اور گورنمنٹ کے ہر ملازم کو گویا سود سے اس کی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔

(مصدق انور، بیدر)

جواب:- اول تو گورنمنٹ کی پوری آمدنی ورلڈ بینک کے قرض سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ آمدنی کا غالب حصہ اندرون ملک کے وسائل سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس میں قدرتی صنعتیں، عوام سے لیا جانے والا ٹیکس، ریلوے اور پوسٹ وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی اور بہت سے دوسرے ذرائع ہیں، دوسرے حکومت ورلڈ بینک سے سود لیتی نہیں ہے، بلکہ سود دیتی ہے، اور سودی قرض حاصل کرتی ہے، بخلاف بینک کے کہ وہ لوگوں سے سود حاصل کرتا ہے، سود لینے کی صورت میں فعل بھی گناہ ہے اور حاصل ہونے والا پیسہ بھی حرام اور سودی قرض لینے کی صورت میں فعل تو گناہ کا ہوتا ہے، لیکن یہ رقم حلال ہوتی ہے، بینک کی ملازمت اس لیے ناجائز ہے کہ اکثر اوقات یہ سودی لین دین میں تعاون ہوتا ہے، اور سودی معاملات میں تعاون بھی جائز نہیں، (1) جب کہ گورنمنٹ کی دوسری ملازمتوں میں ملازمت کرنے والوں کا سود لینے اور دینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس لیے بینک کی ایسی ملازمت جس میں سودی کاروبار کے لکھنے یا لینے اور دینے میں تعاون ہوتا ہو جائز نہیں ہے اور دوسری سرکاری ملازمتیں جن میں براہ راست کسی حرام کا ارتکاب نہ ہوتا ہو جائز ہیں۔

فینانس کمپنی کے لیے جگہ کرایہ پر دینا

سوال:- (1976) اکثر لوگ فینانس پر گاڑی خریدنا چاہتے ہیں، نقد معاملہ کم ہی لوگ کرتے ہیں، تو ایسے فینانس فراہم کرنے والے بینک، ساہوکار، یا کمپنی کے لیے جگہ فراہم

(1) ﴿ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان ﴾ (المائدة :۲) محشی۔

کی جاتی ہے، گویا یہاں ان کا ذیلی دفتر قائم ہو جاتا ہے، یہ دفتر
والے گاہک کو سود پر قرض دیتے ہیں، وہ رقم شوروم کے مالک کو
نقد دی جاتی ہے، اس پورے عمل میں سودی کام کرنے والوں
کی مدد ہوتی ہے، کیا یہ کاروبار جائز ہوگا؟

(محمد نصیر الدین، اکبر باغ)

جواب:- سود کا جس طرح خود لینا یا شدید ضرورت کے بغیر دینا حرام ہے، اسی طرح سودی معاملات میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو سودی کاروبار کو لکھنے، اور اس پر گواہ بننے یا اس میں واسطہ بننے کے اعتبار سے معاون ہوں۔(۱) ایسے سودی قرض فراہم کرنے والے اداروں کو اپنے شوروم میں جگہ فراہم کرنا ایک سودی معاملہ میں تعاون کرنا ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں۔

(۱) الجامع للترمذي حدیث نمبر:۱۲۰۶، باب ما جاء في أكل الربا ۔ محشی ۔